جلد: ۸ شمارہ: ۱
جنوری تا مارچ 2017ء

سہ ماہی

سماجی/دینی تحقیقی مجلّہ

مسلسل شمارہ
35

نورِ معرفت

سیرت نمبر

اداریہ
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفہیمِ جدید
افسانۂ شرحِ صدر کا تحقیقی جائزہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب واخلاق
النبی الاکرمؐ کان خُلُقه القرآن
بارگاہ الٰہی میں نبی اکرمؐ کا تواضع اور عبادت
سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جہاد کے عصری تقاضے
مختلف جنگوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری حکمت عملی
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امامیہ علماء کی چند جدید کتب کا تعارف
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں بیداری امت کا درخشاں پہلو
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی تشہیری مہم میں فنِ ابلاغیات کا کردار

NMT
نور الہدیٰ مرکز تحقیقات
(اسلام آباد)

کلام الامام، امام الکلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ

وَ لَقَدْ کَانَ فِي رَسُولِ اللهِ (صلی الله علیه و آله) کَافٍ لَکَ فِي الْأُسْوَةِ وَ دَلِيلٌ لَکَ عَلَی ذَمِّ الدُّنْيَا وَ عَيْبِهَا وَ کَثْرَةِ مَخَازِيهَا وَ مَسَاوِيهَا إِذْ قُبِضَتْ عَنْهُ أَطْرَافُهَا وَ وُطِّئَتْ لِغَيْرِهِ أَکْنَافُهَا وَ فُطِمَ عَنْ رَضَاعِهَا وَ زُوِيَ عَنْ زَخَارِفِهَا۔۔۔ فَتَأَسَّ بِنَبِيِّکَ الْأَطْيَبِ الْأَطْهَرِ (صلی الله علیه و آله) فَإِنَّ فِيهِ أُسْوَةً لِمَنْ تَأَسَّی وَ عَزَاءً لِمَنْ تَعَزَّی وَ أَحَبُّ الْعِبَادِ إِلَی اللهِ الْمُتَأَسِّي۔۔۔ وَ لَقَدْ کَانَ فِي رَسُولِ اللهِ (صلی الله علیه و آله) مَا يَدُلُّکَ عَلَی مَسَاوِئِ الدُّنْيَا وَ عُيُوبِهَا إِذْ جَاعَ فِيهَا مَعَ خَاصَّتِهِ وَ زُوِيَتْ عَنْهُ زَخَارِفُهَا مَعَ عَظِيمِ زُلْفَتِهِ فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ بِعَقْلِهِ أَکْرَمَ اللهُ مُحَمَّداً بِذَلِکَ أَمْ أَهَانَهُ فَإِنْ قَالَ أَهَانَهُ فَقَدْ کَذَبَ وَ اللهِ الْعَظِيمِ بِالْإِفْکِ الْعَظِيمِ وَ إِنْ قَالَ أَکْرَمَهُ فَلْيَعْلَمْ أَنَّ اللهَ قَدْ أَهَانَ غَيْرَهُ حَيْثُ بَسَطَ الدُّنْيَا لَهُ وَ زَوَاهَا عَنْ أَقْرَبِ النَّاسِ مِنْهُ۔

یعنی: تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و عمل پیروی کے لیے کافی ہے اور ان کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کے لئے رہنما ہے۔ اس لیے کہ اس دنیا کے دامنوں کو ان سے سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کے لئے اس کی وسعتیں مہیا کر دی گئیں ور اس (زال دنیا کی چھاتیوں سے) آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا اور اس کی آرائشوں سے آپؐ کا رخ موڑ دیا گیا۔۔۔ تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے ڈھارس ہے۔ ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے عادات و خصائل) میں ایسی چیزیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے عیوب و قبائح کا پتہ دیں گی۔ جبکہ آپؐ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود انتہائی قرب منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں چاہیے کہ دیکھنے والا عقل کی روشنی میں دیکھے کہ اللہ نے انہیں دنیا نہ دے کر ان کی عزت بڑھائی ہے یا اہانت کی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اہانت کی ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور بہت بڑا بہتان باندھا اور اگر یہ کہے کہ عزت بڑھائی ہے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ نے دوسروں کی بے عزتی ظاہر کی جبکہ انہیں دنیا کی زیادہ سے زیادہ وسعت دے دی اور اس کا رخ اپنے مقرب ترین بندے سے موڑ رکھا۔

(نہج البلاغہ: خطبہ ۱۵۸ سے اقتباس)

بسم الله الرحمن الرحیم

"نمت" ایک نظر میں

"نور الہدیٰ مرکز تحقیقات" (NMT) کا نصب العین (Vision) "مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی حاکمیّت ہے۔" لہٰذا "اسلامی تہذیب کی حاکمیّت کے قیام کے لئے اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج اور پاکستانی قوم میں دینی آگہی کا فروغ"، "نمت" کا مشن (Mission) ہے۔ "نمت" کی فعالیت محض تعلیمی اور تحقیقی میدان میں محدود ہے اور یہ ادارہ اپنے اہداف کے حصول کے لئے اتحاد امّت، بین المسالک ہماہنگی، تعمیری تنقید، درکِ متقابل اور تضاربِ آراء کا قائل ہے اور ہر اُس تحقیقی کاوش کو اپنے دامنِ نشر واشاعت میں جگہ دینے کا عہد کیے ہے جو اِس کے مشن سے ہماہنگ ہو۔

"نمت" کے تحقیقی منہج میں اسلامی تعلیمات کے اخذ واستخراج کے لئے قرآن کریم اور سنّت نبوی، اساسی منابع ہیں۔ لیکن یہ سنّت نبوی کے اُس طریق پر اعتماد کرتا ہے جو ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا طریق ہے۔ نیز ان منابع سے اسلامی تعلیمات کے اخذ واستخراج میں "نمت" اُس روش کا علمبردار ہے جو عقلی برہان، منطقی قیاس اور اجتہادی تتبّع اور تفحّص سے عبارت ہے۔

اب تک یہ ادارہ مختلف موضوعات پر 13 کتابیں اور سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کے 34 شمارے پیش کر چکا ہے۔ تاہم اسے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے دانشوروں، علماء اور اہلِ قلم کے قلمی اور فکری تعاون کے ساتھ، علم دوست احباب کا مالی تعاون بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرماؤں کو ادارے کے لئے بہتر سے بہتر تحقیقات اور وسائل فراہم کرنے کے توفیق عطا فرمائے! (آمین!)

ڈائریکٹر "نمت"

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

Declaration No: 7334 ISSN 2221-1659

جلد: ۸
شمارہ: ۱
جنوری تا مارچ
2017ء
بمطابق
ربیع الثانی
تا
جمادی الثانی
۱۴۳۸ھ

سہ ماہی
علمی و تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید رمیز الحسن موسوی

مجلس ادارت

- ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
- ڈاکٹر سید راشد عباس
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر روشن علی
- ڈاکٹر سکینہ حسین

مجلس مشاورت

- ڈاکٹر ساجد علی سجانی
- سید علی مرتضی زیدی
- ڈاکٹر محمد ریاض
- ڈاکٹر سید نثار علی ہمدانی
- سید عقیل حیدر زیدی
- سید ثمر علی نقوی

رجسٹریشن

پاکستان، انڈیا: **500** روپے
مڈل ایسٹ: **70** ڈالرز
یورپ، امریکہ، کنیڈا: **150** ڈالرز

کمپوزنگ رڈیزائننگ: بابر عباس
پرنٹر: پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۴
۲	سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جہاد کے عصری تقاضے (قرآن کی روشنی میں)	سید مزمل حسین نقوی	۹
۳	پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی تشہیری مہم میں فنِ ابلاغیات کا کردار	ڈاکٹر محمد ریاض	۳۱
۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب واخلاق (نہج البلاغہ کی روشنی میں)	روشن علی	۵۱
۵	مختلف جنگوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری حکمت عملی	ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی	۶۹
۶	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفہیمِ جدید (ایک تحقیقی مطالعہ)	سید مظفر حسین	۸۷
۷	رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں بیداری اُمت کا درخشاں پہلو	ہما حسن	۱۱۵
۸	افسانہ شرح صدر کا تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر سید حیدر عباس واسطی	۱۲۷
۹	بارگاہ الٰہی میں نبی اکرمؐ کا تواضع اور عبادت بحوالہ شرح چہل حدیث امام خمینیؒ	سید رمیز الحسن موسوی	۱۴۵
۱۰	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امامیہ علماء کی چند جدید کتب کا تعارف (کتاب شناسی)	سید رمیز الحسن موسوی	۱۴۹
۱۱	النبیی الأکرم (ص) "کان خلقه القرآن"	ڈاکٹر ساجد علی سبحانی	۲۰۵

اداریہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب کی ۲۱ ویں آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات مبارک کو ایک مکمل اُسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ''یعنی: فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات مسلمانوں کے لئے ایک سرچشمے، مرکز اور معدن کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا مسلمان اس معدن اور سرچشمے سے ہر قسم کے اعمال، فرائض اور کردار کو اخذ کرسکتے ہیں اور اپنی زندگی کے تمام امور کو آنحضرت ﷺ کی سیرت کے ساتھ منطبق کرسکتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عمل ایک دائمی فریضے اور ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت مسلمانوں کے لئے ایک دائمی ضرورت ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی اُمت کے لئے ایک اہم حکم یہ ہے وہ اپنی رفتار و گفتار میں ہمیشہ اپنے رسول ﷺ کی پیروی اور اطاعت کریں۔

مکتب انبیاء اور دوسرے مادی و غیر الٰہی مکاتب فکر میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ قرآن مجید نے پیغمبر اکرم ﷺ کو ایک ''مکمل اُسوہ'' کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے مکتب فکر میں نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی مذہب کسی انسان کو ''انسان کامل'' کے طور پر پیش نہیں کرتا، جس طرح دین اسلام نے ایک انسان کو کامل ترین انسان کے طور پر پیش کیا ہے اور اُس کے اُٹھنے بیٹھنے کی پیروی کو دنیوی واُخروی سعادت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ دنیا کا کوئی مسلمان اُس وقت تک سعادت کے اعلیٰ ترین درجے تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک وہ اپنی زندگی کے معمولی ترین عمل کو آپ ﷺ کی سیرت کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کرلیتا۔ اس لئے ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دنیوی واُخروی سعادت کے لئے انفرادی واجتماعی زندگی میں سیرت پیغمبر ﷺ ایک مسلمان کی دائمی ضرورت ہے، ایسی ضرورت جس کا انسان روز پیدائش سے لے کر قبر تک محتاج ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اسی ضرورت پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَلَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ و آلہ) كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ "یعنی: "تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و عمل پیروی کے لیے کافی ہے۔" دوسرے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات دنیاکے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کیلئے ہماری بہترین رہنما ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کے بغیر ہم سعادت کی طرف ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتے۔

پھر امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "فَتَأَسَّ بِنَبِيِّكَ الْأَطْيَبِ الْأَطْهَرِ (صلی اللہ علیہ و آلہ) فَإِنَّ فِيهِ أُسْوَةً لِمَنْ تَأَسَّى وَعَزَاءً لِمَنْ تَعَزَّى وَأَحَبُّ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ الْمُتَأَسِّي۔" یعنی: "تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لیے ڈھارس ہے۔ ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔" (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا یہ کلام درحقیقت اس کلام الٰہی کی تفسیر ہے کہ "قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ"۔ یعنی: "(اے حبیبؐ!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔" (آل عمران۔۳۱)

اسلام کے بنیادی ترین مسائل میں سے ایک مسئلہ، "اُسوۂ حسنہ" اور "نمونہ عمل" کا مسئلہ ہے جو قرآن اور احادیثِ پیغمبرؐ میں بہت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ نمونہ کو قبول کرنا اور نمونے کے مطابق عمل کرنا انسان کی ذات اور جبلت میں رکھا گیا ہے۔ انسان اُسوہ، نمونہ اور مقتدا کے بغیر کمال کی طرف سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جو انسان زندگی کے کسی مرحلے میں نمونے اور مقتدا سے محروم ہو جائے تو اس وقت وہ حیرت و پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے، چونکہ نمونہ اور اُسوہ تاریکی میں روشن چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کو دنیاکے مادی اندھیروں میں روشن چراغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جب تک اس مادی تاریکی میں رہتا ہے اُسے کمال (قرب الی اللہ) کی طرف سفر کے لئے اس چراغ کی ضرورت رہتی ہے۔ جو لوگ انسان سے یہ چراغ چھیننا چاہتے ہیں وہ درحقیقت انسان کی کمال پرستی کے دشمن ہیں اور اُسے ابدی تاریکیوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔

اسلام، انسان کی منزل مقصود اور مُلک تا ملکوت کی طرف ہدایت کے لئے کلمات کی شکل میں قرآن اور اعمال و کردار کی صورت میں رسول ﷺ اور وصی رسول (امام معصومؑ) کا اُسوہ حسنہ لے کر آیا ہے۔ اس لئے دنیوی و اُخروی ہدایت کے لئے ان دونوں کی معرفت اور اطاعت ضروری ہے۔ اگر وہ ان کی معرفت حاصل نہیں کرتا تو خواہ ناخواہ کسی کاذب نمونۂ عمل اور اُسوہ کی تاسی و پیروی شروع کردے گا۔ لہٰذا صحیح شناخت اور معرفت ضروری ہے۔ نبیؐ اور وصیؑ کی معرفت و پیروی کا پہلا مرحلہ سیرت شناسی ہے اور یہ سیرت شناسی ایک دائمی عمل ہے۔ لہٰذا سیرت شناسی پر کام اور تحقیق و جستجو بھی ہر دور میں ہونی چاہیے اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق سیرت کے اصیل منابع کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

سیرت شناسی اور سیرت پاک پر عمل ہر دور میں مسلمانوں کی ضرورت رہی ہے، لیکن موجودہ دور میں یہ ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہو چکی ہے چونکہ جس زمانے میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یہ فتنے اور فساد کا زمانہ ہے جہاں فتنے اور فساد ہر گھر کی چوکھٹ تک پہنچ چکے ہیں اور مسلمانوں کی جدید نسلیں بُری طرح ان فتنوں اور فساد کے نرغے میں گھر چکی ہیں۔ اس وقت ایک طرف جدید فرق و مذاہب اور دین کے نام پر پیدا ہونے والے فتنوں نے پورے عالم اسلام کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے اور دوسری طرف دشمنان اسلام کی جانب سے اس روشن چراغ کو خاموش کرنے کی سعی لاحاصل کی جارہی ہے۔ آئے دن توہین رسالت کے عنوان سے کوئی نہ کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ دشمنوں کی اصل کوشش حرمت شکنی ہے اور وہ اُمت کے دلوں سے احترام نبوت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی خوفناک تاریکی میں قرآن کی تعلیمات اور سیرت النبیؐ کا چراغ ہی انسانیت کے لئے روشنی اور نجات کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ اس چراغ کی حفاظت کے لئے ہمیں اپنی جدید نسل کو عقلی بنیادوں پر سیرت رسول ﷺ کی اہمیت سے آگاہ کرنا اور اُنھیں یہ بات باور کرانی ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت سے تمسک انسان کی دنیوی و اُخروی سعادت کا سبب ہے۔ لہٰذا سیرت رسول ﷺ جیسے قیمتی ترین گوہر کی حفاظت اپنے اپنی جانوں کے بدلے بھی کرنی پڑے تو کرنی ہوگی۔ یہ وہ گوہر ہے جسے چھیننے کے لئے دشمن آج جدید ترین ذرائع استعمال کر رہا ہے۔

اس لئے سیرت شناسی کا سلسلہ زندگی کی ہر سطح پر جاری رہنا چاہیے۔ بچوں، نوجوانوں، جوانوں اور بوڑھے مرد و خواتین کو اس وقت سیرت رسول اللہ ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کی اشد ضرورت

ہے جو لوگ ہدایت کے ان دونوں چراغوں سے نورانیت حاصل کر سکتے ہیں وہی اس دور کے فتنے اور فساد سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت شناسی کا حقیقی منبع خود قرآن مجید اور آپ ﷺ کے جانشینوں کے فرامین ہیں کہ جن کا مطالعہ ہر زمانے کے انسان کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ اپنی اس دائمی ضرورت سے بہرہ مند ہوسکے جس کا وہ قبر تک محتاج ہے۔ سیرت شناسی کی اسی ضرورت کے تحت ''نور معرفت'' کا یہ شمارہ سیرت نمبر کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں سیرت نمبر کا حق تو ادا نہیں ہو سکا، لیکن کسی حد تک سیرت رسول اللہ ﷺ کے عنوان سے چند تحقیقی مقالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

؎ آب دریا را اگر نتوان کشید ہم بہ قدر تشنگی باید چشید

اس سے پہلے بھی ''نور معرفت'' کا بارہواں شمارہ (محرم تا ربیع الاول ۱۴۳۲ھ) سیرت نمبر کے عنوان سے شائع ہوچکا ہے۔ جس میں چند تحقیقی مقالات سیرت النبیؐ کے شائقین کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ اس لحاظ سے سیرت النبیؐ پر یہ دوسرا شمارہ بھی یقیناً سیرت کے موضوع پر آخری شمارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ جسے ایک دو خصوصی شماروں میں نہیں سمویا جاسکتا۔ انشاء اللہ نور معرفت کی ٹیم سیرت کے مطالعے کو مزید جاری رکھنے کے عزم کے ساتھ یہ شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کررہی ہے۔ لہٰذا آئندہ بھی سیرت شناسی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس شمارے میں ''سیرت رسول ﷺ اور قرآن کی روشنی میں جہاد کے عصری تقاضے'' کے عنوان سے عصر حاضر میں جہاد کے حوالے سے شبہات کا جواب سیرت کی روشنی میں تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ دوسرا مقالے میں فاضل مقالہ نگار نے فن ابلاغیات کی رو سے عصر بعثت میں نبوت کے تشہیری ذرائع کا جائزہ لیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک بڑا ماخذ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات پر مشتمل کتاب ''نہج لبلاغہ'' ہے۔ ایک مقالے میں نہج البلاغہ کی روشنی میں آپؐ کی سیرت و سنت کو پیش کیا گیا ہے۔ سیرت النبیؐ کا ایک اہم عنوان آپ ﷺ کی جنگیں ہیں۔ ایک مقالے میں آپ ﷺ کی عسکری حکمت عملی کو عنوان سخن بنایا گیا ہے۔

سیرت النبیؐ کے مطالعات کے بہانے بعض مستشرقین اور دوسرے معاندین نے بہت زیادہ اعتراضات اٹھائے ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت اور جدیدیت میں تضاد کے شبہے کو زیادہ اُبھارا ہے۔ ایک مقالے

میں سیرت النبی ﷺ کی تفہیمِ جدید کے عنوان سے عمدہ تحقیق پیش کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت انسانیت کی بیداری کا باعث بنی ہے، اس بیداری نے انسانی تہذیب و تمدن پر جو اثرات چھوڑے ہیں، ایک مقالے میں ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ سیرت النبیؐ کے بعض موضوعات کلامی و اعتقادی لحاظ سے متنازع ہیں اور آپ ﷺ کے پیروکار محققین نے اپنے اپنے فہم کے مطابق ان کو پیش کیا ہے۔ جن میں ایک ''شقّ صدر'' کا عنوان بھی ہے جس کو فاضل مقالہ نگار نے اپنے کلامی و اعتقادی فہم کے مطابق پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ عصر حاضر میں امام خمینیؒ وہ مسلمان رہنما اور عالم دین ہیں کہ جنہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت اور سنت کو زندہ کرنے کے لئے عظیم الشان اسلامی تحریک چلائی ہے اور اس کے نتیجے میں ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی ہے۔ ایک مقالے میں پیغمبر ﷺ کی عبادت و ریاضت کے عنوان سے امام خمینیؒ کی نظر میں سیرت النبیؐ کے ایک اہم گوشے کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے اخلاق کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن مجید ہے جس کو روشن کرنے کی اشد ضرورت ہے، اسی عنوان سے ایک عربی مقالہ بھی اس شمارے شامل کیا گیا ہے۔

سیرت النبیؐ پر لکھی جانے والی کتابیں، سیرت شناسی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ تمام اسلامی مسالک نے سیرت النبیؐ کے عنوان سے عمدہ کتابیں پیش کی ہیں، جن میں امامیہ علماء اور دانشوروں کا کام بھی سیرت نگاری میں اہم مقام رکھتا ہے۔ سیرت کے حوالے سے امامیہ علماء کی کتب کے مختصر تعارف پر مشتمل ایک مقالہ بھی اس شمارے میں پیش کیا گیا ہے۔

ہم اپنے قارئین سے اُمید رکھتے ہیں کہ اس خصوصی شمارے کے بارے میں ہمیں اپنی قیمتی آراء سے محروم نہیں کریں گے۔ آپ کی تنقیدی رائے سیرت کے عنوان سے آئندہ تحقیقات پیش کرنے میں ہمارے لئے یقیناً رہنما ثابت ہوگی۔ آخر میں ہم اُن سب احباب اور اہل قلم کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے یہ خصوصی شمارہ تیار کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ خدا سے اُن کی علمی و عملی توفیقات میں اضافے کی دعا کرتے ہیں۔

*****

علامہ مفتی جعفر حسین رحمۃ اللہ علیہ

آپ ﷺ وحی الٰہی کے حامل، پاکیزہ نسب اور برگزیدہ خلائق تھے، خداوند عالم نے آپؐ کو تمام انبیاء کے آخر میں بھیجا، جس کے بعد سلسلۂ نبوت ختم کردیا۔ لہٰذا آپ ﷺ آخری پیغمبر اور آپ ﷺ کی امت آخری امت ہے اور ان کے اہل بیتؑ لوگوں کے اعمال کے نگران اور ان کے گواہ ہیں۔ آپ ﷺ رحمت و رأفت کا مجسمہ اور خیر و برکت کا سرچشمہ تھے۔ ان کی دوستی و دشمنی کا معیار صرف ایمان اور عمل صالح ہے اور اس سلسلے میں اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز و تفرقہ روا نہیں رکھا۔ اُنہوں نے تبلیغ احکام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جان کی بازی لگادی۔ دین کی خاطر دکھ سہے۔ مصیبتیں جھیلیں، گھر بار چھوڑا اور ہجرت اختیار کی اور اپنی صلاحیت نظم و نسق سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی اور انکی فلاح و نجاح کا سامان کیا اور ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے دشمنوں سے صف آرا ہوئے اور کسی موقع پر اپنی قوت و طاقت پر بھروسا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ خدا کی نصرت و تائید کے خواہاں اور اس کی مدد کے طالب رہے اور آخر حسن نیت و حسن عمل کی بدولت انجام کار کی کامیابی انہیں نصیب ہوئی اور قبولیت شفاعت کے درجۂ رفیعہ پر فائز ہوئے۔

(صحیفہ کاملہ ترجمہ و شرح، ص ۱۰۵)

سیرت رسول ﷺ اور جہاد کے عصری تقاضے

(قرآن کی روشنی میں)

سید مزمل حسین نقوی*
muzammilhussainnaqvi5@gmail.com

کلیدی کلمات: ابتدائی جہاد، دفاعی جہاد، جہاد اکبر، جہاد اصغر، دہشت گردی

خلاصہ

دین انسان کو دنیا میں پر امن اور آخرت میں کامیاب دیکھنا چاہتا ہے، دین میں جنگ، قتل وغارت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام کو فطری اور امن پسند دین کہا گیا ہے، جبکہ اس کی الہامی کتاب میں جہاد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن میں تقریباً چوہتر آیات جہاد کے متعلق ہیں جن میں جہاد کے بہت سے فائدے بیان کئے گئے ہیں۔ لغت میں لفظ جہاد جہد سے ماخوذ ہے جس کی معنی طاقت اور مشقت برداشت کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً ہر وہ عمل جہاد ہے جس سے اسلام کا بول بالا ہو، شعائر ایمان قائم ہو۔ جہاد کی مختلف قسمیں بنتی ہیں مثلاً جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالمال، جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف وغیرہ۔ قرآن دفاعی جنگ کی حمایت کرتا ہے اور ابتدائی جنگ کو ناپسندیدہ سمجھتا ہے۔ اسلام دفاعی جنگ میں بھی انسانی اقدار کی پاسداری کی تاکید کرتا ہے، مثلاً جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا، پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینا، جنگ میں خواتین، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کی حفاظت کرنا، کھیتوں کو آگ لگانے، درختوں کو کاٹنے، پانی کو زہر آلودہ کرنے سے منع کرنا۔ لہٰذا دہشت گردی کو ہرگز جہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ آنحضرتؐ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے۔ مذاکرت سے مسائل حل کئے جائیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں ظاہری دشمن کے مقابلے میں باطنی دشمن کے ساتھ جنگ کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اصغر کہا گیا ہے اور باطنی دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ پس اسلامی جنگوں کا مقصد اپنے نظریات کو جبر واکراہ کے ساتھ دوسروں پر مسلط کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ جنگیں جبر اکراہ اور ظلم وبربریت کے خلاف لڑی گئی ہیں۔

*۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ فاصلاتی نظام تعلیم، بارہ کہو، اسلام آباد

مقدمہ

دین انسان کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ دین اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔اس کی دنیاوی اور اخروی بھلائی کا ضامن ہوتا ہے۔اسے دنیا میں پُرامن اور آخرت میں کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا الٰہی اور فطری دین میں جنگ، قتل وغارت اور خونریزی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جنگ ایک ہولناک شئے ہے، قتل اور غارت گری کا نام ہے۔ انسانی فطرت اس سے متنفر ہے۔ انسان امن پسند ہے۔ ہمیشہ سکون کی تلاش میں رہتا ہے۔ جنگ وخونریزی سے نفرت کرتا ہے۔ پس وہ دین، الٰہی اور فطری نہیں ہو سکتا جو جنگ پر زور دیتا ہو اور اسے اپنے بنیادی ارکان میں سے قرار دیتا ہو۔ دین وہی صحیح اور فطرتی ہے جو صلح و آشتی کا پرچار کرتا ہو۔ جنگ وجدل سے منع کرتا ہو۔

اسلام کو اہل اسلام، الٰہی، فطری اور امن پسند دین کہتے ہیں۔ جبکہ اس کی الہامی کتاب میں جہاد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً چوہتر آیات جہاد کے متعلق ہیں۔ جن میں جہاد کرنے والوں کو بلند ترین درجات کی بشارت دی گئی ہے اور اس کے بہت سے فائدے بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ جہاد کامیابی کا وسیلہ ہے۔

سورہ مائدہ آیت ۳۵ میں خدا فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَابْتَغُواْ إِلَيهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُواْ فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ-

یعنی: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"

اس آیت میں کامیابی کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ تقویٰ، وسیلہ اور جہاد۔

۲۔ بہترین تجارت۔

سورہ صف آیت ۱۱،۱۰ میں خدا فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ٥ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ-

یعنی: "اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی راہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اپنی جان اور مال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔"

۳۔ جہاد کرنے والوں کے لئے ہر قسم کی بھلائی ہے۔

سورہ توبہ آیت ۸۸ میں ارشاد ہوتا ہے:

لَـكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ جَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَأُوْلَـئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

یعنی: "جبکہ رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جانوں اور اموال کے ساتھ جہاد کیا انہی کے لئے ہر قسم کی خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

۴۔ جہاد کرنے والوں کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔

سورہ انفال آیت ۷۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔

یعنی: "اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا نیز جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی اور مدد کی یقیناً یہی حقیقی مومن ہیں اور ان کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔"

۵۔ جہاد کرنے والے عظیم درجات کے حامل ہیں۔

سورہ توبہ آیت ۲۰ میں خدا فرماتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللّهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ۔

یعنی: "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا ان کا خدا کے نزدیک عظیم درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے جہاد کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور جہاد کرنے والوں کے لئے بہت بڑا اجر رکھا ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جہاد سے مراد کیا ہے؟ کیا مشرکین اور بے دین لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کو جہاد کہتے ہیں۔ یا یہ جہاد کی ایک قسم ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے امور ہیں جنہیں انجام دینے کو جہاد کہا جاتا ہے۔ اس مقالے میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ قرآن میں جہاد کے متعلق کیا بیان کیا گیا ہے۔

جہاد کے معانی

لغوی معنی: لفظ جہاد جہد سے ماخوذ ہے، جس کی معنی طاقت اور مشقت برداشت کرنے کے ہیں۔ ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں جہد کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الجهد الطاقة۔۔ وقيل الجهد المشقة۔(1)

یعنی: "جہد کے معنی طاقت کے ہیں اور بعض نے مشقت کے معنی بھی کئے ہیں۔"

پس جہاد کے معنی ہوئے اپنی پوری طاقت استعمال کرتے ہوئے کسی کام کے کرنے میں پوری کوشش کرنا۔

اصطلاحی معنی

سید علی طباطبائی اپنی فقہی کتاب ریاض المسائل میں اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بذل الوسع بالنفس والمال فی محاربة المشركين او الباغين على الوجه المخصوص وقيل انه بذلهما فی اعلاء كلمة الاسلام واقامة شعائر الايمان۔(2)

یعنی: "مشرکین اور باغیوں کے ساتھ جنگ کے لئے اپنی جان اور مال کے ساتھ ایک خاص وجہ پر کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اسلام کی سربلندی اور شعائر ایمان کو قائم کرنے کے لئے جانی اور مالی کوشش کو جہاد کہتے ہیں۔"

اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر وہ عمل جہاد ہے جس سے اسلام کا بول بالا ہو۔ شعائر ایمان قائم ہوں، چاہے اس کا تعلق مشرکین کے خلاف تلوار اٹھانے سے ہو یا خود اسلامی معاشرے کی ترقی و پیشرفت سے ہو۔ مثلاً ایسے کام کرنا بھی جہاد کہلائے گا جس سے اسلام کی حاکمیت کو قوت ملے یا کسی انسان کو فائدہ حاصل ہو۔ روایات میں مختلف اُمور کو جہاد سے تعبیر کرنا، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسلام

انسان کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ بندگانِ خدا کی خدمت کو عظیم عبادت قرار دیتا ہے۔عالم کی عبادت کو عابد کی عبارت سے افضل سمجھتا ہے، کیونکہ عالم کے عمل میں دوسروں کو بھی فائدہ ہوتا ہے جبکہ عابد کے عمل میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح عاقل کے عمل کو جاہل کے عمل سے بہتر قرار دیتا ہے، کیونکہ جاہل صرف خود کو دیکھتا ہے، جبکہ عاقل دوسروں کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ رسول خداﷺ فرماتے ہیں: ولمثقال ذرة من برالعاقل افضل من جهاد الجاهل الف عام۔(3) یعنی: "عاقل کی ذرہ برابر نیکی جاہل کے ہزار سال کے جہاد سے افضل ہے۔"

مختصر یہ کہ اسلامی شریعت میں دین کی اشاعت وترویج اور سربلندی کے لئے اپنی تمام ترجانی، مالی، لسانی اور ذہنی صلاحیتوں کو وقف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ اس سے جہاد کی مختلف قسمیں بنتی ہیں مثلاً جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالمال، جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف وغیرہ۔

جہاد کی اقسام

ا۔جہاد العلم

یہ وہ جہاد ہے جس کے ذریعے قرآن وسنت پر مبنی احکام کا علم پھیلایا جاتا ہے تاکہ کفر وجہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور دنیا رشد و ہدایت کے نور سے معمور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کا نور پھیلانے کے لئے آخر میں الہامی کتاب قرآن کریم کے ذریعے منکرین حق کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔(4)

یعنی: "پس آپ کافروں کی بات ہرگز نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ذریعے ان کے ساتھ بہت بڑا جہاد کریں۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آیت اللہ ناصر مکارم تفسیر نمونہ میں لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں جہاد سے مراد فکری اور تبلیغی جہاد ہے نہ کہ مسلحانہ جہاد۔ کیونکہ یہ مکی سورہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جہاد بالسیف کا حکم مکہ میں نازل نہیں ہوا۔(5)"

اسی طرح فضل بن حسین طبرسی اپنی کتاب تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی هذا دلالة علی ان من اجل الجهاد واعظمه منزلة عندالله سبحانه جهاد المتکلمین فی حل شبه المبطلین واعداء الدین ویمکن ان یتأول علیه قوله رجعنا من الجهاد الاصغرالی الجهاد الاکبر۔ (6)

یعنی: "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک عظیم ترین جہاد یہ ہے کہ دین کے دشمنوں کے شبہات کو ختم کردیا جائے۔ ممکن ہے یہ حدیث کہ "ہم جہاد اصغر سے واپس آئے ہیں اور اب ہمیں جہاد اکبر کرنا ہے" اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہو۔"

علم کا حاصل کرنا، کسی اچھی بات کو سیکھنا اور پھر دوسرے کو سکھانا اور تعلیم دینا اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔ خدا کے نزدیک ایسا کرنے والے کے لئے بہت بڑا درجہ ہے۔ احادیث میں اسے مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

من جاء مسجدی هذا لم یأت الا لخیریتعلمه اویعلمه فهوبمنزلة المجاهد فی سبیل الله۔ (7)

یعنی: "جو میری اس مسجد میں صرف خیر سیکھنے یا کسی کو سیکھانے کے لئے آیا تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کے مقام و مرتبے پر ہے۔"

نیز ابن عباس کہتے ہیں: افضل الجهاد من بنی مسجداًیعلم فیه القرآن والفقة والسنة۔ (8)

یعنی: "اس شخص نے افضل ترین جہاد کیا جس نے مسجد تعمیر کی تاکہ اس میں قرآن، فقہ اور سنت کی تعلیم دی جائے۔"

فضیل بن عیاض آیت والذین جاهدوافینا لنهدینهم سبلنا عنکبوت/ ۶۹ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: والذین جاهدوافی طلب العلم لنهدینهم سبل العمل به۔ (9)

یعنی: "اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد کرتے ہیں تو پھر یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھادیتے ہیں کی تفسیر یہ ہے کہ جو حصول علم میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اس پر عمل کی راہیں دکھادیتے ہیں۔"

جہاد بالعمل:

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

افضل الجهاد الامربالمعروف والنهی عن المنکر۔ (10)

یعنی: "بہترین جہاد نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے۔"

یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگر زبان سے ہوگا تو جہاد باللسان کہلائے گا۔ اگر ہاتھ سے ہوگا تو جہاد بالید کہلائے گا اور اگر دل سے ہوگا تو جہاد بالقلب کہلائے گا۔ یہ مفہوم اس حدیث سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ جس میں رسول خداﷺ نے فرمایا:

مامن نبی بعثه الله فی امة قبلی الاکان له من امته حواریون و اصحاب یأ خذون بسنته ویقتدون بامره ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون مالایفعلون ویفعلون مالایؤمرون فمن جاهدهم بقلبه فهومؤمن ولیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل۔ (11)

یعنی: "مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا ہے اس کی امت میں اس کے کچھ مددگار اور رفقاء ہوتے تھے۔ وہ اپنے نبی کی سنت کو اپناتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد کچھ ناخلف آگئے۔ جو وہ نہیں کرتے تھے جو کہتے تھے اور وہ کرتے تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا پس جس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنی زبان کے ساتھ ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنے دل کے ساتھ ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اس کے علاوہ رائی برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔"

اسی طرح آنحضرتﷺ کی مشہور و معروف حدیث ہے:

افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر۔ (12)

یعنی: "بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔"

جہاد بالنفس

یہ جہاد کی ایسی قسم ہے جسے جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ جہاد بالنفس یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان شخص مسلسل اپنی نفسانی خواہشات سے جنگ کرتا رہے۔ یہ وہ مسلسل عمل ہے جو اس کی پوری زندگی کے ہر لمحے پر محیط ہوتا ہے۔ آیات اور احادیث میں کثرت کے ساتھ نفس اور اس کی تباہ کاریوں اور خرابیوں کا ذکر ہوا ہے، چونکہ شیطان بھی نفس ہی کے ذریعے حملہ آور ہوتا ہے۔ اسی لئے نفس کے خلاف جہاد کی اہمیت کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ نفس تو ہر وقت برائی پر آمادہ رہتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم حضرت یوسف کا قول نقل کرتا ہے:

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔(13)

یعنی: "اور میں اپنے نفس کی برات کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو بُرائی پر ابھارتا رہتا ہے۔"

نفس کو قتل تو نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کے خلاف جہاد کرکے اس پر غلبہ پایا جاسکتا ہے۔ جب وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی صفات بدلنے لگتی ہیں تو پھر وہ نفس امارہ نہیں رہتا، بلکہ نفس مطمئنہ میں ڈھلنے لگتا ہے۔ نفس کی آفات میں یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی تعریف، اچھے ذکر اور ستائش کو پسند کرتی ہے۔ ان کے حصول کے لئے بعض اوقات انسان منافقت اور ریاکاری سے بھی کام لے لیتا ہے۔

شرک خفی بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ لہٰذا یہ جہاد درحقیقت انسان کی خود ساختہ کبریائی کے خلاف ہے۔ عبادتوں کی ریاکاری اور زہد و تقویٰ کی منافقت کے خلاف ہے۔ ذہنوں میں پنپنے والی جنسی آلودگی کے خلاف ہے۔ خون میں دوڑنے والی انانیت، غرور اور فرعونیت کے خلاف ہے۔ طمع، حرص، لالچ، بغض جھوٹ، غیبت، حسد، کینہ، مکروفریب اور ظاہری نمود و نمائش کے خلاف ہے۔ انسان کی اندرونی سرکشی اور بغاوت کے خلاف ہے۔

یہ جہادی عمل ایک مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ البتہ ایک مشکل اور دشوار عمل ہے۔ لیکن اگر نفس کو مطیع کرلیا جائے اور اس کا تذکیہ ہو جائے تو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے لیکن جہاد بالنفس ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ جو نفس پر غالب آگیا وہ کامیاب اور فاتح ہے۔ اسی سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا۔(14)

یعنی: "جس نے اسے پاک رکھا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اسے آلودہ کیا وہ ناکام ہوا۔"

اس لئے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول خداﷺ نے مسلمانوں کو ایک جنگ کے لئے بھیجا۔ جب وہ کامیاب ہو کر واپس آئے تو فرمایا:

مرحباً بقوم قضوا الجهاد الاصغر و بقى عليهم الجهاد الاكبر، قيل يا رسول الله وما الجهاد الاكبر قال جهاد النفس ثم قال افضل الجهاد من جاهد نفسه التى بين جنبيه۔(15)

خوش آمدید ان افراد کے لئے جو جہاد اصغر کرکے آئے ہیں۔ البتہ ان پر ابھی جہاد اکبر باقی ہے۔ کسی نے پوچھا یہ جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا: جہاد نفس۔ پھر فرمایا بہترین جہاد اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے وہ نفس جو سینے میں موجود ہے۔

جہاد بالسیف

قرآن کریم میں جہاد کے متعلق جو آیات ہیں ان میں سے بیشتر آیات جہاد بالسیف کے بارے میں ہیں۔ یعنی خدا اور رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنا۔ بظاہر جنگ ایک اچھی چیز نہیں ہے۔ قوموں کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے ہولناک اثرات تا دیر قائم رہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں صلح اور امن وامان اگرچہ بہترین چیزیں ہیں ۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ شر پسند افراد اور شر پسند قومیں صلح جو افراد اور صلح جو قوموں کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتیں۔ صلح کے حصول کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دوسرے کے آگے جھک جائے اور اس کی ہر جائز و ناجائز بات مان لے۔ اس سے لڑائی کا خطرہ تو بظاہر ٹل جائے گا، لیکن ماننے والا ہمیشہ کے لئے جھکا رہے گا اور اپنی جائز بات منوانے سے بھی قاصر رہے گا۔ اس طرح اس کا جینا دوبھر ہو جائے گا۔

دوسری صورت مقابلے کی ہے۔ لیکن مقابلہ کرنے والوں میں بھی اگر ایک فریق کمزور اور دوسرا طاقتور ہو تو جنگ کے ٹل جانے کا امکان بہت ہی کم ہے۔ طاقتور کمزور کی کمزوری کے پیش نظر جنگ برپا کرنے میں جری ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حتی الوسیع بڑھ کر جنگی تیاری کی جائے تاکہ طاقتور کو حملہ کرنے کی جرات نہ ہو اس طرح جنگ کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ۔ (16)

یعنی: ''اے صاحبانِ ایمان ان (کفار) سے مقابلے کے لئے جس قدر ممکن ہو قوت کے سامان اور پلے ہوئے مضبوط گھوڑے تیار رکھو تاکہ تمہارا رعب چھایا رہے۔''

قرآن میں کثیر تعداد میں موجود آیات جہاد کی وجہ سے یہ بات شہرت حاصل کر گئی ہے۔ کہ اسلام میں جہاد کو اہم حیثیت حاصل ہے اور اس کے پھیلنے کی وجہ بھی جہاد ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام تلوار کے

زور پر پھیلا ہے۔ ڈاکٹر مجید خدوری جو کہ عیسائی ہیں اور امریکہ کی ہیپکین یونیورسٹی میں مشرقی علوم کے استاد ہیں، اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عرب کا مزاج جنگوانہ تھا۔ ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ اسلام ان کے مزاج تبدیل نہیں کر سکا۔ بلکہ ان کے مزاج سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ جہاد ایک عظیم عبادت ہے اور اسلام کا اساسی رکن ہے۔" (17)

حالانکہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور قوانین نے انسان کی جان اور خون کو محترم قرار دیا گیا ہے۔ جس مذہب میں اس اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا اس مذہب کے تحت کوئی بھی انسان پُرامن زندگی نہیں گزار سکتا۔ اگر صرف انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے تب بھی ذاتی مفاد کی خاطر کسی شخص کو قتل کرنا بدترین جرم ہے۔

دنیا کے سیاسی قوانین تو انسانی احترام کو صرف سزا کے خوف کے ذریعے قائم کرتے ہیں۔ مگر ایک سچا دین انسانی دلوں میں امن کی صحیح اہمیت پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو وہاں بھی ایک انسان دوسرے انسان کا خون کرنے سے پرہیز کرے۔ اس نقطۂ نظر کی صحیح تعلیم اسلام نے دی ہے جو کسی دوسرے دین میں ناپید ہے۔ قرآن کریم نے مختلف پیراؤں میں اور مختلف مقامات پر اسے اجاگر کیا ہے۔ وہ خدا کے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا۔ (18)

یعنی: "اور جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے جو ایسا کرے گا وہ اپنے گناہ میں مبتلا ہوگا۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔ (19)

یعنی: "جس نے کسی ایک شخص کو قتل کیا جبکہ خون کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔"

اس تعلیم کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جن کے نزدیک انسانی جان ومال کی کوئی قیمت نہ تھی اور جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اولاد جیسی نعمت کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ رسول خداﷺ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ان کے مزاج کی اصلاح کے لئے خود بھی احترام نفس کی تلقین کرتے تھے۔ احادیث نبویؐ میں اس قسم کے ارشادات اور بیانات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ جس میں ناحق خون بہانے کو گناہ عظیم اور بدترین جرم کہا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

الکبائرالشراك باللہ وقتل النفس وعقوق الوالدین والیمین الغموس۔ (20)

یعنی: "اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔"

قرآنی تعلیمات، ارشادات نبوی اور آنحضرتﷺ کے طرزِ عمل کی بدولت ۲۳سال کے قلیل عرصہ میں عرب جیسی خونخوار اور حیوانی مزاج رکھنے والی قوم کے اندر احترام نفس اور امن پسندی کا ایسا مادہ پیدا ہوا کہ ایک خاتون رات کی تاریکی میں تن تنہا قادسیہ سے صنعا تک سفر کرتی تھی اور کوئی اس کی جان ومال پر حملہ نہ کرتا اور وہ بحفاظت اپنی منزل تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ حالانکہ یہ انہیں درندوں اور لیٹروں کا شہر تھا جہاں بڑے بڑے دل گردے والے بھی گزرتے ہوئے لرز جایا کرتے تھے۔ حیوانیات اور قساوت قلبی ان کے لئے عام بات تھی۔

ایسے سنگین حالات میں اسلام نے یہ آواز بلند کی۔ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۔ اس انسان کو مت قتل کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر جب حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے۔ اس آواز میں ایک قوت تھی۔ اس لئے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچی اور اس نے انسانوں کو اپنی جان کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ کوئی انصاف پسند انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا کے اخلاق و قوانین میں

انسانی جان کی حرمت اور کرامت قائم کرنے کا جو فخر مذہب اسلام کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ صرف یہ نہیں فرمایا کہ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ بلکہ ساتھ إِلَّا بِالْحَقِّ بھی کہا ہے۔اس طرح صرف یہ نہیں کہا کہ من قتل نفسا فکانما قتل الناس جمیعا بلکہ بغیر نفس او فساد فی الارض کی قید بھی لگائی ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی بھی نفس کو کسی بھی صورت میں قتل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ عدل کے منافی ہے دوسرے پر ظلم ہے۔ دنیا کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ انسان کو قانون کی گرفت سے آزاد کر دیا جائے کہ جتنا چاہے اور جہاں چاہے فساد برپا کرے۔ جس قدر چاہے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دے۔ جس کو چاہے بے آبرو کردے اور اس کے باوجود اس کی جان محترم رہے۔ جس قدر چاہے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ جس کو چاہے بے آبرو کردے اور اس کے باوجود اس کی جان محترم رہے ،بلکہ اصل ضرورت یہ تھی کہ دنیا میں امن وامان کی خوشگوار فضا قائم کی جائے اور ایک ایسا دستور العمل تیار کیا جائے کہ ہر شخص اپنی حدود میں آزاد بھی رہے اور اپنی حدود سے تجاوز بھی نہ کرے۔اسی لئے ”الا بالحق“ کہا تا کہ امن قائم کیا جاسکے۔

قتل ناحق کی ایسی سخت ممانعت اور قتل حق کی ایسی سخت تاکید کر کے شریعت اسلامیہ نے افراط اور تفریط کی راہوں کے درمیان عدل وانصاف کی سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کی ہے۔ ایک طرف تجاوز کرنے والا وہ گروہ ہے جو انسانی جان کی کوئی قدر وقیمت نہیں سمجھتا اور دوسری طرف وہ غلط فہم گروہ ہے جو انسانی خون کی دائمی حرمت کا قائل ہے اور کسی صورت میں اسے بہانا جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلام نے ان دونوں غلط خیالوں کی تردید کی ہے۔اس نے یہ تعلیم دی ہے کہ انسانی نفس کی حرمت نہ تو دائمی اور ابدی ہے اور نہ اس قدر ارزاں ہو کہ نفسانی جذبات کی خاطر اسے ہلاک کر دیا جائے۔ بلکہ اس کی قدر وقیمت اس وقت تک ہے جب تک وہ سرکشی اختیار نہیں کرتا اور اور حق پر دست درازی نہیں کرتا۔ اگر سرکشی کرتا ہے تو پھر اپنی قیمت کھو دیتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی گروہ سرکشی پر اتر آتا ہے تو معاشرے کا امن وسکون تباہ ہو جاتا ہے اس کی معاشی ترقی رک جاتی ہے۔ عدل وانصاف کی بجائے ظلم وستم کا راج قائم ہو جاتا ہے۔

عام لوگوں کے حقوق پائمال ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں جنگ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ صفحہ ہستی سے ان خونخوار اور بھیڑیوں کا وجود مٹا دیا جائے۔ ان مفسدوں کے شر سے اللہ کے مظلوم و بے کس بندوں کو نجات دلائی جائے جو مادی اور اخلاقی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ یہ لوگ در حقیقت انسان کے روپ میں انسانیت کے حقیقی دشمن ہیں۔ ایسے وقت میں انسانیت کے ہر بہی خواہ شخص کا اولین فرض یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائے اور اس وقت تک آرام نہ کرے جب تک مخلوق خدا کو اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ مل جائیں۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۵۱ میں خدا فرماتا ہے:

وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الأَرْضُ وَلَـكِنَّ اللّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ۔

یعنی: "اور اگر اللہ بعض کے ذریعے بعض کا دفاع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا لیکن اہل عالم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيرًا۔

یعنی: "اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے نہ روکتا تو تمام گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مجوسیوں کے عبادت خانے اور مساجد سب گرا دیئے جاتے جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔"

در حقیقت یہی فساد و بدامنی اور ظلم و جبر کی جنگ ہے جسے دفع کرنے کے لئے اللہ نے اپنے نیک بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ۔(21)

یعنی: "جن لوگوں پر جنگ مسلط کی گئی ہے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم واقع ہوئے ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں۔"

اس آیت میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے ان کا جرم یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں، بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ وہ ظلم کرتے، لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں یعنی قرآن ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا کہتا ہے۔ اسی جہاد کا حکم دیتا ہے جس سے ظلم کا خاتمہ ہو نہ کہ اس جہاد کا جو ظلم کا باعث بنے یعنی جہاد دفاعی کا حکم دیتا ہے نہ کہ ابتدائی کا اور یہ حکم عین عدل ہے اور عقل کے مطابق ہے۔ عقل اور عدل وانصاف ہر انسان کو اپنے دفاع کا حکم دیتی ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس کی فضیلت سے قرآن وحدیث کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہی وہ حق پرستی کی جنگ ہے جس میں ایک رات کا جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے افضل ہے۔ جس راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ کی طرف نہیں گھسیٹا جائے گا۔

جہاد فی سبیل اللہ سے دنیاوی دولت، ملک گیری حتی کہ دین اسلام نافذ کرنا بھی مقصود نہیں ہوتا۔ قرآن نے واضح لفظوں میں کہا ہے کہ لا اکراہ فی الدین (بقرہ۲۵۶) دین میں جبر واکراہ نہیں ہے۔ مقصد فتنہ و فساد کی نابودی ہے۔ خدا کو یہ برداشت نہیں ہے کہ اس کے بندوں کو بے قصور تباہ وبرباد کیا جائے۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس میں یہ حکم دیا جارہا ہو کہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور لوگوں کا قتل عام کرکے انہیں اسلام لانے پر مجبور کرو۔ اسلام میں جنگ کا جوازی صرف ظلم وستم کا مقابلہ کرتے ہوئے دفاعی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں کہیں بھی اسلام نے جنگ کو جائز قرار دیا ہے صرف مظلوموں کی حمایت میں استعمار اور استکبار کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔ پھر جنگ کے دوران بھی ضعیف افراد کو دبانے سے منع کیا ہے۔ بوڑھوں، بچوں اور خواتین کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔

میدان جنگ سے بھاگ جانے والوں کا پیچھا کرنے سے منع کیا ہے۔ زبان پر کلمہ شہادتین جاری کرنے والوں پر تلوار نہیں اٹھائی جاسکتی۔ کھیتوں اور بستیوں کو اجاڑا نہیں جاسکتا۔ یہ سارے فرمودات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسلام خون ریزی کو پسند نہیں کرتا۔ حتیٰ الامکان اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

شہید مطہریؒ کہتے ہیں:

"محققین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جہاد کی ماہیت دفاعی ہے۔ یعنی اسلام میں کسی دشمن کا مال وثروت کے چھیننے یا اس پر حکومت قائم کرنے کی غرض سے جنگ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اس طرح کی جنگ اسلام کی نگاہ میں جارحیت کہلاتی ہے۔

صرف وہی جہاد اسلام میں مشروعیت رکھتا ہے جو صرف دفاع کے عنوان سے اور جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہو۔" (22)

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور تم راہِ خدا میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کرو اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ یقینا فتنہ قتل سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ ہاں مسجد الحرام کے پاس ان سے اس وقت نہ لڑو جب تک وہ وہاں تم سے نہ لڑیں لیکن اگر وہ تم سے لڑیں تو پھر ان سے لڑو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔" (23)

مختصر یہ کہ قرآن دفاعی جنگ کی حمایت کرتا ہے اور ابتدائی جنگ کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اسلام صلح و امن کی حمایت کرتا ہے۔ سورہ انفال: آیت 60۔61 میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور ان کفار کے مقابلے کے لئے تم سے جہاں تک ہوسکے طاقت مہیا کرو اور پلے ہوئے گھوڑوں کو مستعد رکھو تاکہ تم اس سے اللہ اور اپنے دشمنوں نیز دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور راہِ خدا میں جو کچھ تم خرچ کروگے وہ تمہیں پورا دیا جائے گا اور تم پر زیادتی نہ ہوگی۔ اور اگر وہ صلح و آشتی کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی مائل ہو جایئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے یقینا وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔"

سورہ نساء آیت 90 میں بھی خدا یہی حکم دیتا ہے کہ اگر وہ تم سے الگ رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر بالادستی کی کوئی سبیل نہیں رکھی۔

مختصر یہ کہ قرآن دفاعی جنگ کی حمایت کرتا ہے اور ابتدائی جنگ کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اسلام دفاعی جنگ میں بھی انسانی اقدار کی رعایت کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ انسان اقدار سے مراد وہ اخلاقی اصول ہیں جن کی رعایت ہر مذہب کے افراد کے ساتھ جنگ میں ضروری ہے۔ مثلاً۔

الف۔ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت: کیونکہ جنگ کا مقصد کشور کشائی نہیں ہے، بلکہ توحید کا پرچار ہے۔ اسلامی قوانین جو کہ درحقیقت انسانی فطرت کے مطابق ہیں کا نفاذ ہے۔ اسی لئے مخالفین کو پہلے اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو جنگ حرام ہو جاتی ہے۔ رسول خدا ﷺ نے جب امیر المؤمنینؑ کو یمن

کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ کرنا۔ اگر خدا تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج چمکتا ہے۔
اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں صلح اور مذاکرات کی دعوت جنگ پر مقدم ہے۔

ب۔ پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینا: اگر کوئی کافر کسی مسلمان یا اسلامی حاکم سے پناہ کا تقاضا کرے تو اسے امان دینا ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں ہر مسلمان کچھ شرائط کے ساتھ اسے پناہ دینے کا حق رکھتا ہے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ امان دی گئی صورت میں امان حاصل کردہ افراد کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کرے۔ جیسا کہ سورہ توبہ آیت 6 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذٰلِكَ۔

یعنی: "اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے پھر اسے اسی کی جگہ پر پہنچادیں۔"

ج۔ جنگ میں خواتین، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کی حفاظت کرنا: مذکورہ افراد کی دورانِ جنگ حفاظت کرنا اسلامی دستورات میں سے ہے۔ کسی مسلمان فوجی کو حق نہیں ہے کہ وہ انہیں نشانہ بنائے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداﷺ جب کسی کو جنگ کی طرف بھیجتے تھے تو انہیں بلا کر کہتے تھے۔

سیروا بسم اللہ و باللہ و فی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ لاتغلوا و لاتمثلوا و لاتغدوا و لاتقتلوا شیخاً فانیا و لاصبیا و لاأمراۃ ولا تقطعوا شجراً الا ان تضطروا الیھا

یعنی: "خدا کے نام سے آگے بڑھو اللہ کی راہ میں اور فرمان رسولﷺ کے مطابق چلو لیکن یاد رکھو تجاوز نہ کرنا، کسی کا مثلہ نہ کرنا یعنی اس کے ناک، کان یا دوسرے اعضائے بدن کو نہ کاٹنا۔ قتل وغارت نہ کرنا، بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا اور درختوں کو نہ اُکھاڑنا مگر جب مجبور ہو جاؤ۔" (24)

د۔ کھیتوں کو آگ لگانے، درختوں کو کاٹنے، پانی کو زہر آلودہ کرنے سے منع کرنا: رسول خداﷺ نے لشکر کے سپہ سالار کو تقویٰ الٰہی کی نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

ولا تحرقوا النخل ولا تغرقوه بالماء و لا تقطعوا شجرة مثمرة و لا تحرقوا زرعاً و لا تعقروا من البهائم مما یؤکل لحمه الا ما لابد لکم من اکله۔(25)

باغات کو نہ جلانا اور نہ ہی کسی کو پانی میں ڈبونا، پھل دار درختوں کو نہ اکھاڑنا، نہ کھیتوں کو جلانا اور نہ ہی جانوروں کو پے کرنا، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے مگر کھانے کے لئے ذبح کرنا جائز ہے۔

جہاد اور دہشت گردی

مذکورہ بالا مطالب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دہشت گردی کو ہرگز جہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اولا تو جہاد ایک دفاعی امر ہے۔ یعنی دشمن کی جارحیت کے مقابلے میں مسلمان اپنی عزت وآبرو کا دفاع کر سکتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت یہ رہی ہے کہ آپ دفاعی صورت میں بھی اس وقت تک تلوار نہیں اٹھاتے تھے جب تک خدا کا حکم نہ آجائے۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے۔ مذاکرت سے مسائل حل کئے جائیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں ظاہری دشمن کے مقابلے میں باطنی دشمن کے ساتھ جنگ کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اصغر کہا گیا ہے اور باطنی دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

اسلام دین صلح وسلامتی ہے۔ اسی لئے معاشرے کو پرامن رکھنے پر بہت زور دیتا ہے۔ جنگ کے دوران بھی انسانی اقدار کی رعایت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں بے گناہ افراد کو قتل کرنا، خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو نقصان پہنچانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ لہٰذا کیسے بعض لوگ جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں، بچوں، خواتین اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرکے اسے جہاد اسلامی کا نام دیتے ہیں۔ یہ کام کسی بھی صورت بھی اسلام کی نظر میں جائز نہیں ہے اور کسی بھی عنوان سے انسانی قتل عام، بے گناہ لوگوں کا خون بہانا اور بچوں اور عورتوں کو دھماکہ خیز مواد سے اڑانا اسلامی جہاد نہیں کہلاتا۔ وہ اسلام جو دفاعی جہاد میں بھی انسانی اقدار کا خیال رکھتا ہے وہ دہشت گردی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ یقیناً جو افراد اس قسم کے اقدامات کرتے ہیں ان کا تعلق دین اسلام سے نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ خود کو کسی بھی فرقے سے منسوب کرتے رہیں۔ ایسے افراد اسلام مخالف عناصر کے آلہ کار ہیں جن کا مقصد ہی اسلام کو بدنام کرنا ہے۔

ابتدائی جہاد

فقہانے قرآن کریم میں موجود بعض آیات سے استدلال کیا ہے کہ جہاد ابتدائی واجب ہے یہاں ہم ان آیات کو ذکر کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ کیا واقعاً یہ جہاد ابتدائی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں۔

ا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا (26)

یعنی: "اے ایمان والو! اپنے تحفظ کا سامان اٹھالو اور گروہ گروہ یا اکٹھے نکل کھڑے ہو۔"

ابتدائی نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت صاحبان ایمان کو کہہ رہی ہے کہ اپنا اسلحہ اٹھاؤ اور جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔ لیکن اگر آیت پر غور کیا جائے تو جہاد ابتدائی ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلق جہاد ثابت ہے۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ جہاد دفاعی ہو اور ہوسکتا ہے کہ جہاد ابتدائی ہو، جب اعم ہے تو جہاد ابتدائی ثابت نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اکثر مفسرین نے اس سے مراد جہاد دفاعی لیا ہے۔ آیت اللہ ناصر مکارم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حذر حضر کے ہم وزن ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار رکھو۔ البتہ کبھی اس ذریعہ کو بھی کہتے ہیں جس کے ذریعے خطرے سے خود کی حفاظت کی جاتی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل ایمان کو دو اہم حکم دیئے جارہے ہیں۔

الف: دشمن سے غافل نہ رہو بلکہ ہوشیار رہو کہ کہیں وہ تمہیں غافل پاکر تم پر حملہ آور نہ ہو جائے اور تم غفلت میں مارے نہ جاؤ۔

ب: دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے مختلف ٹکنیک اختیار کرو۔ کبھی سب مل کر مقابلہ کرو اور کبھی گروہ گروہ کی شکل میں۔

یہ آیت ہر دور میں تمام مسلمانوں کو حکم دے رہی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی امنیت کی حفاظت اور اپنی سرحدوں کے دفاع کے لئے تیار رہیں۔ (27)

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ نے تفسیر المیزان اور مرحوم طبرسی نے مجمع البیان فی تفسیر القرآن میں بھی یہی کہا ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت دشمن سے ہوشیار اور اپنے دفاع کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

۲۔ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيُقْتَلْ أَو يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (28)

یعنی: "اب اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جہاد کرنا چاہیے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دیتے ہیں اب جو بھی راہ خدا میں جہاد کرے گا وہ قتل ہو جائے یا غالب آجائے دونوں صورتوں میں ہم اسے عظیم اجر عطا کریں گے۔"

یہ آیت بھی مطلق جہاد کی بات کر رہی ہے۔ یعنی جہاد ابتدائی اور دفاعی دونوں اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا دلیل اعم سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ مفسرین کے بقول یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب داخلی اور خارجی دشمن مسلمانوں کو ہراساں کر رہے تھے۔ انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایسے پس منظر میں ضروری تھا کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائی جائے۔ ان کے دلوں سے خوف ختم کیا جائے۔ یہی کام آیت نے کیا کہ اے مسلمانوں یہ تو عارضی زندگی ہے۔ اصل زندگی آخرت والی ہے۔ لہٰذا اللہ کی خاطر لڑو۔ اگر زندہ رہے تو بھی اجر ملے گا اور اگر شہید ہو گئے تب بھی اجر عظیم کے مستحق قرار پاؤ گے۔

یہ محض آمادگی پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ تیار رہیں اگر جنگ کا موقع آئے تو گھبرائیں نہیں۔ اگر اس سے مراد ابتدائی جہاد کا وجوب ہوتا تو مفسرین اسے بیان کرتے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول خدا ﷺ نے کسی مشرک علاقے پر چڑھائی کی تھی۔ جبکہ کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے چڑھائی کی ہو۔

۳۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ۔ (29)

یعنی: "اے نبی مومنین کو جنگ کی ترغیب دلائیں اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو افراد ہوں تو وہ ایک ہزار پر غالب آجائیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔"

یہ آیت بھی اہل ایمان کی تقویت کو بیان کر رہی ہیں یعنی اگر ایک شخص صحیح مومن ہے تو وہ دس کافروں جتنی طاقت رکھتا ہے لہٰذا اگر کبھی جنگ کا موقع آئے تو اہل ایمان کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ ایمان کامل رکھو

پھر خوف نہیں ہوگا۔ اسی لئے آگے آیت ہے: "الْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِئَتَيْنِ "۔ یعنی: اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک) سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں (تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے۔

مقصد یہ ہے کہ جس قدر ایمان مضبوط ہوگا اسی قدر جہاد میں کامیابی ملے گی۔

۴۔ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (30)

یعنی: "پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر راستہ اور ہر گزر گاہ پر بیٹھ جاؤ اور راستہ تنگ کر دو پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو کہ خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

اس آیت کو جہاد ابتدائی کی اہم ترین دلیل کہا گیا ہے۔ حالانکہ آیت کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ان مشرکین کے متعلق حکم ہے جو معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور جب بھی موقع ملتا ہے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذکورہ آیت سے پہلے آیت ہے:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ۔ (31)

یعنی: "البتہ جن مشرکین سے تمہارا معاہدہ تھا پھر انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہیں کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ جس مدت کے لئے معاہدہ ہوا ہے اسے پورا کرو۔ یقیناً خدا اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔"

مشرکین وہ لوگ تھے جنہیں گذشتہ ۲۲ سال سے اسلام کی دعوت دی جا رہی تھی۔ اس دوران ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہر قسم کی اذیت دی۔ انہیں گھروں سے نکالا۔ ان کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور کوئی ایسا ظلم و زیادتی نہیں چھوڑی جو وہ کر سکتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آج مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں اسلامی شعائر پر عمل پیرا ہوں تو ان سے معترض نہ ہوں۔ ان کو امن اور آزادی دیں:

"وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ" اور اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سنیں پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچادیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جنگوں کا مقصد اپنے نظریات کو جبر واکراہ کے ساتھ دوسروں پر مسلط کرتا نہیں ہے۔ بلکہ یہ جنگیں جبر اکراہ اور ظلم وبربریت کے خلاف لڑی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب جبر واکراہ کی رکاوٹ ختم ہوجاتی ہے تو اسلام جنگ سے ہاتھ روک لیتا ہے اور مخالفین کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی جنگ کی ابتداء نہیں کی۔ ہمیشہ دفاعی جنگ لڑی ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل ہدف تو اسلام کا پیغام پہنچانا ہے نہ کہ لوگوں کو زبردستی دین میں داخل کرنا ہے۔ قرآن نے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ تو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے جنگ کے ذریعے لوگوں کو دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں لڑی جانے والی جنگوں کے علل واسباب پر غور کرتے ہیں تو واضح ہوجاتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل کی وجہ سے جنگ برپا نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ جنگیں آپ پر تھوپی گئی تھیں۔ لہذا یہ تصور کہ اسلام جہاد اور تلوار کے زور سے پھیلا ہے دشمنان اسلام کا پیدا کردہ ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ ابن منظور، لسان العرب ج ۳، ص ۱۳۳، مادہ ج، ہ، د

2۔ سید علی طباطبائی، ریاض المسائل، ج ۷، ص ۴۴۰

3۔ فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ص ۴

4۔ فرقان: ۵۲

5۔ شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۱۶، ص ۱۲۲

6۔ طبرسی، تفسیر مجمع البیان، ج ۷، ص ۲۷۳

7۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۲، ص ۴۱۸

8۔قرطبیؒ، تفسیر القرطبی، ج۲۹۶،۸
9۔بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵۶۸
10۔زمخشری، الکشاف، ج۱، ص ۴۵۲
11۔مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم، ج۱، ص۵۱
12۔طبرانی، المعجم الکبیر، ج۸، ص ۲۸۲
13۔یوسف: ۵۳
14۔شمس: ۹۔۱۰
15۔کلینی، الکافی، ج۵، ص ۱۲، صدوق، الامالی: ص ۵۵۳
16۔انفال: ۶۰
17۔ڈاکٹر خووری، جنگ و صلح در قانون اسلام۔ مترجم: غلام رضا سعیدی، ص ۸۲
18۔فرقان: ۶۸
19۔مائدہ: ۳۲
20۔امام بخاری، صحیح البخاری: ج۷، ص ۲۲۸
21۔حج: ۳۹۔۴۰
22۔استاد مطہریؒ، جہاد، ص ۶۳ ماہیت جہاد دفاع است
23 ۔ بقرہ: آیت ۱۹۰-۱۹۱
24۔شیخ طوسی، تہذیب الاحکام: ج۱، ص ۱۲۶
25۔شیخ کلینی، الکافی، ج۵، ص ۲۹
26۔نساء: ۷۱
27۔شیرازی مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۴، ص ۳،۲
28۔نساء ۷۴
29۔انفال: ۶۵
30۔توبہ: ۵
31۔توبہ: ۴

پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کی تشہیری مہم میں فنِ ابلاغیات کا کردار

ڈاکٹر محمد ریاض*
dr.riazrazee@gmail.com

کلیدی کلمات: دور جاہلیت، ابلاغی اصناف، عرب شعراء، نبوت کی بشارتیں

خلاصہ

پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے تین نمایاں حصے ہیں: پہلا حصہ وہ ہے جس میں آپ ﷺ کو اعلانِ رسالت کا حکم نہیں تھا۔ بلکہ خاموش تبلیغ و ترسیل کی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ دوسرے حصے کا تعلق بعثتِ اسلام سے ہے جس میں آپ ﷺ نے باقاعدہ پیغمبری اور تبلیغی ذمہ داریوں کا آغاز کیا۔ تیسرے حصے کا تعلق ہجرتِ مدینہ سے ہے۔ اس حصے میں تعلیماتِ اسلام کی تبلیغیات و ترسیلات ہوئیں، ریاستِ اسلامی کا وجود عمل میں آیا اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شناخت عالمی رہبر کے طور پر ہوئی۔ زیر بحث گفتگو میں ہم اولین حصہ یعنی قبل از بعثت پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے ایک پہلو پر بات کریں گے۔ ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی تشہیر میں فنِ ابلاغیات کا بہت بڑا کردار تھا اور یہ کردار آپ ﷺ کی پیدائش سے سینکڑوں سال قبل ہی واضح محسوس کیا گیا تھا۔

*۔ پی ایچ ڈی، اسلامیات، جامعہ کراچی

بعثت سے قبل عرب میں رائج ابلاغی اصناف

شعر گوئی، خطابت، کہانت، یہودی علماء اور عیسائی راہبوں کی خبریں، افسانہ گوئی، تصویر نگاری، گذشتہ آسمانی کتابیں، یہ تمام اصناف قبل از بعثت ابلاغیات کے طور پر معروف تھیں۔ خاص طور پر گذشتہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات قابلِ وثوق ہونے کے ساتھ ساتھ گذشتہ اور آئندہ واقعات سے متعلق خبریں بھی فراہم کرتی تھیں۔ تعلیم سے نابلد ہونے کے باوجود عرب ان اصناف سے استفادہ کرتے تھے اور فخر ومباہات کے اظہار کے لئے ان مناہج کی تدوین وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے۔ قبل از بعثت عرب معاشرہ اگرچہ مثالی نہیں تھا تاہم کچھ انفرادی خصوصیات ان میں ایسی تھیں جو انہیں دیگر اقوام سے ممتاز کردیتی تھیں۔ مثلاً مہمان نوازی، فصاحت و بلاغت، بہادری، کہانت، شعر و شاعری اور ستارہ شناسی وغیرہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ابوالحسن ندوی کہتے ہیں:

> ”دورِ جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، من جملہ ان میں سے فصاحت و بلاغت اور قادرالکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔“(1)

جبکہ عرب کی ایک اور انفرادی پہچان یہ بھی تھی کہ وہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ ”پورے قریش میں صرف سترہ افراد ہی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔“(2) لکھنے پڑھنے کا عام رجحان نہ ہونے کے باوجود قریش اپنے زورِ خطابت ، شعرو شاعری اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بالکل منفرد پہچان رکھتے تھے۔ اِبلاغ اور پیغام رسانی کیلئے انہوں نے خطابت، کہانت اور شعرو شاعری کا سہارا لے رکھا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں یہی صورتیں ابلاغی مناہج کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ خاص طور پر شعراء اور خطیب ابلاغی عمل کے سرخیل تھے۔

یہ حضرات نہ صرف ماضی کے واقعات اپنے کلام میں کھینچ لاتے تھے ،بلکہ ان واقعات کو مستقبل کی طرف منتقل کرنے کا سبب بھی بنتے تھے۔ تعلیم و تعلّم سے نابلد معاشرے میں راوی، مورّخ ، وقائع نگار اور ہر طرح کے القابات انہی شعراء، خطیب، کاہن ، علماء (یہود و نصاری) وغیرہ کیلئے زیادہ موزوں سمجھے جاتے تھے۔ قوم کی کثرت کو بطور تفخر بیان کرنا ایک

شاعراور خطیب کیلئے لازمی جزو سمجھا جاتا تھا۔ البتہ فنِ شاعری کی اہمیت ہر ایک فن سے بڑھ کر تھی اور ایک شاعر کئی طرح کی خصوصیات سے متصف ہونے کی بناء پر کاہن اور خطیب سے کئی درجہ بلند مرتبہ کا ہوتا تھا۔ جاحظ (متوفی ۲۲۵ھ) کہتے ہیں:

"و کان الشاعر ارفع قدرا من الخطیب و هم الیه احوج لرده مآثرهم علیهم و تذکیرهم بایامهم" (3)

یعنی: زمانہ جاہلیت میں شاعر خطیب کی بہ نسبت زیادہ بلند مرتبے کا حامل ہوتا تھا، کیونکہ شاعر عربوں کی ضرورت تھے تاکہ وہ ان کی بزرگی کو بیان کریں اور ان کے شاندار ماضی کو یاد کرکے اس پر فخر کریں۔

فی البدیہہ اشعار کہنا اور سنانا عرب شعراء کی خصوصی صلاحیت تھی۔ ایک شاعر ہزار، ہزار بیت پر مشتمل پورا مجموعہ ترتیب دے سکتا تھا۔ ان کی شاعری زیادہ تر نسلی تفاخر، جنگی مناظر، عورتوں کی تعریف اور گھوڑوں کی توصیف پر مشتمل ہوتی تھی۔ البتہ کبھی کبھی ان کے اشعار ناصحانہ کلمات کی صورت میں بھی ہوتے تھے۔ اگرچہ ان کا یہ فنِ کمال اصلاحی اُمور کے زمرے میں نہیں آتا تھا تاہم ماضی کے واقعات کو محفوظ کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ضرور سمجھا جاتا تھا۔ ایک طرح سے شعراء ان کی ضرورت بھی تھے اور کارنامے بیان کرنے والے مبلغ بھی۔ بقول ایرانی مورخ مہدی پیشوائی: "عہد جاہلیت کے شعراء ہمارے زمانے کے صحافیوں کا رُتبہ رکھتے تھے۔" (4)

عربوں کے نزدیک ایک شاعر کی ذات عمومیت کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ تاریخ بھی بیان کرتا تھا، ان میں حسب و نسب کی اچھی پرکھ بھی تھی، اخلاقیات کا درس بھی دیتا تھا، اس میں کہانت کی صفت بھی تھی جبکہ دو فریقین کے درمیان ہونے والی جنگ کا اعلان بھی ایک شاعر ہی کرتا تھا: "عربوں کے ہاں شاعر ایک مورخ، ماہرینِ انساب، ہجو گو، اخلاقیات کے مبلغ، اخبار (صحافی)، کاہن اور جنگ کا منادی سمجھا جاتا تھا۔" (5) شعر گوئی یا ادبی میلے جو عربوں کے ہاں مشہور تھے، وہ عکاظ، ذی المجاز اور مجنہ کے میلے تھے۔ ان میلوں میں شعراء اپنے عمدہ

اشعار اور قصیدوں کو پیش کیا کرتے تھے اور اس میں سے جس کے اشعار منتخب ہوتے تھے وہ اور اس کے قبیلہ والے اسے اپنے لئے باعث فخر و عزت سمجھتے تھے اور اس کے اشعار کو اہمیت اور اعزاز کے طور پر خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا تھا۔" معلقات سبعہ" سات بہترین فصیح و بلیغ اور عمدہ قصیدے سات عظیم شعراء کے تھے جس کی مثال اور نظیر اس زمانہ میں نہیں ملتی تھی لہٰذا انہیں دیوار کعبہ پر لٹکا دیا گیا تھا۔(6)

اُسی ماحول میں پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد و بعثت ہوئی اور یہ یقینی بات تھی کہ آپ ﷺ کی آمد و بعثت سے متعلق عربوں نے سن رکھا تھا۔ تاریخ کے اوراق میں کئی ایسی شخصیات کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کی آمد و بعثت اور صفات کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔اولین شخص جس نے اپنے اشعار کے ذریعے بعثتِ پیغمبر اسلام ﷺ کی تشہیری مہم چلائی وہ یمن کے بادشاہ "تبع اول" تھے۔ ان کا انتقال آپ ﷺ کی بعثت سے ایک ہزار سال قبل ہوا تھا۔ انہوں نے چار سو افراد مکہ مکرمہ میں رکھے ہوئے تھے تاکہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ظہور کا انتظار کریں اور آپ ﷺ کی نصرت کریں۔

تبع سے منسوب چند اشعار یہ ہیں:

قالوا بمکة بیت مال داثر   و کنوزہ من لؤلؤ و زبرجد

بادرت أمرا حال ربی دونه   واللہ یدفع عن خراب المسجد

فترکت فیه من رجالی عصبة   نجبا ذوی حسب و رب محمد (7)

مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس وخزرج بنیادی طورپر یمن کے تھے۔مدینہ کو مسکن کے طور پر منتخب کرنے کی وجہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں وہ بشارتیں تھیں جو انہوں نے مختلف حوالوں سے سن رکھی تھیں۔"تبع اول"ہی وہ شخص تھے جو ان دونوں قبیلوں کو یثرب لائے تھے۔ اسی بادشاہ نے اوس و خزرج کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا:

" انتظا کرو عنقریب ایک پیغمبر (ﷺ) ظاہر ہوگا جس کے اوصاف میں نے سنے ہیں۔ وہ مکہ میں مبعوث ہوگا اور مدینہ میں ہجرت کرکے آئے گا۔ اگر میں اس کے زمانہ تک زندہ رہا تو اس پر ایمان لاؤں گا اور اس کے ساتھ دشمنوں سے لڑوں گا۔"(8)

پیغمبر اسلام ﷺ کے آباؤاجداد میں سے کئی ایک بزرگوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی ہے۔ منجملہ ان میں سے ایک کعب بن مرہ ہیں۔ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے۔ کعب وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ کا نام یوم جمعہ رکھا۔اسی کعب کے اشعار ہیں جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد کی واضح خبر دی گئی ہے:

”علی غفلةٍ یأتی النبی محمد، فیخبر اخبارا صدوق خبیرا،یالیتی شاهد فجواء دعوته،حین العشیرة تبغی الحق خذلانا“ (9)

یعنی: جہالت اور بے خبری کے دور میں محمد ﷺ تشریف لائیں گے اور اس طرح خبریں بتلائیں گے جس طرح ایک جاننے والا بتلایا کرتا ہے۔کاش میں ان کی دعاؤں کا اثر اس وقت دیکھنے والوں میں ہوتا جبکہ قبیلہ سچائی کو رسوا کرنے کی کوشش میں ہوتا۔

اسی طرح کنانہ ابن خزیمہ کے یہ الفاظ تاریخ میں ثبت ہیں: ”وقت آگیا ہے کہ مکہ سے ایک نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد (ﷺ) ہوگا وہ لوگوں کو اللہ کی طرف، بھلائی، احسان اور شریفانہ اخلاق کی طرف بلائیں گے۔“ (10) اوس بن حارثہ ابن ثعلبہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت سے تین سو سال پہلے آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبر دی اور اپنے اہل و عیال کو وصیت کی کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت کریں۔ان کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

اذا بعث المبعوث من آل غالب	بمکة فیما بین زمزم و الحجر
هنالك فأشروا نصره ببلادکم	بنی غامر ان السعادة فی النصر (11)

یعنی: ”وہ وقت دھیان میں رکھئے جب آلِ غالب میں ایک نبی (بھیجے جانے والے) کی بعثت ہوگی عین مکہ مکرمہ کے مقام پر، بیئر زمزم اور حجرِ اسود کے جوار و حوالی میں، وہ وقت بہت اہم ہوگا تو تم لوگ کرنا یہ کہ اپنے شہروں میں اس کی مدد و نصرت کے اسباب خرید لانا، اے بنی غامر! یاد رکھنا کہ سعادت مندی فقط مدد و نصرت پر ہی منحصر ہوگی۔“

عف کلان حمیری نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ تم کو ایک خوش خبری دوں جو تمہاری تجارت سے بہتر ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے گزشتہ ماہ ایک پیغمبر (ﷺ) کو مبعوث

فرمایا ہے۔اس پر ایک کتاب نازل کی گئی ہے، وہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے اور اسلام کی دعوت دیتاہے۔انہی عف کلان حمیری کے یہ اشعار بیان ہوئے ہیں:

أشهد بالله رب موسیٰ انك أرسلت بالبطاح

فكن شفيعي الى مليك تدعوالبرايا الى الفلاح (12)

"میں گواہی دیتاہوں اس خدا کی جو موسیٰؑ کا پروردگار ہے۔ بہ تحقیق آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بطحا میں مبعوث ہوئے ہیں۔تو تم اُس کی بارگاہ میں میری شفات کیجئے گا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیکی کی دعوت دینے والے ہوں گے۔"

پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی بشارت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کو شعری اِبلاغ میں بیان کرنے کا شرف سب سے زیادہ حضرت ابوطالبؑ کو ملا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوائلِ زندگی سے لے کر نبوت کے دسویں سال تک حضرت ابوطالبؑ نے تین ہزار کے قریب اشعار ایسے کہے جن کا براہِ راست تعلق پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے تھا۔عام طورپر حضرت ابوطالبؑ نے اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ شان، بزرگی، عظمت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اپنی استقامت کا حال اور قریش کی طرف سے روا رکھے گئے ناروا سلوک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل حمایت کو نمایاں طورپر بیان کیا ہے۔

آپ کے تمام اشعار "دیوانِ ابوطالب" کے نام سے معروف ہیں۔ بعض ایسے واقعات جن کا براہِ راست تعلق حضرت ابوطالب سے تو نہ تھا البتہ آپ ان واقعات کے چشم دید گواہ اور راوی (صحافی) ہیں، ان واقعات کی تبلیغ بھی آپ نے اشعار کی صورت میں کی ہے۔ الغرض بعثتِ اسلام سے قبل اوراس کے شروعاتی دور میں حضرت ابوطالبؑ ایک ابلاغی شخصیت کے طور پر نمایاں رہے۔

مسعودی (متوفی ۳۴۶ء) کہتے ہیں:

"سفر شام کے واقعات و مشاہدات (نبوت کی علامات) خاص طورپر بحیرہ راہب کا کتب سماوی کے حوالے سے پیغمبراسلام کو نبوت کی خوشخبری سنانااور وہ علاماتِ نبوت جو بعثت سے قبل آپ سے ظہور ہوئیں ان کے راوی (صحافی) حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ ہیں۔" (13)

ذیل میں ہم حضرت ابوطالب کے چند اشعار بیان کرتے ہیں۔ ان اشعار میں آپ نے ایک طرف حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا حوالہ نیک خصلت شخصیات کے طور پر بیان کیا ہے، وہی دوسری طرف پیغمبر اسلام ﷺ کو ان دونوں برگزیدہ شخصیات کا وارث قرار دیا ہے۔

لیعلم خیار الناس أن محمدا　　وزیر لموسی والمسیح ابن مریم

أتانا بهدی مثل ما أتیا به　　فکل بأمر الله یهدی و یعصم

وانکم تتلونه فی کتابکم　　بصدق حدیث لا حدیث المبرجم (14)

”نیک اور برگزیدہ لوگ جانتے ہیں کہ محمد موسیٰ اور مسیح ابن مریم کے وارث اور جانشین ہیں۔ ہمارے لئے وہی ہدایت بطور تحفہ لائے ہیں جو وہ دونوں لائے تھے۔ کیونکہ وہ سب خدا کے حکم سے راستہ دکھاتے ہیں اور بندوں کا اس سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ ہاں تم (مسیحی) اپنی کتابوں میں ان (پیغمبر اسلام ﷺ) کے اوصاف پڑھتے ہو، وہ کوئی جھوٹی کہانی نہیں، ایک سچی خبر ہے۔“

قریش کی طرف سے مسلسل دھمکیوں اور تنبیہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے حضرت ابوطالب یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ بعدازاں پیغمبر اسلام ﷺ کو شہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ بلا خوف و خطر اپنی دعوت عام کریں، اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوطالب اُمید کا یہ پہلو بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ دعوت کے ساتھ لوگوں کو خوشخبری بھی دیجئے کیونکہ آپ ﷺ کا دین بہترین ادیان میں سے ہے جن کو لوگ قبول کرتے ہیں۔

والله لن یصلوا الیك بجمعهم　　حتی أوسد فی التراب دفینا

فاصدع بأمرك ما علیك غضاضة　　وأبشر وقر بذاك منك عیونا

ودعوتنی وذکرت أنك ناصحی　　ولقد نصحت وکنت قبل أمینا

ولقد علمت بأن دین محمد　　من خیر أدیان البریة دینا (15)

"خدا کی قسم! اپنی کثیر تعداد اور قوت کے باوجود وہ آپ پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے۔ وہ صرف اس وقت آپ پر قابو پاسکتے ہیں کہ میں جان قربان کرکے دفن ہوجاؤں۔ بس اپنی دعوت کو ظاہر کیجئے کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عیب یا شرم کا باعث ہو۔ ہاں آپ اپنی دعوت کے ساتھ لوگوں کو خوشخبری دیجئے اور ان کی آنکھوں کو روشن کیجئے۔ آپ نے مجھے دعوت دی اور میں سمجھ گیا کہ آپ میرے ناصح ہیں، ہاں تو آپ نے مجھے حق کی طرف بلایا اور اس دعوت میں آپ امین تھے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ محمد کا دین ان بہترین ادیان میں سے ہے جو لوگوں نے قبول کئے ہیں۔"

ورقہ بن نوفل (حضرت خدیجہ کے چچازاد) جو دینِ نصرانیت اختیار کرچکے تھے اور وہ آسمانی کتابوں کے عالم تھے۔ ان کے اشعار بھی تاریخ میں مشہور ہیں۔

بان محمداً سیسود فینا		ویخصم من یکون لہ حجیجا

ویظھر فی البلاد ضیاء نور		یقیم بہ البریۃ ان تموجا (16)

"وہ خبر یہ ہے کہ محمد ﷺ عنقریب ہم میں سردار ہوں گے اور جو ان سے مقابلہ کرے گا اس کو مغلوب کریں گے۔ اور تمام شہروں میں نور کی روشنی ظاہر ہوگی اور خلقت اس نور کے ساتھ حق اور راستی کرے گی۔"

شام کے دوسرے سفر میں حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ہمراہ تھے۔ سفر کے دوران جو جو واقعات آپ ﷺ کی ذات سے مشاہدہ ہوئے یہی میسرہ ان کے راوی (صحافی) ہیں۔ مکہ واپسی پر میسرہ نے وہ تمام حالات و واقعات جو انہوں نے سفر کے دوران ملاحظہ کئے تھے، حضرت خدیجہ کے سامنے بیان کردیئے۔ حضرت خدیجہ آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آنے کے بعد آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ان واقعات کے تناظر میں ورقہ بن نوفل نے مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ یہ بھی کہا تھا:

''خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو سمجھ لو کہ محمدﷺ اس اُمت کے نبی ہیں۔میں یہ بات سمجھ چکا ہوں کہ وہ اس اُمت کے ہونے والے نبی ہیں۔جن کا دنیا کو انتظار ہے اور یہی ان کا زمانہ ہے۔'' (17)

اسعدابو کرب الحمیری نامی شخص نے آپﷺ کی ولادت سے سات سو سال قبل آپ ﷺ کی بعثت کی خبر دی تھی۔ان کے مندرجہ ذیل اشعار تاریخ میں ملتے ہیں:

شهدت على احمد انه　　　رسول من الله باری النسم

فلو مد عمری الی عمره　　　لكنت وزيراً له وابن عم

وألزم طاعته كل من　　　على الأرض من عرب أو عجم (18)

میں شہادت دیتاہوں کہ احمدﷺ اللہ کے رسول ہیں،کاش میری عمر اتنی ہوتی کہ میں آپﷺ اور آپ کے ابن عم کا وزیر ہو سکتا،آپﷺ کی اطاعت زمین پر جملہ عرب و عجم پر لازم ہے۔

پیغمبراسلامﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب ہمیشہ ایک کتاب پڑھتے تھے اور کہتے تھے:

''ان من صلبى لنبياً لوددت أنى أدركت ذلك الزمان فآمنت به، فمن أدركه من ولدى فليؤمن به'' (19)

بلا شبہ میری نسل سے ایک پیغمبر ہوگا۔میری خواہش تھی کہ میں اس کے زمانے میں زندہ ہوتا اور اس پر ایمان لاتا۔پس میرے فرزندوں میں سے جو کوئی اس کا زمانہ دیکھے وہ اس پر ایمان لائے۔

حضرت ابوطالب اپنی تبلیغی مہم میں اشعار کے علاوہ اپنے آباؤاجداد سے سنے ہوئے واقعات بھی بیان کرتے تھے اور کہتے تھے: میرا بھتیجا محمد(ﷺ) جو دعوت دیتاہے ہمارے بزرگوں اور دانشوروں نے اس کی پیشن گوئی کی ہوئی ہے۔چنانچہ محمدﷺ سچا پیغمبر، امین ناطق اور بلند ترین مراتب اور مقامات کا مالک ہے۔کیونکہ پروردگار کے نزدیک اس کا درجہ سب سے

بلند ہے۔ پس تم اس کی دعوت قبول کرو، اس کی مدد کیلئے اکھٹے ہوجاؤ اور اس کے دشمنوں کو منتشر کردو۔ (20)

قریش کے پاس خطبوں اور تقریروں کے مآخذ تاریخی واقعات ہوتے تھے۔عام طورپر ان واقعات کو بیان کرنے کے دو طریقے رائج تھے:

اوّل: سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات جو بزرگ حضرات اپنے زمانے کے لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ کیونکہ عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہوکر کسی مقام پر جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا داستان شروع کرتا تھا۔ جسے لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات بھر سنتے تھے۔ان کے ہاں ماسبق واقعات کو محفوظ کرنے کا یہ بہترین اور سریع الاثر طریقہ تھا۔ (21)

دوم: یہود و نصاریٰ کے علماء اور راہبوں سے سنے ہوئے واقعات ، خاص طورپر پیغمبراسلام ﷺ کی نبوت کے بارے میں اکثر روایات عربوں نے علماء یہود اور راہبوں سے سنی تھی۔

اسی طرح علامتی (تصویری) ابلاغیات کے نمونے بھی عربوں کے ہاں بڑے واضح ملتے ہیں۔ چونکہ پورا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا اور یہ یقینی بات تھی کہ وہ ایک سے ایک بت تراشتے تھے اور مختلف جگہوں پر نصب کرکے ان کی عبادت کرتے تھے۔یہاں تک خانہ خدا (خانہ کعبہ) کے اندر ۳۶۰ کے قریب بُت رکھے گئے تھے۔

یہ بھی بیان کیاگیا ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی تصویر سجائی گئی تھیں اور ان کے ہاتھ میں استخارے کے تیر تھے۔ جبکہ ایک بھیڑ کا بچہ بھی ان کے قریب کھڑا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی بھی تصویریں اور مورتیں خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھیں۔ایامِ جاہلیت کے چار مشہور افراد ود،یعقوق،یغوث اور نسر کی تصویریں پتھروں پر نقش کرکے خانہ کعبہ کے اندر رکھی گئیں تھیں۔ (22) رومی بادشاہ کے پاس تمام انبیاء کی تصویریں تھیں۔ پیغمبراسلام ﷺ کی تصویر

بھی ان کے قصر کے ایک کمرے میں رکھی گئی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے قصر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے سے رکھی ہوئی تھی۔(23)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی تشہیر مہم صرف عرب کے اشعاراور ان کے خطبوں تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیاء نے بھی اس نبوت کی بشارت دی تھی۔ مشیرالدین ابی عبداللہ محمد بن علی بن شہرآشوب(متوفی۵۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت مندرجہ ذیل انبیاء نے دی ہے۔ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داوٴدؑ، عوبیناؑ، حیقوقؑ، حزقیلؑ، دانیالؑ ، شیعاؑ۔حضرت عیسیٰؑ کے یہ الفاظ تاریخ میں نقل کئے گئے ہیں:

”...جاء من بعدہ و هویخفف الآصار و یفسر کلم کل شئ و یشهد لی کما شهدت له انا جئتکم بالآمثال وهویأتیکم بالتأویل...“ (24)

”وہ میرے بعد آئے گا۔ وہ تمہارے لئے ہر چیز کی تعبیر بیان کرے گا۔ وہ میری تصدیق کرے گا جس طرح میں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ میں تمہارے لئے امثال (معجزات) لایا تھا وہ تمہارے سامنے تاویلات بیان کرے گا۔“

معدودے چند نبیوں کا تذکرہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ باقی انبیاء پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے متعلق بے خبر تھے۔ بلکہ ہر نبی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ بقول علامہ مجلسی (متوفی۱۱۱۱ھ) تمام آسمانی کتابوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ہر نبی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند عظمت اور بلند مرتبے کو بھی بیان کیا ہے۔(25) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں: گذشتہ کتابوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کثرت سے ہے اور انبیاء و مرسلین کی مجلسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہمیشہ رہتا تھا۔(26) معروف مستشرق وِل ڈیورانٹ (متوفی۱۹۸۱ء) لکھتے ہیں کہ بائبل میں متعدد جگہوں پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد کا تذکرہ ملتا ہے۔(27) شیخ محمد بن یعقوب کلینی (متوفی۳۲۹ھ) اپنی کتاب اصول کافی میں ایک حدیث نقل کی ہے:

ولا مجهول عندأهل العلم صفته، بشرت به الانبياء فی کتبها و نطقت به العلماء بنعتها و تأملته الحکمآء بوصفها(28)

”اہل علم کے نزدیک ان (حضرت محمدﷺ) کی صفت مجہول نہیں، ان کی بشارت دی گئی انبیاء کو ان کی کتابوں میں اور علماء ان کی تعریف و توصیف میں گویا ہوئے اور حکماء نے ان کے اوصاف میں غوروفکر سے کام لیا۔“

گویا زمانہ قبل از اسلام انبیاء، علماء اور حکماء پیغمبراسلامﷺ کی آمد کو بدیہات میں سے سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہرباپ نے اپنے بیٹے کو بتایااور یہ سلسلہ پشت در پشت چلتا رہا۔ تبشر بہ کل امة من بعدها ویدفعه کل اب الی اب من ظهر الی ظهر(29) ”پیغمبراسلامﷺ کی نبوت کی بشارت ہر رسول نے اپنی اُمت کو دی اور ہر باپ نے اپنے بیٹے کو بتایا اور ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف یہ معاملہ چلتا رہا۔“

خالد بن سنان عبسی(بقول ابن عباس ،یہ نبی خدا تھے)نے قیامت تک آنے والے حالات کے بارے میں آگاہ کیا تھا من جملہ ان میں سے ایک پیغمبراسلامﷺ کی نبوت کی بشارت تھی۔(30)

وہ یہودی علماء اور عیسائی راہب جنہوں نے بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد پیغمبراسلامﷺ کی آمد کی خبریں دیں، ان کی ایک لمبی فہرست تاریخ میں موجود ہے۔بعض علماء اور راہب وہ ہیں جنہوں نے براہ راست پیغمبراسلامﷺ سے ملاقات کی اور نبوت کی جملہ صفات کے مشاہدے کے بعد آپﷺ کی تصدیق کی۔ بعض وہ ہیں جو آپﷺ کی پیدائش اور بعثت سے قبل خبریں دیا کرتے تھے اور اپنی قوم کو تبلیغ کرتے تھے کہ آخری نبی کی آمد کے بعد اُس کی اتباع کی جائے۔

دراصل یہودو نصاری سے زیادہ کوئی اور قوم پیغمبراسلامﷺ کے احوال و واقعات سے واقف نہ تھی۔ان کے علماء کو معلوم تھا کہ توریت و انجیل میں پیغمبراسلامﷺ کی صفات بیان کی گئیں ہیں۔مدینہ منورہ میں یہودونصاریٰ مدتوں سے منتظر تھے کیونکہ اس شہر میں آپﷺ کے ظہور کی علامتیں اور نشانیاں پائی جاتی تھیں۔ان کے آباؤاجداد اپنی اولاد کو

وصیت نامہ چھوڑ جاتے اور کہتے کہ ہمارا سلام پیغمبر اسلام ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا کر عرض کریں کہ ہم نے آپ ﷺ کے انتظار میں جانیں دی ہیں۔(31)

عام طور پر یہودی اس بات کو خوب خوب بیان کرتے تھے کہ عنقریب جس نبی کا ظہور ہونے والا ہے، یہودی اس کے مصاحبین میں شمار ہونگے۔ اگر ان کی کسی قوم یا قبیلے سے ان بن ہوتی یا کوئی بات ناگوار گزرتی تو کہتے:

"وہ زمانہ قریب آگیا ہے جس میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے وہ تمہیں قوم عاد و ثمود کی طرح قتل کرکے نیست و نابود کردے گا۔"(32)

پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد کی تشہیری مہم سب سے زیادہ راہبوں نے چلائی ۔بحیرہ راہب، نسطورہ راہب، شام کے وہ راہب جس نے عرب کے ایک تاجر سے کہا تھا یہی وہ مہینہ ہے کہ جس میں اُس آخری نبی کا ظہور ہونا چاہیے۔ وہ حرمِ خدا سے ظاہر ہونگے اور اس مقام کی طرف ہجرت کریں گے جس میں خرمے کے درخت بہت زیادہ ہونگے۔ عداس راہب ،ابن الناطور، بلقاء کے وہ راہب جس نے زید بن عمرو کو خبری دی عنقریب اسی شہر میں ایک نبی مبعوث ہوگا جہاں سے تم آرہے ہو، اس نے وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع دی۔

ان میں سے کئی ایک پیغمبر اسلام ﷺ کے منتظرین میں شمار ہوتے تھے۔ جبکہ کئی ایک (بحیرہ راہب) آپ ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔(33) قبیلہ اوس کا ایک شخص ابوعامر راہب تھا۔ کہاجاتا ہے کہ مدینے کے اوس و خزرج قبیلے میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ یہ یہودیوں کے علماء سے ملتا رہتااور پیغمبر اسلام ﷺ کے سلسلے میں اخبار معلوم کرتا رہتا تھا۔ یہ شخص شام کے نصرانیوں سے بھی ملا، ان سے دینِ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حقیقت دریافت کی۔ یہ شخص کہتا تھا کہ "میں ملت حنفیہّ، دین ابراہیمؑ پر ہوں اور نبی آخرالزمان ﷺ کے ظہور کا منتظر ہوں۔"(34) جبکہ تاریخ میں چار ایسے راہبوں کے نام درج ہیں جو اس زمانے میں نصرانی مذہب پر صحیح طریقے سے عمل کرتے تھے۔ (35)علامہ سہیلی نے ان راہبوں کی تعداد تیس لکھی ہے۔(36)

بعثت سے قبل حضرت سلمان فارسیؓ بھی پیغمبراسلامﷺ کی جملہ صفات سے آگاہ تھے اور ان کو یہ تمام صفات عیسائی راہبوں سے معلوم ہوئی تھی۔ مورّخین بیان کرتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ کا تعلق فارس سے تھا۔ان کے اسلام لانے کی داستان گرجا سے شروع ہوتی ہے۔مختلف راہبوں کے پاس خدمات انجام دینے کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ روم کے شہر عموریہ پہنچ گئے۔حسب ِسابق ایک عیسائی راہب کے ہاں دین کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔جب راہب کا وقت ِآخر پہنچا تو حضرت سلمان نے پوچھا کہ میرے لئے کیا حکم ہے؟ اب میں کہا جاؤں؟اس راہب نے کہا:

"اے فرزند ایک نبی کا ظہور قریب ہے۔ وہ دین ابراہیمؑ کے ساتھ مبعوث ہونگے۔عرب سے ان کا خروج ہوگا اور ایک ایسے شہر کی طرف ہجرت کریں گے جو دو گرم میدانوں کے درمیان میں ہوگا۔ظاہری علامات رکھتے ہوں گے۔ ہدیہ قبول کریں گے لیکن صدقہ سے اجتناب برتیں گے۔ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔" (37)

پیغمبر اسلامﷺ کی بعثت سے قبل زید بن عمرو واحد شخص تھے جو دین ِحنیف کی تلاش میں نکلے۔زید دین یہود و نصاریٰ کو خوب جانچ کر سمجھ چکے تھے کہ یہ دونوں وہ ادیان نہیں جس کے وہ متلاشی ہیں۔عرب کے جزیروں کی جانب ہوتے ہوئے شام پہنچے۔جس جگہ کسی عالم اور راہب کے ہونے کی اطلاع ملتی اس کے پاس جاتے یہاں تک کہ بلقاء میں ایک راہب کی خبر ملی کہ نصرانیت کا مکمل علم اس کو حاصل ہے اور سب سے بڑا عالم ہے۔وہ اس کے پاس گئے اور دین حنیف کے بارے میں دریافت کیا۔اس نے کہا اس وقت تو بظاہر کوئی ایسا نہیں ہے جس کو اس دین کا صحیح علم ہو کیونکہ وہ دین بہت پرانا ہے، لیکن عنقریب اسی شہر میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا جہاں سے تم آرہے ہو۔وہ دین حنیف پر ہوگا۔یہی زید بن عمرو کہا کرتا تھے کہ میں اولادِ اسماعیلؑ میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کا منتظر ہوں اور اس کا تعلق بنی عبدالمطلب سے ہوگا۔اس کا نام احمدﷺ ہوگا۔مکہ میں پیدا ہوگا اور اسی شہر میں مبعوث ہوگا۔بعدازاں اس کی قوم اسے نکال باہر کرے گی۔یثرب میں وہ اپنا کام بنالے گا۔(38)

عیسائی مذہب کے دو بڑے راوی (صحافی) بحیرہ اور نسطورا تاریخ میں مشہور ہیں۔ان دونوں علماء نے پیغمبر اسلامﷺ سے براہِ راست ملاقات کی۔آپﷺ کی حرکات و سکنات یہاں تک کہ آپﷺ کی جسمانی علامات کا بھی بغور مشاہدہ کیا۔ بحیرہ راہب نے پیغمبر اسلامﷺ سے روز مرہ اُمور کے علاوہ بہت سارے سوالات کئے اور آخر میں حضرت ابوطالبؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

”ارجع بابن أخيك الى بلده واحذر عليه اليهود فوالله لئن رأوه وعرفوا منه ما عرفت ليبغينه شرا فانه كائن لابن أخيك هذا شأن فاسرع به الى بلاده“ (39)

” اپنے بھائی کے صاحبزادے کو واپس لے جاؤ اور یہودیوں سے ان کی حفاظت رکھو تاکہ وہ کوئی برائی ان کے ساتھ نہ کرسکیں۔ کیونکہ اگر وہ بھی اسی طرح ان کو پہچان لیں گے جیسے کہ میں نے پہچان لیا تو ان کی عداوت پر مستعد ہوجائیں گے اس لئے کہ تمہارے اس بھتیجے کا ظہور ہونے والا ہے۔“

ترمذی نے بھی اس پورے واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے، البتہ انہوں نے راہب (بحیرہ) کا نام نہیں لکھا۔انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سفر میں قریش کے شیوخ بھی پیغمبر اسلامﷺ کے ہمراہ تھے۔ جیسے ہی قریش کا یہ قافلہ راہب (بحیرہ) کے صومعہ کے نزدیک پہنچا ،وہ راہب ان کے درمیان گھس گیا اور پیغمبر اسلامﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا:

هَذَا سَيِّدُ العَالَمِين، هَذَا رَسُولُ رَبِّ العَالَمِين، يَبعَثُهُ اللهُ رَحمَةً لِلعَالَمِين (40)

”یہ تمام جہانوں کے سردار ہیں، یہ تمام جہانوں کے رسول ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کیلئے رحمت بناکر بھیجیں گے۔“

سیرت حلبیہ میں ہے کہ بحیرہ راہب سے ملاقات سے قبل بھی پیغمبر اسلامﷺ اور حضرت ابوطالبؑ کی ملاقات دو راہبوں سے ہوئی تھی۔ دونوں راہبوں نے مشترکہ طورپر کہا تھا کہ یہ بچہ (پیغمبر اسلامﷺ) نبی ہیں۔اس کی علامتیں گذشتہ کتابوں میں درج کی جاچکی ہیں۔ یہودیوں سے اس لڑکے کی حفاظت کرنا۔(41) معروف مورخ مسعودی نسطورا راہب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وکان من حضور النبی و مشاهدته الفِجَارَ الرابع الی ان خرج الی الشام فی تجارة خدیجة، و نظر نسطور الراهب الیه وهو فی صومعته، والنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع مَیْسَرَة، وقد اظلته غمامة، فقال: هذا نبی، و هذا آخر الانبیاء ، اربع سنین، وتسعة أشهر، وستة أیام، والی أن تزوج خدیجة بنت خُویلد شهران ،وأربعة وعشرون یوماً، والی أن شهد بنیان الکعبة ، وحضر منازعة قریش فی وضع الحجر الاسود عشر سنین“ (42)

”جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہؑ کا سامانِ تجارت شام لے کر گئے راستے میں نسطورہ راہب نے میسرہ سے کہا تھا: ”یہ خدائے تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت چارسال نومہینے اور چھ دن کے بعد ہوگی۔ لیکن خدیجہ بنت خویلد سے دومہینے چوبیس دن کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شادی ہوجائے گی۔ کعبے کی تعمیرِ جدید کو اس وقت دس سال گزرچکے ہونگے جسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بچشم خوددیکھیں گے اور خانہ کعبہ میں حجر اسود کی جگہ کا تعین کرنے اور اسے اٹھاکر رکھنے کے بارے میں قریشی قبائل میں جو تنازعہ ہوگا اسے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب کے حسب ِمنشا نمٹادیں گے۔“

پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے قبل ہی نبوت کیلئے زمین ہموار ہوچکی تھی۔ شعراء، خطیب، یہودی علماء اور عیسائی راہب اس خبر کی مسلسل تشہیر کرتے ہی تھے جبکہ کاہن حضرات بھی موقع محل کی مناسبت سے ابلاغی عمل کا فریضہ انجام دیتے تھے۔اس سلسلے میں نہ صرف اندرون بلکہ بیرون مکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کے بارے میں خبریں گردشِ عام تھیں۔ جیسے ربیعہ بن نضر یمن کے بادشاہ کے سامنے مشہور کاہن سطیح اور شق نے خواب کی تعبیر کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں بتایا تھا (خدا کی قسم) عنقریب ایک نبی پاک ظہور فرمائے گاجس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہوگی، اہل حبشہ اور یمن سمیت کئی علاقوں پر ان کی حکومت ہوگی۔(43)

سطیح کاہن جس کی عمر سات سو سال تھی، پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن ہی دنیا سے چل بسا۔عجیب وغریب واقعات کے رونماء ہونے پر شاہ کسریٰ نے ایک قاصد بھیجا تھا تاکہ معلوم

کیاجاسکے کہ ان عجیب و غریب واقعات کا سبب کیا ہے۔ سطیح کاہن کے الفاظ ہیں: اگر تلاوت یعنی قرآن پاک کی تلاوت بڑھ گئی اور عصا یعنی چھڑی لے کر چلنے والا (پیغمبر اسلام ﷺ) ظاہر ہوگیا اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا اور فارس کی آگ بجھ گئی تو جفاکش اونٹوں کے مقابلے میں گھوڑوں کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور نہ سطیح کیلئے ملک شام، شام رہے گا۔انہی میں سے (یعنی فارسیوں میں سے) اپنے اپنے مرتبے کے اعتبار سے کچھ بادشاہ اور ملکہ ہوں گے مگر جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" (44)

شام کے قبیلے بنی سعدابن ہذیم کی کاہنہ عورت، سطیح کاہن، شق کاہن، بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب، خطر ابن مالک کاہن، قبیلہ بنی تمیم کی خاتون کاہن سجاح، قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت جس کا نام بھی سجاح تھا علم کہانت رکھتی تھی۔ قریش کی وہ کاہنہ عورت جس نے حضرت عبدالمطلب کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی تھی اور کہا تھا کہ تمہاری صلب (نطفے) سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو مشرق اور مغرب کا مالک بن جائے گا اور لوگ اس کے راستے یعنی دین پر چلیں گے۔ (45)

قبیلہ بنی تمیم کی ایک کاہنہ جس کا ذکر تاریخ میں موجود ہے، اس نے سفیان ابن مجاشع سے کہا تھا: ایک نبی آنے والا ہے جس کے ظاہر ہونے کا وقت آچکا ہے اور جس کی پیدائش قریب ہے جو سیاہ اور سرخ سب انسانوں کے لئے آئے گا اور جس کا نام محمد(ﷺ) ہوگا۔ (46)

عام طورپر کاہن حضرات خبری علوم شیاطین اور جنات سے حاصل کرتے تھے۔ جس رات کو پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت ہوئی اسی رات شیاطین اور جنوں کو آسمان سے جانے سے روک دیاگیا۔ بعدازاں یہی جن اور شیاطین واپس زمین پر آکر اپنے موکلوں (کاہنوں) کو بتانے لگے کہ زمین پر آج غیر معمولی واقعہ رونما ہوگیا ہے۔ اس دن سے کہانت جو کہ ابلاغی مناہج کا ایک نہج تھا ختم ہوگیا۔

بطور خلاصہ پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کی تشہیری مہم میں رائج الوقت فن ابلاغیات کی ہر صنف استعمال ہوئی۔ حسب منشا و حسب ضرورت لوگوں نے آپ ﷺ کی آمد و بعثت کا تذکرہ کیا اور

باقاعدہ اعلانِ رسالت سے قبل ایک یقینی ماحول پیدا ہوا جو بعدازاں اسلام کی تبلیغ و تشہیر میں معاون و ممد ثابت ہوا۔

*****

حوالہ جات

1۔ندوی، سیدابوالحسن علی،انسانی دنیاپر مسلمانوں کے عروج وزوال کااثر، مجلس نشریات اسلامی، پاکستان، ۱۹۹۲ء، ص:۵۷

2۔البلاذری،احمد بن یحیٰی بن جابر بن داؤد البلاذری،فتوح البلدان،دارالکتب علمیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء ، ص:۸۵۷

3۔الجاحظ،ابی عثمان عمرو بن بحر،کتاب الحیوان، ج۱،شرکۃ مکتبۃ، مصر،۱۹۶۵ء،ص:۱۶۸

4۔پیشوائی، مہدی، تاریخ اسلام، مجمع جہانی اہل بیت، ۲۰۰۷ء،ایران،ص:۶۶

5۔وِل ڈیورانٹ، اسلامی تہذیب کی داستان،(مترجم: یاسر جواد)، نگارشات پبلشرز، لاہور،۲۰۰۵ء،ص:۱۵

6۔الالوسی،سید محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، ج۲،عنی بشرحہ و تصحیحہ و ضبط محمد بہجۃ الاثری، الطبعۃ الثانیۃ، س ن، ص:۲۷۰-۲۶۴

7۔ابن شہرآشوب،ابی جعفر محمد بن علی،مناقب آل ابی طالب،دارُالاضواء،بیروت،۱۹۹۱ء،ص:۳۹

8۔مجلسی ،ملامحمد باقر، حیات القلوب، ج۲،(مترجم: مولوی سید بشارت حسین)، امامیہ کتب خانہ، لاہور، س ن، ص:۹۹

9۔الحلبی، علی بن برھان الدین ،سیرت حلبیہ،ج۱،دارالمعرفہ، بیروت،۱۴۰۰ھ،ص:۷۵

10۔ایضاً،ص:۷۷

11۔ابن شہرآشوب،ابی جعفر محمد بن علی، محولہ بالا ، ص:۴۷

مجلسی،ملامحمد باقر، حیات القلوب، محولہ بالا، ص:۱۰۹

12۔ابن شہرآشوب، مناقب آل ابی طالب،المکتبۃ الحیدریۃ، النجف الاشرف ،۱۹۵۶ء، ص:۲۲

13۔المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی،مروج الذہب و معادن الجوہر، ج۱،المکتبۃ العصریۃ، بیروت۱۴۲۵ھ، بمطابق ۲۰۰۵ء، ، ص:۶۰

14۔نیشاپوری، محمد بن عبداللہ حاکم، مستدرک حاکم، ج۲،دارالکتب العلمیہ، بیروت،س ن، ص:۶۲۳

15 ۔العسقلانی،شہاب الدین ابن حجر،فتح الباری، جلد۷،دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت ، ص:۱۴۸، ۱۵۰

الحلی، علی بن موسی ابن طاؤوس ،الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف، ص:۳۰

16۔ابن ہشام، لابی محمد عبدالمالک بن ہشام، سیرۃ النبی(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)،ج۱،دارُالصحابہ للتراث بطنطا،۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۶ء،ص: ۱۲۳

17۔الحلبی، علی بن برھان الدین ، محولہ بالا،ص:۴۳۰
18۔المسعودی،ابی الحسن بن علی،مُروُجُ الذہب و معادن الجواہر،ج۲،المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۲۰۰۵ء، ص:۵۵
19۔الحلی، علی بن موسیٰ ابن طاؤوس، محولہ بالا، ص: ۳۰۳
20۔فتونی،ابوالحسن شریف،ضیاء العالمین،ج۲،ص:۵۰
21۔نعمانی، علامہ شبلی ، سیرت النبیؐ، آرزیڈ پیکیجز،لاہور، ۱۴۰۸ھ ،ص:۱۲۵
22۔ابن خلدون،عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد، دیوان المبتدأوالخبر فی تاریخ العرب والبربرو من عاصرھم من ذوی الشأن الأکبر،ج۱، دارُالفکر، بیروت، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۳
23۔الحلبی، علی بن برھان الدین ، محولہ بالا،ص:۵۹۲
24۔ابن شہرآشوب،ابی جعفر محمد بن علی ، محولہ بالا، ص:۱۶
25۔علامہ محمد باقر مجلسی،حیاۃ القلوب، ج۳، مرکز تحقیقات رایانہ قائمیہ اصفہان، س ن، ص:۵۶۴
26۔محدث دہلوی، شیخ عبدالحق ،مدارج النبوت،ج۱،شبیر برادرز،لاہور، ۲۰۰۴ء،ص:۱۳۶
27۔وِل ڈیورانٹ، محولہ بالا، ص:۱۵
28 ۔ محمد بن یعقوب الکلینی،اصول الکافی،ج۱،کتاب الحجۃ، باب: مولد النبی و وفاتہ،دارالمرتضیٰ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، بمطابق ۲۰۰۵ء، ص:۳۳۷
29۔ایضاً
30۔المسعودی،ابی الحسن بن علی، محولہ بالا، ص:۵۴
31۔محدث دہلوی، شیخ عبدالحق ، محولہ بالا،ص:۱۳۶
32۔الحلبی، علی بن برھان الدین ، محولہ بالا،ص:۵۸۵
33۔ابوالحسن عزالدین ابن اثیر،اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ،ج۱،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، ۱۹۹۴ء،ص:۳۵۵
34۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی،مدارج النبوت،ج۱،شبیر برادرز،لاہور، ۲۰۰۴ء،ص:۱۴۰
35۔علی بن برھان الدین الحلبی ،سیرت حلبیہ،ج۱،دارالمعرفہ، بیروت،۱۴۰۰ھ،ص:۵۹۸
36۔السھیلی،عبدالرحمٰن،الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام،دارالکتب الاسلامیہ قاہرہ، ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۶۸ء، ص:۲۱۸
37۔سیرۃ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، ج۲، معھد الدراسات والابحاث للتعریف،س ن، ص:۵۵
38۔ابن شہرآشوب،مناقب آل أبی طالب،المکتبۃ الحیدریۃ، النجف الاشرف، ۱۹۵۶ء ، ص:۱۶
◄ طبری، تاریخ طبری، ج۲،دارابن کثیر،بیروت،۲۰۰۷ء،ص:۲۹۰ تا۲۹۶

39۔ محمد بن اسحاق بن یسار، محولہ بالا، ص:۵۵
◀ ابن أبی الفتح الاربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمۃ،ج۱،دارالأضواء، بیروت، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۳
40۔ترمذی،امام محمد بن عیسیٰ ، جامع ترمذی،ج۲،دارُالاشاعت، کراچی،۲۰۰۷ء ،ص:۵۲۱
41۔ علی بن برھان الدین الحلبی ،سیرت حلبیہ،ج۱،دارالمعرفہ، بیروت،۱۴۰۰ھ،ص:۲۶۵
42۔ابی الحسن بن علی المسعودی،مُرُوجُ الذہب و معادن الجواہر،ج۲،المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۲۰۰۵ء، ص:۲۱۶
43۔ابن ہشام،عبدالمالک ،السیرۃ النبویۃ ،ج۱،شرکۃ مکتبۃ ،مصر،۱۹۵۵ء،ص:۲۰ تا ۳۲
44۔الحلبی، علی بن برھان الدین ، محولہ بالا،ص:۲۴۳
45۔ایضاً،ص:۲۴۱،۲۴۲،۲۶۰
46۔ایضاً،ص:۲۶۵

نبی کریم ﷺ کے آداب واخلاق
(نہج البلاغہ کی روشنی میں)

روشن علی*
roshanali007@yahoo.com

کلیدی کلمات: بعثت، سیرت، اخلاق، زہد و تقوی، ہدایت، گمراہی۔

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبیؐ کو انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے آئے اور انہیں اخلاق سکھایا اس طرح ایک برا معاشرہ اچھا معاشرہ بن گیا۔ بد اخلاق معاشرہ بااخلاق بن گیا۔ ایک دوسرے کی جانیں لینے والے ایک دوسرے پر قربان ہونے ہوگے لگے۔ یہ تبدیلی آپ ﷺ نے اپنے اخلاق سے کی جس کی نشاندہی قرآن مجید نے کی ہے کہ اے نبی آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام جنہوں نے اپنی آنکھ نبی کریم ﷺ کی گود میں کھولی تھی اور بچپن سے جوانی تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی اور آپ ﷺ کے اخلاق کو دیکھا اور سیکھا اسی طرح ان کو بیان بھی کیا۔ پس اس مقالہ میں حضرت علی علیہ السلام کے کلام نہج البلاغہ سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق وآداب کو بیان کیا جائے گا اور اسی طرح قرآن وحدیث سے بھی دلائل پیش کئے جائیں گے۔

*۔اسسٹنٹ پروفیسر اسلام آباد، ماڈل کالج برائے طلباء F-10/3، اسلام آباد

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیااوراس میں اپنی روح پھونک دی۔ پھراسے مسجود ملائکہ قرار دیا۔ اس کے بعد اسے اپنا نائب بنایا اور اسے وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اللہ نے انسان کو علم و شریعت عطا کیا تاکہ وہ گمراہی سے محفوظ رہے اور اللہ وحدہ لاشریک کی اطاعت و بندگی سے دور نہ ہو جائے۔ جیسے جیسے انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ان میں اختلافات اور خرافات کا بھی اضافہ ہوتا گیا جس کی وجہ سے لوگوں میں کئی قسم کی اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ اللہ نے ان کے اختلاف کو مٹانے، ان کو یکجا کرنے اور ان سے اخلاقی و روحانی برائیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اپنی طرف سے انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیجا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا یہ سلسلہ چلتا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آخری نبی بنایا۔

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی کتاب و شریعت عطا کی جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد دین اسلام کی آمد تھی۔ جس سے صفحہ ہستی پر حقیقی اور خدائی تہذیب وتمدن وجود میں آ گئی۔ انسانوں کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی گئی، جس نے آپس میں محبت ومروت کے جذبوں کی نشو ونما کی اور ان کو پروان چڑھایا، خانہ خدا شرک و بت پرستی کی آلودگیوں سے صاف ہوا اور ہر طرف توحید کے نغموں کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ کھوئی ہوئی انسانیت کو دوبارہ زندگی ملی۔ بُرے اخلاق، اچھے اخلاق میں بدل گئے۔ ایک دوسرے کی جان لینے والے اب ایثار و قربانی کے جزبہ سے سرشار ہو گئے، کیونکہ ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجسمہ اخلاق کی حیثیت سے موجود تھے، جو دن رات ان کو مکارم اخلاق سے آراستہ کرتے رہتے تھے۔ پس ہم یوں کہہ دیں کہ یہ تمام کام صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقی کمالات کی وجہ سے ہی ممکن ہوئے تھے، جس کی وضاحت قرآن کریم میں ان الفاظ سے کی گئی ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ (1) یعنی : ”اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھے اخلاق کی تعلیم دی، جس کی تعلیم براہ راست اللہ سے ہو تو اس کے کمال کی کوئی حد نہیں ہوتی یعنی؛ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاق سکھانے کے لیے بچپن سے ایک عظیم فرشتہ کو مقرر فرمادیا تھا، جو روز و شب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاق حسنہ سکھاتا رہتا تھا۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِهِ صلی الله علیه وآله وسلم مِنْ لَدُنْ أَنْ کَانَ فَطِیماً أَعْظَمَ مَلَكٍ مِنْ مَلَائِکَتِهِ یَسْلُكُ بِهِ طَرِیقَ الْمَکَارِمِ وَ مَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ لَیْلَهُ وَ نَهَارَهُ۔ (2)

یعنی: ”اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا، جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا۔“

جیساکہ قرآن کریم کی سورۃ شوریٰ کی آیت ۵۲ :وَکَذٰلِكَ أَوْحَیْنَا إِلَیْكَ رُوحاً مِنْ أَمْرِنَا۔ (3) اوراسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے۔) کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں مروی ہے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ سَعِیدٍ عَنِ النَّضْرِ بْنِ سُوَیْدٍ عَنْ یَحْیَى الْحَلَبِیِّ عَنْ أَبِی الصَّبَّاحِ الْکِنَانِیِّ عَنْ أَبِی بَصِیرٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى وَ کَذٰلِكَ أَوْحَیْنَا إِلَیْكَ رُوحاً مِنْ أَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِی مَا الْکِتَابُ وَ لَا الْإِیمَانُ قَالَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ أَعْظَمُ مِنْ جَبْرَئِیلَ وَ مِیکَائِیلَ کَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ص یُخْبِرُهُ وَ یُسَدِّدُهُ وَ هُوَ مَعَ الْأَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهِ۔ (4)

یعنی: ”امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اس میں روح سے مراد اللہ کی مخلوق میں سے ایک ایسی مخلوق ہے جو جبرائیل و میکائیل علیہم السلام سے عظیم تر ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھی، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دیتے تھے اور روکتے تھے اس کے بعد وہ مخلوق ائمہ اطہارؑ کے ساتھ ہوتی تھی۔“

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵: وَ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ (5) (اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے روح میرے رب کے امر میں سے متعلق (ایک راز) ہے۔) کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے:

حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ ع قَالَ هُوَ مَلَكٌ أَعْظَمُ مِنْ جَبْرَئِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ هُوَ مَعَ الْأَئِمَّةِ۔ (6)

یعنی: "امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ایسے عظیم فرشتہ کو لگادیا تھا جو حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام سے عظیم تھا اور وہی فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ائمہ اطہار علیہم السلام کے ساتھ ہے۔"

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاق سکھانے کے لیے بچپن سے ہی ایک عظیم فرشتہ مقرر کردیا تھا جو روز و شب آپ کو اچھے اخلاق سکھاتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے آپ مجسمہ اخلاق بن گئے اور اس کے ساتھ اپنے پیروکاروں کو بھی ایسا عظیم بنا دیا کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ عمل بن گئے۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كُنْتُ أَتَّبِعُهُ اتِّبَاعَ الْفَصِيلِ أَثَرَ أُمِّهِ يَرْفَعُ لِي فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنْ أَخْلَاقِهِ عَلَماً وَيَأْمُرُنِي بِالِاقْتِدَاءِ بِهِ۔ (7)

یعنی: "اور میں ان کے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔"

پس امیر المومنین علی علیہ السلام ہی وہ ذات گرامی ہے، جو مکمل طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جو اخلاق سکھائے تھے ان پر مکمل کاربند رہے تھے۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت و ضرورت

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی و روحانی تربیت کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم المرتبت فرشتے کے ذریعے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے تمام انسانوں کے لیے نمونہ عمل بن گئے پس دوسرے انسانوں پر لازم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا۔ (8)

یعنی: ”بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔“

پس اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے ہر اس انسان کے لیے جو اللہ کے احکام پر مکمل عمل کرنا چاہتا ہے یعنی انسان کامل بننے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسنت پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ ن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ (9)

یعنی: ”اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے اعمال کی گواہی بھی دیں گے کہ انہوں نے کون سے اچھے اعمال انجام دیئے ہیں اور کون سے برے کام۔ اس کے ساتھ اچھے کام انجام دینے والوں کو خوشخبری دی اور برے کام کرنے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور ان کو دین کی طرف دعوت دی، تاریکی سے نکالا یعنی بد اخلاقی سے بچایا اور با اخلاق بنایا۔ اپنے نور مجسم کے ذریعے انہیں تاریکی سے نکال کر نور ایمان سے منور کر دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اسی کی طرف امام المتقین امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ (ص) كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ۔ (10)

یعنی: "تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول وعمل پیروی کے لیے کافی ہے۔"

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول وفعل کی مکمل پیروی کرنا ضروری ہے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے:

وَ دَلِيلٌ لَكَ عَلَى ذَمِّ الدُّنْيَا وَ عَيْبِهَا وَ كَثْرَةِ مَخَازِيهَا وَ مَسَاوِيهَا۔ إِذْ قُبِضَتْ عَنْهُ أَطْرَافُهَا وَ وُطِّئَتْ لِغَيْرِهِ أَكْنَافُهَا وَ فُطِمَ عَنْ رَضَاعِهَا وَ زُوِيَ عَنْ زَخَارِفِهَا (11)

یعنی: "اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کیلئے رہنما ہے۔ اس لئے کہ اس دنیا کے دامنوں کو ان سے سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کے لئے اس کی وسعتیں مہیا کر دی گئیں اور اس (دنیا کی چھاتیوں سے) آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا اور اس کی آرائشوں سے آپ کا رخ موڑ دیا گیا۔"

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنے کا حکم

امیر المومنین علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر چلنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فَتَأَسَّ بِنَبِيِّكَ الْأَطْيَبِ الْأَطْهَرِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَإِنَّ فِيهِ أُسْوَةً لِمَنْ تَأَسَّى وَعَزَاءً لِمَنْ تَعَزَّى۔ (12)

یعنی: "تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے بہترین نمونہ اور صبر کرنے والوں کے لئے ڈھارس ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی انسان محبوب ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار ہے۔ اس کے متعلق امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَأَحَبُّ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ الْمُتَأَسِّي بِنَبِيِّهِ وَالْمُقْتَصُّ لِأَثَرِهِ۔ (13)

یعنی: "ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

اسی طرح قرآن کریم میں بھی ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ (14)

یعنی: "کہہ دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

پس اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بن جائے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے۔

زہد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امیر المومنین علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

قَضَمَ الدُّنْيَا قَضْماً وَلَمْ يُعِرْهَا طَرْفاً۔ (15)

یعنی: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا اور اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔"

پس آپ ﷺ نے اس دنیا کو صرف زندہ رہنے کے لئے تھوڑا سا چکھا اور اکثر خالی پیٹ رہا کرتے تھے۔ جس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

أَهْضَمُ أَهْلِ الدُّنْيَا كَشْحاً۔ وَ أَخْمَصُهُمْ مِنَ الدُّنْيَا بَطْناً۔ عُرِضَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا فَأَبَىٰ أَنْ يَقْبَلَهَا۔ (16)

یعنی: "آپ ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ شکم تہی میں بسر کرنے والے تھے۔آپ ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ خالی پیٹ رہنے والے تھے۔آپ ﷺ کے سامنے دنیا کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔"

پس معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں سب سے زیادہ زاہد انسان تھے کیونکہ آپ ﷺ نے دنیا کو صرف ضرورت کے مطابق چکھا تھا تاکہ انسان زندہ رہ سکے اس سے زیادہ نہیں۔آپ ﷺ اکثر اوقات خالی پیٹ رہا کرتے تھے یعنی اکثر فاقہ میں رہا کرتے تھے،اگرچہ آپ ﷺ کو دنیا کی پیش کش کی گئی تھی لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول نہیں کیا یہ سب آپ ﷺ نے اللہ کی تواضع کی خاطر کیا۔

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے حکم کی مکمل تعمیل کرتے تھے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھی وہ آپ ﷺ کو بھی ناپسند تھی۔ اسی طرح جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند تھی وہ آپ ﷺ کو بھی پسند تھی۔ حضرت علی علیہ السلام اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَعَلِمَ أَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ أَبْغَضَ شَيْئاً فَأَبْغَضَهُ۔ وَحَقَّرَ شَيْئاً فَحَقَّرَهُ۔ وَصَغَّرَ شَيْئاً فَصَغَّرَهُ۔ (17)

یعنی: "اور (جب) آپ ﷺ نے جان لیا کہ اللہ نے ایک چیز کو برا جانا ہے تو آپ نے بھی اسے برا ہی جانا۔اور اللہ نے ان چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ ﷺ بھی اسے حقیر ہی سمجھا۔اور اللہ نے ایک چیز کو پست قرار دیا ہے تو آپ ﷺ نے بھی اسے پست ہی قرار دیا۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر امیر المومنین علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ حَقَّرَ الدُّنْيَا وَ صَغَّرَهَا وَ أَهْوَنَ بِهَا وَ هَوَّنَهَا وَ عَلِمَ أَنَّ اللهَ زَوَاهَا عَنْهُ اخْتِيَاراً وَ بَسَطَهَا لِغَيْرِهِ احْتِقَاراً فَأَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ وَ أَمَاتَ ذِكْرَهَا عَنْ نَفْسِهِ وَ أَحَبَّ أَنْ تَغِيبَ زِينَتُهَا عَنْ عَيْنِهِ لِكَيْلَا يَتَّخِذَ مِنْهَا رِيَاشاً أَوْ يَرْجُوَ فِيهَا مَقَاماً۔ (18)

یعنی: "انھوں نے اس دنیا کو ذلیل وخوار سمجھا اور پست وحقیر جانا اور جانتے تھے کہ اللہ نے ان کی شان کو بالاتر سمجھتے ہوئے دنیا کا رخ ان سے موڑا ہے، اور گھٹیا سمجھتے ہوئے دوسروں کے لئے اس کا دامن پھیلا دیا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے دل ہٹا لیا اور اس کی یاد اپنے نفس سے مٹا ڈالی اور یہ چاہتے رہے کہ اس کی سج دھج ان کی نظروں سے اوجھل رہے کہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں، اور نہ اس میں قیام کی آس لگائیں۔"

سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی کو بیان کرتے ہوئے امام المتقین امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَانَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ - وَيَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ۔ (19)

یعنی: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے۔"

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ میں بھی موجود ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي الْمَغْرَاءِ عَنْ هَارُونَ بْنِ خَارِجَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَأْكُلُ أَكْلَ الْعَبْدِ وَيَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ وَيَعْلَمُ أَنَّهُ عَبْدٌ۔(20)

یعنی: "ہارون بن خارجہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اور جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد ہیں۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

عَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ النَّضْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شِمْرٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه و آله وسلم يَأْكُلُ أَكْلَ الْعَبْدِ وَ يَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ وَ كَانَ يَأْكُلُ عَلَى الْحَضِيضِ وَ يَنَامُ عَلَى الْحَضِيضِ۔ (21)

یعنی: "حضرت جابرؓ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اور زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور زمین پر سوتے تھے۔"

اسی طرح ایک حدیث میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ۔ (22)

یعنی: "حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھتے تھے، اور زمین پر (بیٹھ) کھانا کھاتے تھے، بکری کا دودھ دوہتے تھے اور مملوک کی دعوت کو قبول کرتے تھے۔"

پھر امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَخْصِفُ بِيَدِهِ نَعْلَهُ۔ وَيَرْقَعُ بِيَدِهِ ثَوْبَهُ۔ (23)

یعنی: "آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔"

اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہے:

اخبرنا الحسين بن احمد بن بسطام، بالابلة، حدثنا حسين بن مهدى، حدثنا عبد الرزاق، اخبرنا معمر، عن الزهرى، عن عروة، قال: قلت لعائشة: يا ام المؤمنين، اى شيء كان يصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان عندك؟ قالت: " ما يفعل احدكم فى مهنة اهله، يخصف نعله، ويخيط ثوبه، ويرقع دلوه"۔ (24)

یعنی: "عروہ کہتے ہیں کہ میں نے اُم المومنین حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب آپ کے پاس (گھر میں) ہوتے تھے تو کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ آپ لوگ اپنے گھر میں کام کرتے ہو۔آپ اپنی نعلین کو ٹانکتے تھے، اپنے کپڑے سیتے تھے اور ڈول کو (بھی خود) سیتے تھے۔"

مزید امام علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ الْعَارِيَ وَيُرْدِفُ خَلْفَهُ۔ (25)

یعنی: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے پالان کے گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھا بھی لیتے تھے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں یوں بیان ہے:

حدثنا ابو بكر اسماعيل بن محمد بن اسماعيل الفقيه بالرى، ثنا ابو بكر محمد بن الفرج الازرق، ثنا هاشم بن القاسم، ثنا شيبان ابو معاوية، عن اشعث بن ابى الشعثاء، عن ابى بردة، عن ابى موسى، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم " يركب الحمار "، ويلبس الصوف، ويعتقل الشاة، وياتى مراعاة الضيف۔ (26)

یعنی: "حضرت ابو موسی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گدھے پر سوار ہوتے تھے اور صوف پہنتے تھے، بکری کا دودھ دہتے تھے، اور مہمان نوازی کرتے تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد کے بارے میں امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَكُونُ السِّتْرُ عَلَى بَابِ بَيْتِهِ فَتَكُونُ فِيهِ التَّصَاوِيرُ فَيَقُولُ يَا فُلَانَةُ لِإِحْدَى أَزْوَاجِهِ غَيِّبِيهِ عَنِّي فَإِنِّي إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا وَزَخَارِفَهَا۔ (27)

یعنی: "گھر کے دروازے پر (ایک دفعہ) ایسا پردہ پڑا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے ایک کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اسے میری نظروں سے ہٹا دو۔ جب میری نظریں اس پر پڑتی ہیں تو مجھے دنیا اور اس کی آرائشیں یاد آجاتی ہیں۔"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں تصاویر والا پردہ تک برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے پردہ کو اپنی آنکھوں سے ہٹانے کا سبب بھی بیان کردیا کہ اس کو دیکھنے کی وجہ دنیا یاد آجاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے منہ موڑ دیا تھا اس لئے دنیا کی زیب و زینت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند تھی۔ اسی طرح امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

فَأَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ - وَ أَمَاتَ ذِكْرَهَا مِنْ نَفْسِهِ - وَ أَحَبَّ أَنْ تَغِيبَ زِينَتُهَا عَنْ عَيْنِهِ لِكَيْلَا يَتَّخِذَ مِنْهَا رِيَاشاً وَ لَا يَعْتَقِدَهَا قَرَاراً وَ لَا يَرْجُوَ فِيهَا مُقَاماً - (28)

یعنی: "پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے دل ہٹالیا تھا۔اور اس کی یاد تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس سے مٹا ڈالی تھی۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے، تاکہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں۔"

اس کے ساتھ امیر المومنین علی علیہ السلام یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:

فَأَخْرَجَهَا مِنَ النَّفْسِ وَ أَشْخَصَهَا عَنِ الْقَلْبِ وَ غَيَّبَهَا عَنِ الْبَصَرِ- وَ كَذَلِكَ مَنْ أَبْغَضَ شَيْئاً أَبْغَضَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ وَ أَنْ يُذْكَرَ عِنْدَهُ - (29)

یعنی: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا تھا اور دل سے اسے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اسے اوجھل رکھا تھا۔یونہی جو شخص کسی شے کو برا سمجھتا ہے تو نہ اسے دیکھنا چاہتا ہے اور نہ اس کا ذکر سننا گوارا کرتا ہے۔"

دوسروں کے لئے نمونہ عمل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی دوسرے تمام انسانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔اگر کوئی انسان دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر نظر کرے اور اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت کے سانچے میں ڈالے۔حضرت علی علیہ السلام اس کے متعلق اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص مَا يَدُلُّكَ عَلَى مَسَاوِئِ الدُّنْيَا وَ عُيُوبِهَا إِذْ جَاعَ فِيهَا مَعَ خَاصَّتِهِ وَ زُوِيَتْ عَنْهُ زَخَارِفُهَا مَعَ عَظِيمِ زُلْفَتِهِ - (30)

یعنی: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے عادات وخصائل) میں ایسی چیزیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے عیوب و قبائح کا پتہ دیں گی۔جبکہ آپ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود انتہائی قرب منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں۔"

اسی ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ بِعَقْلِهِ أَكْرَمَ اللهُ مُحَمَّداً بِذَلِكَ أَمْ أَهَانَهُ فَإِنْ قَالَ أَهَانَهُ فَقَدْ كَذَبَ وَ اللهِ الْعَظِيمِ بِالْإِفْكِ الْعَظِيمِ وَإِنْ قَالَ أَكْرَمَهُ فَلْيَعْلَمْ أَنَّ اللهَ قَدْ أَهَانَ غَيْرَهُ حَيْثُ بَسَطَ الدُّنْيَا لَهُ وَ زَوَاهَا عَنْ أَقْرَبِ النَّاسِ مِنْهُ۔(31)

یعنی: "چاہیے کہ دیکھنے والا عقل کی روشنی میں دیکھے کہ اللہ نے انہیں دنیا نہ دے کر ان کی عزت بڑھائی ہے یا اہانت کی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اہانت کی ہے تو اس نے جھوٹ کہاہے اور بہت بڑا بہتان باندھااور اگر یہ کہے کہ عزت بڑھائی ہے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ نے دوسروں کی بے عزتی ظاہر کی جبکہ انہیں دنیا کی زیادہ سے زیادہ وسعت دے دی اور اس کا رخ اپنے مقرب ترین بندے سے موڑ رکھا۔"

پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ ہلاکت و تباہی سے بچ جائے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے چاہیے ورنہ وہ شخص ہلاک ہو جائے گا۔ جس کے بارے میں امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

تَأَسَّى مُتَأَسٍّ بِنَبِيِّهِ وَ اقْتَصَّ أَثَرَهُ وَوَلَجَ مَوْلِجَهُ وَإِلَّا فَلَا يَأْمَنِ الْهَلَكَةَ ۔(32)

یعنی: "پیروی کرنے والے کو چاہیے کہ ان کی پیروی کرے اور ان کے نشان قدم پر چلے اور انہی کی منزل میں آئے ورنہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے پینے کی کیفیت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کا یہ عالم تھا کہ کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایااور اکثر اوقات بھوکے رہا کرتے تھے اور اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا خَمِيصاً ۔(33) یعنی: "دنیا سے آپ بھوکے نکل کھڑے ہوئے۔" اسی طرح" وَوَرَدَ الْآخِرَةَ سَلِيماً۔"(34) یعنی: "آخرت کی زندگی کی طرف سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے"

مال دنیا کی جمع آوری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال دنیا میں سے کوئی چیز جمع نہیں کی، جو کچھ ہوتا تھا اللہ کی راہ میں خرچ کردیتے تھے۔ اپنے لئے کوئی محل تعمیر نہیں کیا اسی حال میں اس دنیا کو چھوڑا۔ اس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

لَمْ يَضَعْ حَجَراً عَلَى حَجَرٍ حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ وَ أَجَابَ دَاعِيَ رَبِّهِ۔ (35)

یعنی: "آپ نے تعمیر کے لئے کبھی پتھر پر پتھر نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ آخرت کی راہ پر چل دیئے اور اللہ کی طرف بلاوا دینے والے کی آواز پر لبیک کہی۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام

امیر المومنین علی علیہ السلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکمل پیروکار تھے جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

فَمَا أَعْظَمَ مِنَّةَ اللهِ عِنْدَنَا حِينَ أَنْعَمَ عَلَيْنَا بِهِ سَلَفاً نَتَّبِعُهُ وَ قَائِداً نَطَأُ عَقِبَهُ۔ (36)

یعنی: "یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایک پیشرو و پیشوا جیسی نعمت عظمیٰ بخشی کہ جن کی ہم پیروی کرتے ہیں اور قدم بہ قدم چلتے ہیں (انہی کی پیروی میں)۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے ایک عظیم نعمت و احسان ہے، جو اس امت پر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ جس کا قرآن کریم نے اس طرح ذکر کیا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (37)

یعنی: "ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

پس امیر المومنین علی علیہ السلام کی ذات گرامی مکمل طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت پر عمل پیرا تھی، جس کے متعلق آپ علیہ السلام ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَ اللهِ لَقَدْ رَقَّعْتُ مِدْرَعَتِي هَذِهِ حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَاقِعِهَا وَ لَقَدْ قَالَ لِي قَائِلٌ أَلَا تَنْبِذُهَا عَنْكَ فَقُلْتُ اغْرُبْ عَنِّي فَعِنْدَ الصَّبَاحِ يَحْمَدُ الْقَوْمُ السُّرَى۔ (38)

یعنی: "خدا کی قسم میں نے اپنی اس قمیض میں اتنے پیوند لگائے ہیں کہ مجھے پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی ہے۔ مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا آپ اسے اتاریں گے نہیں؟ تو میں نے

سے کہا کہ میری (نظروں سے) دور ہو کہ صبح کے وقت ہی لوگوں کو رات کے چلنے کی قدر ہوتی ہے اور وہ اس طرح کی مدح کرتے ہیں۔"

انسانوں کی ہدایت کی فکر

نبی کریمؐ کو ہر وقت انسانوں کی ہدایت کی فکر لگی رہتی تھی۔ آپؐ کی اس کیفیت کو امیر المومنین علی علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں:

طَبِيبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهِ قَدْ أَحْكَمَ مَرَاهِمَهُ وَ أَحْمَى مَوَاسِمَهُ يَضَعُ ذَلِكَ حَيْثُ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ مِنْ قُلُوبٍ عُمْيٍ وَ آذَانٍ صُمٍّ وَ أَلْسِنَةٍ بُكْمٍ مُتَتَبِّعٌ بِدَوَائِهِ مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ وَ مَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ۔ (39)

یعنی: "وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت و طب کو لئے ہوئے چکر لگا رہا ہو۔ اس نے اپنے مرہم ٹھیک ٹھاک کر لئے ہوں اور داغنے کے آلات تپا لئے ہوں۔ وہ اندھے دلوں، بہرے کانوں، گونگی زبانوں (کے علاج معالجہ) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے، ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو، اور دوا لئے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْتَضِيئُوا بِأَضْوَاءِ الْحِكْمَةِ وَ لَمْ يَقْدَحُوا بِزِنَادِ الْعُلُومِ الثَّاقِبَةِ فَهُمْ فِي ذَلِكَ كَالْأَنْعَامِ السَّائِمَةِ وَ الصُّخُورِ الْقَاسِيَةِ۔ (40)

یعنی: "مگر لوگوں نے نہ تو حکمت کی تنویروں سے ضیائے نور کو حاصل کیا، اور نہ علوم درخشاں کے چقماق کو رگڑ کر نورانی شعلے پیدا کئے۔ وہ اس معامہ میں چرنے والے حیوانوں اور سخت پتھروں کے مانند ہیں۔"

اسی طرح قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان خوبیوں کو بیان کرتا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ (41)

یعنی: "بتحقیق تمہارے پاس خود تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لئے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ امت کی ہدایت کی فکر میں اس حد تک پہنچ گئے کہ کہیں آپؐ کی جان کو خطرہ نہ لاحق ہو جائے بالآخر خدا کو کہنا پڑا کہ: "فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔" (42) پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اس رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس کا مقصد یہ کہ آپؐ کو ان جاہلوں اور گمراہوں کی اس قدر فکر تھی کہ آپؐ اپنی جان کی پرواہ تک نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی ارشاد رب العزت ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (43)

یعنی: "ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں گے۔"

خلاصہ یہ کہ نہج البلاغہ میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے کلام سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مکمل طور پر مجسمہ اخلاق تھی اور آپ ﷺ کی اخلاقی و روحانی تربیت کا انتظام خود خالق کائنات نے کیا اور آپ ﷺ نے باقی انسانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کی۔ آپ ﷺ نے اپنی عملی زندگی گذار کر دوسروں کو اخلاق سکھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ خدا کی بارگاہ میں تواضع و عاجزی کی ایسی عملی مثالیں قائم کیں کہ جن کی مثال ہمیں کہیں نہیں ملتی۔

آپ ﷺ اس کائنات کے افضل ترین انسان ہونے کے باوجود غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اور ان کی طرح کھانا کھاتے تھے۔ غلاموں کی دعوت کو قبول کرتے تھے جبکہ اس دور میں غلاموں کی کوئی حیثیت نہیں دی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور اکثر اوقات فاقوں پر گذار دیتے تھے باوجود اس کے آپ ﷺ کے پاس دنیا کی کوئی کمی نہیں تھی بلکہ دنیا کی پیشکش بھی کی گئی تھی لیکن آپ ﷺ نے اسے ٹھکرادیا۔ نہ آپ ﷺ نے کوئی مال دنیا جمع کیا اور نہ ہی زندگی کی آسائش کے لئے کوئی محل تعمیر کیا۔

جب آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو اس وقت بھی آپ ﷺ خالی پیٹ ہی تھے اس طرح آپ ﷺ اپنے خالق و مالک سے جا ملے۔ پس تمام انسانوں پر فرض ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سیرت و سنت پر عمل کریں اور لوگوں کی ہدایت و راہنمائی اس طرح کریں جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کو اس طرح لوگوں کی ہدایت کی فکر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو روکا کہ اتنی فکر نہ کریں کہ آپ ﷺ کی جان کو خطرہ لاحق ہو جائے۔

*****

حوالہ جات

1۔ القلم، آیت: ۴

2۔ مفتی جعفر حسین، مترجم نہج البلاغہ، طبع سوم: دسمبر ۲۰۱۳، ناشر: معراج کمپنی اردو بازار لاہور پاکستان، خطبہ ۱۹۰ یہ خطبہ قاصعہ کے نام سے مشہور ہے، صفحہ ۴۱۹

3۔ شوریٰ، آیت ۵۲

4۔ صفار، محمد بن حسن (المتوفی: ۲۹۰ھ)، "بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد صلی اللہ علیہم"، ناشر: مکتبہ آیۃ اللہ المرعشی النجفی، قم۔ایران، سال طبع: ۱۴۰۴ھ ق، جلد ۱، صفحہ ۴۵۶

5۔ بنی اسرائیل، آیت ۸۵

6۔ قمی علی ابن ابراہیم (المتوفی: ۳ھ ق)، "تفسیر قمی"، ناشر: دار الکتاب۔ قم۔ایران، سال طبع: ۱۴۰۴ھ ق، جلد ۲، صفحہ ۲۶

7۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۰، صفحہ ۴۱۹

8۔ الاحزاب، آیت: ۲۱

9۔ الاحزاب: آیت ۴۵۔۴۶

10۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۰

11۔ خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۰

12۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۱

13۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۱

14۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۱

15۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۱

16۔ ایضا، صفحہ ۳۳۱

17۔ ایضا، صفحہ ۳۳۱

18۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۷، صفحہ ۲۴۹

19۔ ایضا، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۲

20۔ الکلینی محمد یعقوب (المتوفی: ۳۲۹ھ)، الکافی''، ناشر: دارالکتب الاسلامیہ، تہران، ایران، سال طبع: ۱۴۰۷ھ، جلد ۶۔ صفحہ ۲۷۱
21۔ برقی احمد بن محمد بن خالاد (المتوفی: ۲۷۴ یا ۲۸۰ھ)، ''المحاسن''، ناشر: دارالکتب الاسلامیہ، قم ایران، سال طبع: ۱۳۷۱ھ جلد ۲، صفحہ ۴۵۷
22۔ طبرسی، حسن بن فضل (المتوفی: ۶ صدی ھ)، ''مکارم الاخلاق''، ناشر: الشریف الرضی، قم ایران، سال طبع ۱۴۱۲ھ، صفحہ ۱۶
23۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۲
24۔ ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی (المتوفی: ۳۵۴ھ)، "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان"، ناشر: دار لفکر بیروت لبنان، طبع الاولیٰ ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۶م۔ کتاب الحظر والاباحۃ، باب التواضع والکبر والعجب، ذکر خبر ثان یصرح بصحۃ ما ذکرناہ، حدیث: ۵۷۵۴
25۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۲
26۔ الامام الحاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم الضبی الطہمانی النیسابوری (المتوفی: ۴۰۵ھ)، "المستدرک علی الصحیحین"، تحقیق و تقدیم: ڈاکٹر محمد، ناشر: دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع،، طبع اول ۲۰۰۲م، کتاب الایمان، واما حدیث سمرۃ بن جندب، حدیث: ۲۰۳
27۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۲
28۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۲
29۔ ایضا، صفحہ ۳۳۲
30۔ ایضا، صفحہ ۳۳۲
31۔ ایضا، صفحہ ۳۳۲۔۳۳۳
32۔ ایضا، صفحہ ۳۳۳
33۔ ایضا، صفحہ ۳۳۳
34۔ ایضا، صفحہ ۳۳۳
35۔ ایضا، صفحہ ۳۳۳
36۔ ایضا، صفحہ ۳۳۳
37۔ آل عمران: ۱۶۴
38۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، صفحہ ۳۳۳
39۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۶، صفحہ ۲۴۲
40۔ نہج البلاغہ، خطبہ، صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳
41۔ توبہ، آیت: ۱۲۸
42۔ کہف، آیت: ۶
43۔ شعراء، آیت ۳

رسول اکرم ﷺ پر صلوات

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا حَمَلَ وَحْیَکَ وَبَلَّغَ رِسالاتِکَ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَحَلَّ حَلالَکَ وَحَرَّمَ حَرَامَکَ وَعَلَّمَ کِتابَکَ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَقامَ الصَّلاۃَ وَ آتَی الزَّکَاۃَ وَدَعا اِلٰی دِیْنِکَ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَدَّقَ بِوَعْدِکَ وَاَشْفَقَ مِنْ وَعِیدِکَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا غَفَرْتَ بِہِ الذُّنُوبَ وَسَتَرْتَ بِہِ الْعُیُوبَ وَفَرَّجْتَ بِہِ الْکُرُوبَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا دَفَعْتَ بِہِ الشَّقاءَ وَکَشَفْتَ بِہِ الْغَمّاءَ وَاَجَبْتَ بِہِ الدُّعاءَ وَنَجَّیْتَ بِہِ مِنَ الْبَلاءِ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا رَحِمْتَ بِہِ الْعِبادَ وَاَحْیَیْتَ بِہِ الْبِلادَ وَقَصَمْتَ بِہِ الْجَبابِرَۃَ وَاَھْلَکْتَ بِہِ الْفَرَاعِنَۃَ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَضْعَفْتَ بِہِ الْاَمْوالَ وَاَحْرَزْتَ بِہِ مِنَ الْاَھْوالِ وَکَسَرْتَ بِہِ الْاَصْنامَ وَرَحِمْتَ بِہِ الْاَنامَ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا بَعَثْتَہُ بِخَیْرِ الْاَدْیانِ وَعَزَّزْتَ بِہِ الْاِیمانَ وَتَبَّرْتَ بِہِ الْاَوْثانَ وَعَظَّمْتَ بِہِ الْبَیْتَ الْحَرامَ ،وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَھْلِ بَیْتِہِ الطَّاھِرِینَ الْاَخْیارِ وَسَلِّمْ تَسْلِیماً۔

اے معبود! حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج کہ انہوں نے تیری وحی کو سنبھالا اور تیرے پیغام پہنچائے، حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج کہ انہوں نے تیرے حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتایا اور تیری کتاب کی تعلیم دی، خدایا محمد ﷺ پر درود بھیج کہ انہوں نے نماز قائم کی اور زکوۃ دیتے رہے اور تیرے دین کی طرف دعوت دی، حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج کہ اُنہوں نے تیرے وعدے کی تصدیق کی اور تیری دھمکی سے لوگوں کو ڈرایا، خدایا محمد ﷺ پر درود بھیج کہ جن کے ذریعے تو نے لوگوں کے گناہ معاف کیے ان کے عیبوں کو چھپایا اور ان کے ذریعے لوگوں کی مشکلات دور کیں، خدایا محمد ﷺ پر درود بھیج کہ تو نے ان کے ذریعے بد بختی دور کی، ان کے ذریعے رنج دور کیے، ان کے ذریعے دعائیں قبول کیں اور ان کے وسیلے مصیبتوں سے نجات دی، خدایا محمد ﷺ پر درود بھیج کہ تو نے ان کے ذریعے بندوں پر رحم کیا اور شہروں کو آباد کیا اور ان کے ذریعے سرکشوں کی کمر توڑی اور ان کے ذریعے مغرور بادشاہوں کو قتل کیا، خدایا محمد ﷺ پر درود نازل فرما تو نے ان کے ذریعے اموال زیادہ کیے ان کے ذریعے خوف وہراس سے محفوظ کیا ان کے ہاتھوں بتوں کو توڑا ان کے وسیلے سے لوگوں پر رحم فرمایا، خدایا محمد ﷺ پر درود بھیج کہ تو نے ان کو بہترین دین کے ساتھ بھیجا، ان کے ذریعے ایمان کو قوت دی، ان کے ہاتھوں بتوں کو تباہ کیا اور ان کے ذریعے بیت الحرام کو بزرگی دی، خدایا حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور ان کے اہل بیت پر جو پاک اور پسندیدہ ہیں اور سلام بھیج بہت بہت سلام۔

(اقتباس از مفاتیح الجنان)

مختلف جنگوں میں پیغمبر اکرم ﷺ کی عسکری حکمت عملی

ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی*
drjawadhaider@yahoo.com

کلیدی کلمات: پیغمبر اکرم ﷺ، جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق، بصیرت، حکمت عملی، دفاع، لشکر اسلام

خلاصہ

پیغمبر اکرم ﷺ اللہ کے نبی اور صاحب معجزہ ہونے کے باوجود اپنے تمام امور بشمول عسکری مہمات کو معجزے کے ذریعے انجام نہیں دیتے تھے بلکہ موقعہ محل اور حالات کی درست تشخیص کے ساتھ بروقت صحیح فیصلوں اور بھرپور حکمت عملیوں کے ذریعے عادی طریقے سے انجام دیتے تھے۔ آپؐ کو اپنی نبوت کے مختصر عرصے میں تبلیغی، سیاسی اور عسکری میدانوں میں جو بے مثال کامیابیاں ملیں کہ جن کی مثال اس سے پہلے تاریخ میں نہیں ملتی، یقیناً ان تمام کامیابیوں میں اللہ تعالی کی تائید و نصرت کے ساتھ ساتھ خود آپؐ کی بصیرت اور حکمت عملیوں کا بڑا دخل تھا۔ یہ آپؐ کی عسکری حکمت عملیوں ہی کا نتیجہ تھا کہ جنگوں میں مسلمان لشکر کی تعداد کم ہونے کے باوجود وہ اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کو شکست دے کر ہمیشہ فاتح میدان قرار پاتے تھے۔ آپؐ نے اپنے زمانے میں پیش آنے والی جنگوں میں اپنی عسکری حکمت عملیوں اور تدابیر کے جو جوہر دکھائے ہیں وہ آج کے دور کے مسلمانوں خصوصاً مسلم عسکری رہنماؤں کے لیے قابل تقلید ہے۔ اس مقالے میں آپؐ کے عسکری تدابیر اور حکمت عملیوں کے بعض گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامی، کراچی یونیورسٹی

مقدمہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک اہم حصہ جس کی طرف عام طور پر لوگوں کی توجہ کم ہوتی ہے وہ مختلف جنگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی اور عسکری حکمت عملی ہے اور شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ ہماری ایک عادت سی بن گئی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کو اعجاز اور معجزے کی نگاہ سے ہی دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کہ آپؐ ہر کام کو معجزے کے ذریعے انجام دیتے تھے، بلکہ آپؐ کی بصیرت اور سیاسی و عسکری حکمت عملی کا ان کامیابیوں میں بڑا دخل ہوتا تھا۔ البتہ یہ درست ہے کہ انبیاءؑ معجزے دکھا سکتے تھے اور اللہ کی نصرت اور تائید ہمیشہ ان ہستیوں کو شامل حال رہتی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم ان کی زندگی کے تمام کاموں کو اعجازِ الٰہی سمجھیں۔

اصولی طور پر انبیاء کرامؑ کی زندگی میں معجزہ کی ضرورت فقط بعض استثنائی موارد میں ہی پیش آتی تھی یعنی ایسے موارد میں جہاں حق کو پیش کرنا یا ثابت کرنا معجزہ الٰہی کے بغیر ممکن نہ ہو۔ اس طرزِ تفکر کی وجہ سے ہم اطاعت اور اتباع کے میدان میں ان کی عملی زندگی سے خاطر خواہ استفادہ سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ ہم سوچتے ہیں کہ وہ تو فقط معجزہ الٰہی کی وجہ سے ان خصوصیات اور کمالات کے مالک تھے اور یہ نہیں سوچتے کہ ان میں یہ کمالات اور خصوصیات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ منصب عطا فرمایا ہے اور وہ صاحب معجزہ بنے ہیں۔ مختصر یہ کہ کتاب و سنت سے حاصل ہونے والے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرامؑ اور اولیاء اپنے مقدس اور پاک اہداف کے حصول کی خاطر فقط چند استثنائی موارد میں ہی معجزے دکھانے کے علاوہ باقی زندگی میں عام طور پر عادی طریقوں سے ہی استفادہ کرتے تھے۔

اگر ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ایک انتہائی کامیاب رہنما تھے۔ آپؐ نے اپنی مختصر سی زندگی میں جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے عرب کے معاشرے سے دین حق کی تبلیغ کا آغاز کیا اور مختصر سے عرصے میں اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

دوسری طرف تبلیغ اسلام کے اس مختصر سے عرصے میں آپؐ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ۸۰ سے زیادہ چھوٹی بڑی جنگیں مسلط کی گئیں، لیکن آپؐ کی انتہائی اعلیٰ عسکری حکمت عملی کی وجہ سے آپؐ کو ان جنگوں میں

بڑی بڑی کامیابیاں ملیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مذہبی لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ آپؐ ایک زبردست منجھے ہوئے فوجی سربراہ بھی تھے۔

اب یہاں اس مقالے میں ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض جنگوں کے اندر آپؐ کی عسکری حکمت عملی کا جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ امت مسلمہ کو اس سے رہنمائی حاصل ہو سکے۔

جنگ بدر

اسلام کی عظیم اور نمایاں جنگوں میں سے ایک جنگ بدر ہے۔ جو لوگ اس میں شریک ہوئے بعد میں وہ ایک خصوصی امتیاز حاصل کر گئے۔ ہجرت کے دوسرے سال جمادی الاول کے مہینے میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ قریش کا ایک تجارتی وفد ابوسفیان کی سربراہی میں مکہ سے شام جا رہا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلہ کی تلاش میں ذات العشیرہ نامی جگہ تک ان کا پیچھا کیا اور دوسرے ماہ کی ابتداء تک وہیں رہے لیکن قافلہ ہاتھ نہیں آیا۔

یہاں پر ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ آج کے دور میں بھی کسی بھی جنگ میں دشمن کے اہداف، ان کی مخفی گاہ اور نقل و حرکت وغیرہ کے بارے میں معلومات کا حصول اس جنگ میں کامیابی کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر لشکر اور فوج کا سربراہ دشمن کی طاقت اور ان کے فوجیوں کی اندرونی حالات سے آگاہ نہ ہو تو ممکن ہے کہ پہلے ہی وار میں شکست کا سامنا کرنا پڑے۔

لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحیثیت سربراہ لشکر ہمیشہ یہی حکمت عملی رہی ہے کہ آپؐ سب سے پہلے اپنے دشمن کے بارے میں مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ جیسے ابن ہشام نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ساعدہ کے حلیف بسبس بن عمرو الجہنی اور بنی النجار کے حلیف عدی بن ابی الزغباء کو بدر کی جانب روانہ فرمایا تاکہ وہ دونوں ابوسفیان بن حرب وغیرہ کے متعلق خبر لے آئیں۔ (1) ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا پیچھا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے تھے اور ان کے گھر بار، زمین اور مال و دولت پر جبری اور ناجائز قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کو وہ اموال واپس لوٹانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اسی لیے شرعی طور پر تو یہ جواز تھا ہی کہ قریش کے ظلم و ستم کے شکار مسلمان اپنے حق کے حصول کی خاطر ان کے تجارتی قافلے کا محاصرہ کر لیتے

چونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں قرآن مجید میں اعلان فرما کر مظلوموں کو اپنے دفاع کا پورا پورا حق دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ'' (2)
ابوسفیان نے اپنے ایک بندے کے ذریعے مکہ میں قریش کے سرداروں سے اپنے قافلے کی مدد کے لیے نصرت چاہی۔ سرداران قریش باہمی مشورے کے بعد ایک مسلح لشکر کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ قریش کا قافلہ ابوسفیان کی مدد کے لیے مکہ سے روانہ ہوا ہے تو یہاں آپؐ کو ایک عجیب دوراہے کا سامنا کرنا پڑا کہ کیا ان کے مقابلے کے لیے یہاں رکنا چاہیے یا واپس مدینہ جانا چاہیے اور ممکن ہے کہ مدینہ واپس جانے کی صورت میں دشمن کے حوصلے بلند ہوں اور وہ مرکزِ اسلام پر چڑھائی کر دے اور اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچائے۔ دوسری طرف چونکہ یہ بھی آپؐ کے پیش نظر تھا کہ انصار مدینہ نے بیعت عقبہ میں آپؐ کے ساتھ فقط ایک دفاعی معاہدہ کیا تھا کہ اگر کوئی اسلام یا پیغمبر اکرم ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لیے مدینہ پر حملہ کرے تو وہ ان کا دفاع کریں گے۔ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس مطلب کی تصریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:
عموماً اربابِ سیر و محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ میں جب آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہو گا تو انصار مقابلہ کریں گے۔ یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے۔ (3) اور مسلمانوں کے قافلے میں اکثریت بھی انصار ہی کی تھی اور مہاجرین کم تعداد میں تھے۔ اور پھر مزید یہ کہ مسلمان جنگی تیاری کے ساتھ بھی نہیں آئے تھے اور روحانی اور نفسیاتی طور پر جنگ کے لیے تیار نہیں تھے۔ اب اس نازک موقع پر پیغمبر اکرم ﷺ نے بحثیت سردار لشکر یہ حکمت عملی اختیار فرمائی کہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کے اہم فیصلے میں تمام مسلمانوں کو شریک کیا جائے اس لیے ان سے مشورہ لینا شروع کیا تاکہ جنگ یا عدم جنگ دونوں صورتوں میں تمام مسلمانوں کی حتمی آراء شامل ہوں اور پھر کسی کے سامنے عذر یا مخالفت کا کوئی راستہ باقی نہ رہ جائے۔
اس وقت کئی صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا جو تاریخ میں محفوظ ہے جن میں جناب مقدادؓ بن عمرو نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو جس کام کو مناسب بتائے وہ کیجئے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں واللہ ہم آپ

سے بنی اسرائیل کی طرح جیسا کہ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا تھا نہ کہیں گے کہ: اذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ۔ یعنی: ''آپ اپنے پروردگار کے ساتھ جائیں اور دونوں مل کر جنگ کریں ہم بے شک یہیں بیٹھے رہنے والے ہیں''۔ بلکہ ہم تو یوں کہیں گے کہ آپؐ اور آپ کا پروردگار دونوں چلیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے والے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ ہمیں برک الغماد تک بھی لے چلیں تو ہم اس کی راہ میں صبر سے یہاں تک آپ کا ساتھ دیں گے کہ آپ وہاں پہنچ جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور اس کے سبب سے ان کے لیے دعا فرمائی۔ پھر انصار صحابہ نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ کو جنگ کا مشورہ دیا۔(4) سورہ مائدہ 24 آیت تو مسلمانوں کے نظریات اور مشوروں کے باہمی تبادلے کے بعد آخر میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فیصلہ کرلیا کہ قریش والوں سے جنگ کی جائے۔ آپؐ کی جانب سے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے سے ان کے حوصلے بھی بلند ہو گئے اور انہیں اپنی اہمیت اور وقار کا بھی اندازہ ہو گیا اس لئے انہوں نے اس موقع پر آپؐ کا بھرپور ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

عرب کی رسم کے مطابق جنگ کے آغاز میں تن بہ تن لڑائی ہوتی تھی اور پھر اس کے بعد اجتماعی لڑائی شروع ہوتی تھی۔ جب اجتماعی لڑائی شروع ہوئی اور کفار نے مل کر لشکر اسلام پر حملہ کیا تو پیغمبر اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمان صف بہ صف کھڑے ہوں اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی بجائے تیر اندازی کے ذریعے بڑھتے ہوئے حملوں کو روک لیں۔(5) آپ ﷺ کی اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ مسلمان اپنے مقام پر دفاعی پوزیشن اختیار کیے ہوئے فقط تیر اندازی کرتے رہے، اس لیے دشمنوں کے آگے بڑھتے ہوئے لشکر کی ایک کثیر تعداد ان تیروں کی زد میں آ گئی اور انہیں کافی سارا نقصان اٹھانا پڑا۔

بعد میں جب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ سردار لشکر ہونے کے باوجود خود سب سے آگے بڑھ بڑھ کر دشمنوں پر حملے کرتے رہے، اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوتے اور وہ اپنی پوری طاقت سے جنگ کرتے۔ نتیجتاً جنگ کے اختتام پر دیکھا کہ مسلمانوں کے فقط گیارہ (یا تیرہ) افراد شہید ہوئے اور کفار قریش کے ستر افراد قتل ہوئے اور مزید ستر افراد گرفتار ہوئے۔(6)

مختلف جنگوں میں پیغمبر اکرم ﷺ کے سب سے آگے بڑھ بڑھ کر شجاعت کے ساتھ جنگ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ”کنّا اذا احمرّ الباس اتّقینا برسول اللہ فلم یکن احد منّا اقرب الی العدوّ منه“۔(7) یعنی جب کارزار جنگ میں شدت آ جاتی تو ہم رسول خدا ﷺ کی پناہ میں آ جاتے تھے، اور ہم میں سے کوئی بھی دشمن کے اتنا نزدیک نہ ہوتا جتنا آپؐ قریب ہوتے۔

جنگ بدر میں نہ صرف یہ کہ کفار قریش کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی، بلکہ ان کے پاس جنگی ساز و سامان بھی مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھا، لیکن اس کے باوجود انہیں اس جنگ میں شکست ہوئی اور مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود فاتح میدان قرار پائے۔ تو اس عظیم فتح و کامرانی کا بنیادی سبب اللہ رب العزت کی نصرت اور تائید کے ساتھ ساتھ پیغمبر اکرم ﷺ کی مدبرانہ قیادت اور عسکری حکمت عملی ہی تھی۔ کیونکہ آپؐ نے مسلمانوں کے اندر جہاد اور شہادت کا جو جذبہ اور شوق پیدا فرمایا تھا یہ اسی کا نتیجہ ہی تھا کہ مسلمان نے بلا خوف جاں پوری قوت کے ساتھ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی، اور اسلام کو پورے عرب میں منوایا۔

جنگ احد

جنگ بدر میں قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں انتہائی ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ابو جہل، عتبہ اور شیبہ جیسے بڑے بڑے سرداروں سمیت ستر افراد قتل ہو گئے تھے اور ستر افراد گرفتار بھی ہو گئے تھے، یوں مکہ کے اندر قریش کے تقریباً ہر قبیلے اور خاندان کو اس جنگ سے شدید نقصان پہنچا تھا اور سبھی اس سے متاثر تھے۔ لہٰذا انتقام کی ایک آگ ان کے اندر پنپ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بدر میں شکست کے بعد ابوسفیان اور قریش کے لوگوں نے شام سے آنے والے تجارتی سامان اور وسائل کو استعمال کیے بغیر سنبھال کر رکھا تھا تاکہ اسے مسلمانوں کے خلاف انتقامی جنگ کے موقع پر استعمال میں لایا جاسکے، پھر اسی مقصد کے تحت انہوں نے اس تجارتی سامان کو بیچ کر اس کے پیسوں سے ہتھیار اور جنگی ساز و سامان خریدا تھا اور مسلمانوں سے جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے جنگ کی تیاری شروع کی تھی۔(8)

لہٰذا یہ لوگ بغض اور انتقام کے جذبے کی وجہ سے آگ بگولہ ہو کر مدینہ منورہ میں مسلمانوں پر حملہ کرنے نکلے تھے۔ لہٰذا اس جنگ میں ان کے مقابلے کے لیے بحیثیت سپہ سالار پیغمبر اکرم ﷺ کی کئی اہم

حکمت عملیاں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ مسلمانوں کو جب کفار قریش کے لشکر کے آنے کی خبر ملی تو پیغمبر اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اپنے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا اور اس کے بعد اپنے دفاع کے لیے مدینہ سے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا اور لشکر کے ساتھ نکل پڑے اور احد کے مقام پر دشمن کے مدمقابل پہنچے۔

احد کے نزدیک پہنچ کر آپؐ نے ایک صحابی حباب بن منذر بن جموح کو دشمن کے عزائم اور تعداد کا پتہ لگانے کے لیے خفیہ طور پر بھیجا اور انہیں سختی کے ساتھ تاکید کی کہ جب وہ واپس آئیں تو لوگوں کے سامنے دشمن کی تعداد کم بتائیں زیادہ نہ بتائیں۔(9) اس سے آپؐ کی دو عسکری حکمت عملیاں سامنے آتی ہیں، ایک تو دشمن کی افرادی قوت اور طاقت اور عزائم کا پتہ لگانے کی خاطر جاسوس کو دشمن کی فوج میں بھیجنا تاکہ دشمن کی طاقت کے بارے میں صحیح علم و آگاہی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جاسکے۔

اور دوسری آپؐ کا حباب بن منذر سے یہ فرمانا کہ دشمن کی تعداد لوگوں کے سامنے کم بتانا زیادہ نہ بتانا۔ تاکہ اگر دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو تو اس کو جان کر مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہو جائیں، بحیثیت سپہ سالار میدان جنگ میں یہ بھی آپؐ کی ایک زبردست حکمت عملی تھی جس کے تحت جنگ کے حساس موقع پر آپؐ اپنے لشکر کے حوصلے کمزور ہونے والے ہر کام اور خبر کو لوگوں میں عام ہونے سے روکتے تھے جس سے مسلمان بغیر کسی احساس کمتری کے پوری قوت کے ساتھ دشمن سے مقابلے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

اس کے علاوہ مختلف جنگوں کے موقع پر پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک اور عسکری حکمت عملی یہ ہوتی تھی کہ سب سے پہلے آپؐ اچھی طرح جنگی مقام کا جائزہ لیتے تھے اور ایسی جگہ پہنچنے کی کوشش کرتے کہ جہاں سے بہ آسانی دشمن سے دفاع کر سکے اور دشمن پر کامیابی حاصل کرنے کے امکانات زیادہ سے زیادہ ہوں۔ اسی حکمت عملی کے تحت پیغمبر اکرم ﷺ نے اس جنگ میں احد کے مقام پر احد پہاڑ کی گھاٹی میں اتر کر احد پہاڑ کو اپنے لشکر کی پشت کی جانب کر دیا۔(10)

جگہ کے انتخاب کے سلسلے میں آپؐ کا یہ فیصلہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ پہاڑ کو پشت کی جانب رکھنے سے مسلمانوں کو یہ فائدہ ملتا کہ دشمن کم از کم پیچھے سے حملہ نہیں کر سکتے لہٰذا صرف سامنے کی جانب سے دشمن کے حملے کا امکان رہ جاتا تھا، اس سے سپاہیوں کو صرف اپنے سامنے سے دشمن کے حملات کو روکنا پڑتا، اور یہ کام چاروں جانب سے دشمن کا مقابلہ کرنے کی نسبت نسبتاً آسان تھا۔ لیکن اسی دوران آپ اس بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ احد کی پہاڑی کے درمیان ایک جگہ ایسی ہے جہاں سے نسبتاً آسانی سے

گزرا جا سکتا ہے۔ آپؐ عسکری لحاظ سے اس مقام کی اہمیت کو فوراً سمجھ جاتے ہیں اور اس مقام سے دشمن کے نفوذ کو روکنے کی غرض سے حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ کی سربراہی میں پچاس تیر اندازوں کے دستے کو اسی مقام اور مورچے کی حفاظت پر متعین فرماتے ہیں۔(11) اور انہیں انتہائی سختی سے تاکید فرماتے ہیں کہ وہ کسی بھی حال میں اس مورچے کو نہ چھوڑیں۔ آپ ﷺ نے تیر اندازوں کے دستے کو جو ہدایات دی تھیں وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

سیرت حلبیہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی جانب سے عبد اللہ بن جبیر اور اس کے دستے کو اس مورچے کی حفاظت کے حوالے سے کی جانی والی نصیحتیں کئی انتہائی تاکیدی جملوں اور عبارتوں کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، جیسے آپؐ نے ان سے فرمایا: تم مشرکوں کے گھوڑے سوار دستوں کو تیر اندازی کرکے ہم سے دور ہی رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پشت کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیں۔ اور ہمیں چاہے فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر تم پرندوں کو بھی ہم پر اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا سوائے اس کے کہ میں خود ہی تم کو بھلا بھیجوں۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم اپنے دشمن پر فتح پا گئے ہیں اور ان کو روندتے ہوئے پیش قدمی کر رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا سوائے اس کے کہ میں تمہیں بلواؤں۔

جبکہ ایک اور رویت میں اس طرح ہے کہ: اگر تم ہمیں مال غنیمت جمع کرتے ہوئے بھی دیکھو تب بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے کی کوشش مت کرنا۔ ایک اور رویت کے مطابق آپؐ نے تیر اندازوں کے دستے کو حکم دیا کہ: تم اپنی جگہ ڈٹے رہنا اور وہاں سے مت ہلنا، اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن کو شکست دے کر ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے پڑاؤ میں بھی داخل ہو گئے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھو تو بھی ہماری مدد کو مت آنا اور نہ ہی دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لیے بڑھنے کی کوشش کرنا، بلکہ ان کو تیر اندازی سے ہی روکنا کیونکہ گھوڑے سوار لشکر تیروں ہی کی بوچھاڑ سے روکا جا سکتا ہے۔ جب تک تم اپنی جگہ جمے رہوگے ہم دشمن پر غالب رہیں گے۔ اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔(12)

بحار الانوار میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے عبد اللہ بن جبیر سے فرمایا: اگر ہم ان کو شکست دینے کے بعد بھگا کر مکہ بھی پہنچا دیں تب بھی اس جگہ کو نہ چھوڑیں، اور اگر دیکھو کہ وہ ہم کو شکست دے کر ہمیں مدینہ تک بھگا دیں تب بھی اس مقام کو نہ چھوڑنا۔(13)

پیغمبر اکرم ﷺ کی ان تاکیدات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ دشمن کے نفوذ کے راہوں کے ادراک میں کتنی مہارت رکھتے تھے جن کے سد باب کے لیے آپ وہاں خصوصی عسکری دستے تعینات فرما رہے ہیں۔ آپؐ کی جانب سے وہاں عسکری دستے تعینات کرنے کی حکمت عملی کتنی اہمیت کی حامل تھی اس کا اندازہ اس جنگ کے نتیجے سے ہو جاتا ہے کہ جب ان تیر اندازوں نے آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور دشمنوں کی ابتدائی شکست اور فرار کے بعد مال غنیمت جمع کرنے کے لیے دوڑ پڑے اور مورچے کو خالی چھوڑا تو دشمنوں نے اسی تنگہ سے آ کر بے فکری سے مال غنیمت جمع کرنے والے مسلمانوں پر چڑھائی کر دی اور یوں احد میں جیتی ہوئی مسلمانوں کی جنگ بظاہر شکست میں تبدیل ہو گئی۔

جیسے کہ سیرت حلبیہ میں ہی ہے کہ مسلمانوں نے جب دشمن کو بھاگتے دیکھا تو ان کا پیچھا کر کے ان کے ہتھیار لینے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ اسی وقت مسلمانوں کا وہ تیر انداز دستہ جس کو آنحضرت ﷺ نے پہاڑی پر تعینات کر کے حکم دیا تھا کہ کسی بھی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں، وہاں سے مال غنیمت جمع کرنے کے لئے بھاگا۔ عبد اللہ بن جبیر ان کو روکتے رہے لیکن وہ نہ رکے یوں خالد بن ولید نے عکرمہ بن ابی جہل اور اپنے لشکر کے ساتھ اسی مقام سے آ کر حملہ کر دیا اور عبد اللہ بن جبیر سمیت ان کے چند مزاحمت کرنے والے ساتھی اور دوسرے بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔(14) یوں مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اگر مسلمان جنگی لحاظ سے اہمیت کی حامل تنگہ احد کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی اہم تشخیص کو سمجھ لیتے اور آپؐ کے حکم کے مطابق اسی مورچے کی حفاظت کرتے تو جنگ احد کا نتیجہ مسلمانوں کے خلاف نہ جاتا۔ اور اس جنگ میں بھی مسلمان ہی فاتح میدان رہتے۔

احد میں ستر مسلمانوں کی شہادت اور جدائی سے دل مغموم ہونے کے باوجود ایک اور اہم عسکری اقدام کے ذریعے پیغمبر اکرم ﷺ دشمن کی دوبارہ جارحیت کی کوشش کو ناکام بناتے ہیں۔ جنگ احد میں مسلمانوں کے کافی نقصان کے بعد جب مسلمان واپس مدینہ پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ دشمن دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ تو پیغمبر اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینے سے باہر نکلیں۔ احد میں شریک سارے مسلمان نکل پڑے۔ اس کا مقصد دشمن کو خوفزدہ کرنا تھا تاکہ وہ یہ نہ سوچیں کہ مسلمان کمزور پڑ گئے ہیں۔(15)

یہی وجہ ہے کہ جب قریش والوں کو پتہ چلا کہ پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے دوبارہ میدان میں نکلے ہیں تو وہ اس خوف سے کہ کہیں احد میں بظاہر جیتی ہوئی جنگ شکست میں ہی تبدیل نہ ہو جائیں، مسلمانوں کا سامنا کیے بغیر راستے سے ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ اور یوں آپؐ کی جانب سے دشمن کو خوفزدہ کرکے بھگانے کی پالیسی اور حکمت عملی کامیاب ہو جاتی ہے۔

جنگ احد سے متعلق ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ کو مدینے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ قریش مسلمانوں پر حملہ کرنے کے ارادے سے مکہ سے نکلے ہیں تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تھا تو اس وقت بعض نے مدینہ میں ہی رہ کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا تھا جبکہ بعض صحابہ کرام خصوصاً نوجوان صحابہ نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے مشورے کو پسند فرمایا تھا اور مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دیا تھا تو اس وقت تقریباً ایک ہزار مسلمان مدینے سے نکلے تھے، لیکن مدینہ سے نکلنے کے بعد احد پہنچنے سے پہلے ایک مقام پر عبد اللہ بن ابی نے یہ بہانہ بنا کر کہ آپؐ نے اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا اور دوسروں کے مشورے پر عمل کیا، ایک تہائی لشکر کو لے کر مدینہ واپس چلا گیا۔ (16)

عسکری نقطہ نظر سے یہ ایک انتہائی حساس اور پیچیدہ معاملہ تھا، کیونکہ دشمن کی تعداد ویسے بھی زیادہ تھی اور مسلمان کم تعداد میں تھے، لیکن اس پر مزید یہ کہ اچانک لشکر اسلام سے تین سو سپاہیوں کا لڑنے سے انکار کرتے ہوئے واپس چلے جانے سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کا خدشہ تھا بلکہ اس سے دشمن کا حوصلہ بھی مزید بڑھ جاتا، لیکن اس حساس اور نازک موڑ پر بھی آپؐ کی عسکری حکمت عملی نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور آپؐ ایک بار پھر مشورے کے ذریعے لوگوں کو فیصلے میں شریک کرتے ہیں اور انہیں حوصلہ دے کر دشمن سے مقابلہ پر آمادہ فرماتے ہیں۔ اور یوں مسلمان نہ صرف یہ کہ بلاخوف وخطر دشمن سے جنگ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، بلکہ جنگ کے آغاز میں دشمن پر کاری ضرب لگانے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔

جنگ خندق

جنگ خندق (احزاب) پیغمبر اکرم ﷺ اور اسلام کے خلاف اسلام دشمن قوتوں کی جانب سے سب سے بڑا عسکری اقدام تھا۔ اس جنگ میں قریش مکہ، یہودیوں اور جزیرۃ العرب کے بہت سارے بت پرست

قبائل نے مل کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ اور مسلمانوں کا کام تمام کر دیں۔ اس جنگ کے دوران بھی ہمیں پیغمبر اکرم ﷺ کی انتہائی زبردست عسکری حکمت عملی کا پتہ چلتا ہے۔ جب آپؐ کو خبر ملی کہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے ابوسفیان کی قیادت میں دس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل کفار کا ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے تو آپؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے مختلف مشورے دیئے۔ ان میں سے حضرت سلمان فارسیؓ جو ایران کے فنونِ جنگ سے واقف تھے، انہوں نے کہا کہ فارس کے علاقہ میں جب بھی لوگوں کو کسی خطرناک دشمن کا سامنا ہوتا ہے تو وہ شہر کے ارد گرد ایک گہری خندق کھود دیتے ہیں۔ تو کیا آپؐ بھی خندق کھودنے کو پسند فرمائیں گے؟ مسلمان اس مشورے پر خوش ہو جاتے ہیں اور یوں خندق کھودنے کا فیصلہ ہوتا ہے، پیغمبر اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ بذات خود خندق کی کھدائی کے لیے مناسب مقام دیکھنے کے لیے جاتے ہیں اور پھر خندق کے مقام کا تعین فرمانے کے بعد اسی دن خندق کی کھدائی کا کام شروع کر دیتے ہیں، اور آپؐ بذات خود خندق کی کھدائی میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔(17)

خندق کی کھدائی جیسے کٹھن اور خستہ آور کام کے دوران آپؐ کی ایک اہم سیرت اور مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا حکمت عملی یہ سامنے آتی ہے کہ آپؐ نبی اور اپنے لشکر کے سپہ سالار ہونے کے باوجود بذات خود عام مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک ہو جاتے ہیں جس سے خندق کھودنے والے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور وہ مزید جوش و جذبے کے ساتھ کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خندق کھودنے کا انتہائی مشکل اور سخت کام مختصر وقت میں مکمل ہو جاتا ہے۔ آپؐ کا یہ عمل آج کے دور کے سیاسی اور عسکری رہنماؤں کے لیے بھی یقیناً مشعل راہ ہے کہ وہ بھی اپنے ماتحت افراد کے کاموں میں شریک ہو کر نہ صرف ان کی حوصلہ افزائی کریں بلکہ ان کی مدد بھی کریں۔

دس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل دشمن کے اتنے بڑے لشکر کے مقابلے کے لیے آپؐ کی جانب سے خندق کھودنے کا فیصلہ آپؐ کی عسکری مہارت اور تدبیر کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ اس اہم عسکری نوعیت کے فیصلے کا فائدہ اس جنگ کے نتیجے سے سامنے آتا ہے کہ اس زمانے کے لحاظ سے جدید عسکری ساز و سامان سے لیس مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تعداد پر مشتمل لشکر کو آپؐ اپنی اس دفاعی حکمت عملی کے ذریعے بالکل بے بس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ لشکر جو ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے

لیے ٹھکانے لگانے کے ناپاک ارادے سے مدینے پر حملہ آور ہوا تھا، اپنے ارادے میں ناکام ہو کر واپس پلٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور یوں مسلمان ان کی سازشوں اور حملے سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس جنگ کے دوران مسلمانوں کو اندرونی طور پر مدینے کے یہودیوں کی سازش کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مدینے کے قبیلہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن کی تعدا بہت زیادہ ہے اور مسلمان سپاہیوں کی تعداد بہت کم ہے تو وہ سوچنے لگے کہ یقینا اس جنگ میں کفار مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے اس لیے اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے اپنے دلوں میں چھپے ہوئے کینے اور دشمنی کی بنیاد پر مختلف طریقوں سے کفار کی مدد کرنے لگے اور مدینے میں مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں اور گھروں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنے لگے۔

اس لیے اس جنگ میں پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ شہر میں یہودیوں کی جانب سے کی جانے والی داخلی سازشوں اور جارحیت رکوانے کے لیے بھی انتہائی بصیرت افروز دفاعی تدابیر اپنائی۔ مسلمانوں کے مخبروں نے پیغمبر اکرم ﷺ کو یہ خبر دی کہ بنو قریظہ کے یہودی مدینے کے اندر رہنے والے مسلمان بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ یہ خبر اس وقت پہنچی جب مسلمان خندق کے کنارے دشمن کے نفوذ کو روکنے کے لیے حفاظتی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔ آپؐ نے فوراً مسلمہ بن اسلم کو دو سو سپاہیوں اور زید بن حارثہ کو تین سو (ٹوٹل پانچ سو) سپاہیوں کے ساتھ مامور کیا کہ وہ شہر میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے گشت کریں اور مدینہ کی حفاظت کریں اور بنو قریظہ کی جارحیت کو روکیں۔ (18)

اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ داخلی طور پر بنی قریظہ کے یہودیوں اور قریش کی خفیہ سازشوں سے محفوظ رہا اور خصوصاً نعرہ تکبیر کی صداؤں کو سن کر نہ صرف مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں اور عورتوں اور بچوں کا خوف جاتا رہا بلکہ یہودیوں اور دشمنوں کے اوپر مسلمانوں کا رعب طاری ہوا اور وہ مزید سازش کرنے اور مدینے کے اندر رہنے والے مسلمان بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہے۔

جنگ موتہ

اسلام کی جنگوں میں سے ایک اور اہم جنگ، جنگ موتہ ہے۔ یہ جنگ مسلمانوں اور اس وقت کے سپر پاور روم کے درمیان چھڑی اس جنگ میں اگرچہ خود پیغمبر اکرم ﷺ نے ذاتی طور پر شرکت نہیں فرمائی

لیکن اس کے باوجود اس میں آپؐ کی بعض حکمت عملیاں روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔آپؐ کی جانب سے روم بھیجے ہوئے سفیر کو بادشاہ قیصر کے آدمیوں کی طرف سے قتل کئے جانے کے بعد آپؐ نے فیصلہ کر لیا کہ رومیوں کے غرور کو خاک میں ملایا جائے، اس مقصد کی تکمیل کی خاطر آپؐ نے تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر حضرت زید بن حارثہؓ کی سربراہی میں تیار فرمایا اور حضرت جعفر بن ابی طالبؑ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بالترتیب ان کا جانشین بنا کر روم کی طرف روانہ فرمایا۔(19)

اس مختصر سے لشکر کے مقابلے کے لئے ہرقل قیصر روم دو لاکھ جنگجوؤں کو لے کر مقابلے کے لئے آیا، جن میں ایک لاکھ رومیوں کی فوج اور ایک لاکھ فوج قبائل لخم وجذام اور بہراء اور قین اور بلی سے جمع کی گئی تھی۔(20)

لیکن لشکر اسلام نے ایمانی جذبے اور شوق شہادت کی خاطر اس عظیم لشکر سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس جنگ میں اگرچہ لشکر اسلام کے تینوں سردار حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے درجہ شہادت پر فائز ہو گئے اور باقی لشکر خالد بن ولید کی سربراہی میں مدینہ واپس آ گیا، اور یوں جنگ موتہ میں اگرچہ ظاہری طور پر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کے سردار شہید ہو گئے اور قریش اس کو مسلمانوں کی کمزوری قرار دینے لگے۔ لیکن صحیح اور دقیق جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پیغمبر اکرم ﷺ کی حکمت عملی کے عین مطابق اسلام کو تبلیغی اور سیاسی لحاظ سے بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی چونکہ اس وقت کی دنیا میں دو طاقتور ترین حکومت ایران اور روم کی تھی۔ اور باقی سارے ممالک ایک لحاظ سے ان کے زیر تسلط رہتے تھے اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان دو طاقتوں سے مقابلے کی فکر کرے اور ایران کے خلاف مختلف جنگوں میں روم کی کامیابی کی وجہ سے اس کو ایک فوقیت بھی حاصل تھی۔ اور مزید یہ کہ جزیرۃ العرب مشرق کی طرف سے ایران اور مغرب کی طرف سے روم کے محاصرے میں تھا اور دونوں عالمی طاقتوں کا مفاد بھی اس علاقے سے وابستہ تھا۔ لیکن جنگ موتہ نے بڑی طاقتوں خصوصاً روم کو یہ پیغام دیا کہ ان کی حکومت اور طاقت کا وقت اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہے اور ایک تیسری قدرت اور طاقت اسلام کے نام سے دنیا میں ظہور پذیر ہے، کہ جس کے پیروکار اپنے دین اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ ایک خالص ایمانی تعلق رکھتے ہیں اور اپنے مقدس اہداف اور حق کے نصرت کی خاطر اپنے دشمنوں سے چاہے وہ ظاہری عدد اور طاقت میں برتری ہی کیوں نہ رکھتے

ہوں، پوری قوت کے ساتھ ان سے ٹکرانے کے لئے تیار ہیں۔اور یہی بات دشمنوں کے دلوں میں رعب ودبدبہ ایجاد کرنے کے لیے کافی ہے۔

دوسری طرف خود مسلمانوں اور دوسرے عربوں کے سامنے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر اپنے نبیؐ کی بے چون وچرا اطاعت کرتے ہوئے ایمانی طاقت کے ساتھ لڑیں تو اپنے سے ساٹھ گنا زیادہ عددی برتری رکھنے والی فوج کے غرور اور تکبر کو بھی خاک میں ملانا ممکن ہے۔ اس جنگ سے نہ صرف دنیا نے مسلمانوں کی جانب سے اپنے نبیؐ کی بے لوث اطاعت اور جاں نثاری کو مشاہدہ کیا بلکہ خود مسلمانوں کے حوصلے بھی بہت بلند ہو گئے اور بعد کے معرکوں اور فتوحات کے لیے یہ ایک مقدمہ قرار پائی۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان آئندہ دس سالوں تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا تھا لیکن ہجرت کے آٹھویں سال قریش کے ہم پیمان بنی بکر نے مسلمانوں کے ہم پیمان بنی خزاعہ پر زیادتی کی تو قریش نے ہتھیاری ساز وسامان کے ساتھ بنی بکر کی مدد کی اور یوں صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی۔(21)

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر قریش کے ہم پیمان نے مسلمانوں کے حلیف قبیلے کے خلاف زیادتی کی ہے تو وہ صلح حدیبیہ پر کاربند رہتے ہوئے نہ صرف اس لڑائی میں فریق نہ بنیں بلکہ ان کے مابین صلح کرانے کی کوشش کریں لیکن انہوں نے صلح حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یوں ایک لحاظ سے اس معاہدے کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ تو قریش کی زیادتی اور معاہدے کی خلاف ورزی پر پیغمبر اکرم ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا ارادہ فرمایا اور مسلمانوں کو مکہ کی طرف جانے کا حکم صادر فرمایا لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اس تیاری کی خبر اہل مکہ کو نہ ہو اور ہم ایک دم ان پر جا پڑیں۔(22)

یہاں پر پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک انتہائی اہم حکمت عملی نظر آتی ہے اور وہ دشمن کو بے خبر رکھنے کی حکمت عملی ہے۔ کسی بھی جنگ میں دشمن کو اپنے عسکری اہداف سے بے خبر رکھنا بہت اہم ہوتا ہے، تاکہ مکمل منصوبہ بندی کے مطابق دشمن پر کاری ضرب لگائی جاسکے، لیکن اگر دشمن باخبر ہو جائے تو پھر وہ اپنے دفاع کا انتظام اور بندوبست کرے گا یوں اس جنگ میں پھر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ تو فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر اکرم ﷺ اس اہم حکمت عملی کو اختیار فرماتے ہیں اور مکہ کے مسلمانوں کو عسکری ساز

و سامان کی تیاری کا حکم دیتے ہیں لیکن اپنے مقصد سے حتیٰ انہیں بھی آخری لمحات تک آگاہ نہیں فرماتے۔ لہٰذا انتہائی رازداری کے ساتھ سارے معاملات کو انجام دینے کے بعد آخر میں مکہ کی جانب روانہ ہونے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ یوں اس کا فائدہ آگے چل کر فتح مکہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔اس موقع پر پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر مکہ کی جانب روانہ ہوتا ہے۔(23)

یہ پیغمبر کی کامیاب تبلیغی، سیاسی اور عسکری حکمت عملیوں کا نتیجہ تھا کہ انتہائی مختصر وقت میں اسلام اور مسلمانوں کی تعداد ناقابل یقین حد تک بڑھتی چلی گئی۔ اسلام کی ابتدائی جنگ میں فقط تین سو تیرہ افراد شامل ہوئے تھے اور صرف چند سالوں میں یہ تعداد دس ہزار تک جا پہنچی اور آگے چل کر جنگ تبوک کے موقع پر یہ تعداد اس سے بھی بڑھ گئی اور تیس ہزار تک جا پہنچی۔

مدینہ سے روانگی کے بعد بھی مکہ پہنچنے سے پہلے راہ میں بھی پیغمبر اکرم ﷺ کی کئی اہم عسکری حکمت عملیوں پر مشتمل فیصلے نظر آتے ہیں۔ جن کا فائدہ بھی بہت جلد ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے ذکر ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے مکہ پہنچنے سے پہلے میدان اراک میں رات کو آگ روشن کرنے کا فیصلہ کیا جسے دیکھ کر ابوسفیان حیران ہوتا ہے اور مرعوب ہو جاتا ہے۔ جیسے ابوسفیان اور بدیل بن ورقا آپس میں کہہ رہے تھے آج کی رات ہم نے ایسی روشنی دیکھی جیسی کبھی نہیں دیکھی۔ ضرور یہ کوئی لشکر ہے، عباس بن عبد المطلب نے جب یہ سنا تو کہا کہ یہ رسول خدا کا لشکر ہے۔(24)

یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میدان میں آگ روشن کرنے کا فیصلہ کتنی حکمت پر مبنی تھا کیونکہ اسی کو دیکھ کر کفار قریش کے سرداروں کے دل میں اس لشکر کے حوالے سے ایک عجیب رعب و وحشت طاری ہوا جس کی وجہ سے وہ مقابلے کی فکر کرنے کے بجائے مسلمانوں کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے میں اپنی عافیت جانتے ہیں۔

جب ابوسفیان، عباس بن عبد المطلب کے ساتھ اس کی پناہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر اسلام قبول کر کے جانے لگا تو آپؐ نے عباس سے فرمایا کہ اس کو راستے کے ایک ٹیلے پر کھڑا کر کے لشکر اسلام کے گزرنے کا نظارہ دکھاؤ۔ تو بعد میں مسلمانوں کی افواج کو دیکھ کر ابوسفیان نے ان کی طاقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اے عباس بھلا ان لوگوں سے مقابلہ کرنے کی کس میں

تاب وطاقت ہے۔ اور پھر ابوسفیان دوڑ کر مکہ پہنچا اور چیخا اور پکار کر کہا کہ اے قریش محمد آ گئے ہیں اور ایسا لشکر ان کے ساتھ ہے جس کے مقابلے کی تم ہر گز طاقت نہیں رکھتے۔ (25)

پیغمبر اکرم ﷺ کا ابوسفیان کو ٹیلے پر کھڑا کرا کے لشکر اسلام کا نظارہ کرانے کی حکمت عملی بھی بے مثال فیصلوں میں سے ایک ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ابوسفیان کہ جو قریش مکہ کا سردار تھا اور جو اس سے پہلے جنگ خندق میں مسلمانوں کے خلاف قریش کے لشکر کی قیادت بھی کر چکا تھا، مسلمانوں کی عسکری طاقت اور قوت سے انتہائی مرعوب ہو جاتا ہے اور اس کا کھل کر عباس بن عبد المطلب کے پاس اقرار بھی کرتا ہے اور بحیثیت سردار اپنے قوم و قبیلے کے لوگوں کو مقابلہ کی دعوت دینے کے بجائے جان بچانے کی دعوت دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اور پیغمبر اکرم ﷺ قریش کی جانب سے بغیر کسی خاص مزاحمت کے مکہ فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور یوں پورے مکہ مکرمہ کے اندر بھی اسلام کا بول بالا ہو جاتا ہے۔

پس ان مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ ایک نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی کامیاب عسکری سپہ سالار بھی تھے اور آپؐ اپنے زمانے میں پیش آنے والی جنگوں میں اپنے اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے بھرپور حکمت عملیوں کو بروئے کار لاتے تھے اور یہ آپؐ کی عسکری حکمت عملیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آپؐ کے زمانے میں پیش آنے والی تقریباً تمام جنگوں میں مسلمان کامیاب رہے اور دشمن کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ورنہ تعداد کے لحاظ سے تقریباہر جنگ میں مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمن کی تعداد زیادہ ہوتی تھی لیکن اس کے باجود اپنی عسکری حکمت عملیوں کے ذریعے ان جنگوں میں دشمن کو شکست دینے میں ہمیشہ آپؐ کامیاب رہے۔ آپؐ کی جنگوں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ جنگیں خالص تربیتی نوعیت کی ہوتی تھیں نہ کہ موجودہ دور کی جنگوں کی طرح صرف لڑائی اور انتقام اور کشور گشائی کے جذبے کے تحت۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے دور کی جنگوں میں مارے جانے والے لوگوں کی تعداد آج کے دور کے کسی بھی جنگ میں مارے جانے والوں کی تعداد سے انتہائی کم تھی۔ اور جنگوں میں بھی آپؐ اخلاقی اصولوں کی رعایت فرماتے اور بحیثیت نبی تبلیغ کا سلسلہ ہمیشہ ان جنگوں میں بھی جاری رہتا۔ (26)

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی بشمول ہمارے عسکری وسیاسی رہنما پیغمبر اکرم ﷺ کی مختلف عملی زندگیوں خصوصاً سیاسی، اجتماعی اور جنگی و عسکری امور میں کامیابیوں اور کامرانیوں کو مورد توجہ

قرار دیتے ہوئے آپؐ کی زندگی سے اپنے لیے الہام حاصل کریں چونکہ اگر اس نگاہ سے پیغمبر اکرم ﷺ کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہماری آج کی مسلم دنیا کے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔السیرۃ النبویۃ (لابن ہشام)، ابن ہشام حمیری معافری (م۲۱۸ھ)، جلد: ا، صفحہ: ۶۱۴، دار المعرفۃ، بیروت

2۔ حج، آیت ۳۹

3۔ سیرت النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، جلد: ا، صفحہ: ۲۰۳، طبع اول، ۱۹۸۵، دار الاشاعت، کراچی

4۔السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ا، صفحہ: ۶۱۴، ۶۱۵۔ المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، العلامۃ احمد بن محمد القسطلانی (م۹۲۳ھ)، تحقیق: صالح احمد الشامی، جلد: ا، صفحہ: ۳۵۱، الطبعۃ الثانیۃ، ۲۰۰۴م، ۱۴۲۵ھ، المکتب الاسلامی، بیروت۔ السیرۃ الحلبیۃ (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون) ابو الفرج حلبی شافعی (م۱۰۴۴ھ)، جلد: ۲، صفحہ: ۲۰۶، چاپ چہارم، سال ۱۴۲۷ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

5۔ جیسے آپؐ نے فرمایا: ان اکتنفکم القوم فانصحوھم عنکم بالنبل۔ اگر ان لوگوں نے تم کو گھیر لیا تو اپنے دفاع کے لیے ان پر تیر برساتے رہو۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ا، صفحہ: ۶۲۵، ۶۲۶

6۔ بحار الانوار، علامہ باقر مجلسی (م۱۱۱۰ھ) جلد: ۹، صفحہ: ۲۴۰، مؤسسۃ الوفاء، بیروت

7۔ کشف الغمہ، محقق اربلی، جلد: ا، صفحہ: ۹، نشر بنی ھاشمی

8۔ مغازی، محمد بن عمر واقدی (متوفی ۲۰۷ھ)، جلد: ا، صفحہ: ۱۹۹، ۲۰۰، طبع سوم، سال ۱۴۰۹، دار اعلمی، بیروت

9۔ مغازی، محمد بن عمر واقدی، جلد: ا، ۲۰۷، ۲۰۸

10۔السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۶۶

11۔السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المدنی (م۱۵۱ھ)، تحقیق و تعلیق: احمد فرید المزیدی، جلد: ا، صفحہ: ۳۳۴، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۴، ۱۴۲۴ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ و السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، ۶۵، ۶۶

12۔قال: انضح الخیل عنا بالنبل لا یأتونا من خلفنا، و أثبت مکانك إن كانت لنا أو علینا أی و فی روایة «إن رأیتمونا تتخطفنا الطیر فلا تبرحوا حتى أرسل إلیكم، و إن رأیتمونا ظهرنا على القوم و أوطأناهم فلا تبرحوا حتى أرسل إلیكم» زاد فی روایة «و إن رأیتمونا قد غنمنا فلا تشركونا». قال و فی روایة أنه قال: أی للرماة «الزموا مكانكم لا تبرحوا منه، فإذا رأیتمونا نهزمهم حتى ندخل فی عسكرهم فلا تفارقوا

مکانکم، وإن رأیتمونا نقتل فلا تغیثونا و لا تدفعوا عنا و ارشقوهم بالنبل. فإن الخیل لا تقدّم علی النبل، إنا لن نزال غالبین ما مکثتم مکانکم، اللهم إني أشهدك علیهم»۔ السیرۃ الحلبیۃ، ابو الفرج حلبی شافعی، جلد: ۲، صفحہ: ۳۰۳

13۔ بحار الانوار، علامہ باقر مجلسی، جلد: ۲۰، صفحہ: ۴۹

14۔ السیرۃ الحلبیۃ، ابو الفرج حلبی شافعی، جلد: ۲، صفحہ: ۳۰۸

15۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المدنی، جلد: ۲، صفحہ: ۳۴۸۔ المواهب المدنیہ بالمنح المحمدیہ، احمد بن محمد القسطلانی، جلد: ۱، صفحہ: ۴۱۳

16۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المدنی، جلد: ۱، صفحہ: ۳۳۲۔ السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۶۴۔، سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، جلد: ۱، صفحہ: ۲۱۸۔

17۔ المغازی، محمد بن عمر الواقدی، جلد: ۲، صفحہ: ۴۴۵۔

نیز دیکھیے: تاریخ الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب (م ۲۸۴ھ)، جلد: ۲، صفحہ: ۵۰، انتشارات اہلبیت، قم۔ و الکامل فی التاریخ، بن اثیر جزری (۶۳۰ھ)، جلد: ۲، صفحہ: ۱۷۸، سال ۱۳۸۵، دار الصادر، بیروت۔ والمواهب المدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، احمد بن محمد القسطلانی، جلد: ۱، صفحہ: ۴۴۶۔

18۔ السیرۃ الحلبیۃ، ابو الفرج حلبی شافعی، جلد: ۲، صفحہ: ۴۲۲۔

19۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۰۴، ۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۳۷۳۔

20۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۰۵۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۳۷۵۔

21۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۳۸۹، ۳۹۰۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۱۴

22۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۳۹۷، السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق، بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۱۹

23۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۲۱۔

24۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۴۰۲، السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۲۳

25۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام حمیری معافری، جلد: ۲، صفحہ: ۴۰۴، السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، جلد: ۲، صفحہ: ۵۱۴، ۵۲۵

26۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں کے موقع پر دعوت و تبلیغ کی حکمت عملیوں کے بارے میں بھی راقم ایک تحقیقی مقالہ پر کام کر رہا ہے۔ جس میں انشااللہ آپؐ کی جانب سے جنگوں میں کی جانے والی تمام تبلیغی کاوشوں اور حکمت عملیوں کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے گا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفہیمِ جدید
(ایک تحقیقی مطالعہ)

سید مظفر حسین *

smrizvi_12@hotmail.com

کلیدی کلمات: سیرت کی جدید تفہیم، معترضین سیرت، حضرت عیسیٰؑ، سابقہ انبیاء

خلاصہ

سیرت کے مختلف پہلوؤں پر کافی بحثیں کی گئی ہیں لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ سیرت طیبہ کی نئی روش اور تفہیم کا اظہار کیونکر ممکن ہے۔ جبکہ یہ دعویٰ بھی ہے کہ قرآن اور سیرتِ پیغمبرؐ ہر زمانے کے انسان کے لئے نجات بخش ہیں۔ البتہ معترضین کی طرف سے یہ اشکال اپنی جگہ باقی ہے کہ چودہ سو سال قبل وضع کئے گئے اصول اور قوانین آج کس طرح لائقِ تقلید ہو سکتے ہیں؟ مسلم دانشوروں کی متفقہ رائے ہے کہ آپؐ کی سیرت ہر زمانے اور ہر تقاضے کے مطابق ہے۔ اس عقیدے کی یقیناً یہ توجیہہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان آپؐ کی مکمل پیروی کرتے ہیں اور آپ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں۔ لیکن جب ہم دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے شبہات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کئی طرح کے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ کہ پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت، سیرت اور اقوال ایک خاص مدت کے لئے قابلِ عمل تو ہو سکتے ہیں تاہم اُن کی سیرت کو ہر زمانے کے لئے باعثِ تقلید قرار دینا روایت پسندی کا مظاہرہ ہی ہوگا، جدت پسندی اور روشن دماغی کی علامت نہ ہوگی۔ مسلمان مفکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ اس اشکال کو ردّ کرنے کے ٹھوس شواہد موجود ہیں۔ اس مقالے میں انہی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

*۔ ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کی نئی روش اور تفہیم کا اظہار کیونکر ممکن ہو۔ یہ سوال اس مقالہ میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ مورخین اور سیرت نگاروں نے اگرچہ سیرت کے ہر ہ پہلو کو زیر بحث لایا ہے اور آج کے انسان کے لئے زندگی گزارنے کے کئی بنیادی اصول کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا کہ سیرت طیبہ کے حوالے سے تحریری مواد اس قدر دستیاب ہونے کے باوجود ایک نئی تحقیق کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ دوسری جانب مسلمان دانشوروں کا یہ دعویٰ بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ قرآن اور سیرتِ پیغمبر اسلام ﷺ ہر زمانے کے انسان کے لئے نجات کے باعث ہیں۔

گویا دونوں کی عملی تعبیر ہر زمانے کے مطابق ہوتی رہے گی۔ البتہ معترضین کی طرف سے پیدا کردہ یہ اشکال کہ چودہ سو سال قبل وضع کئے گئے اصول و قواعد اور قوانین آج کے زمانے کے لئے کیونکر لائقِ تقلید ہو سکتے ہیں؟ یا صدیوں قبل کے ایک مصلح کے افکار و نظریات کو عصری تناظر میں پیروی اور تقلیدی کے لئے قابلِ عمل جاننا درست اقدام ہے؟ اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ مسلم دانشوروں کی متفقہ رائے ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کی سیرت ہر زمانے اور ہر تقاضے کے مطابق ڈھلنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اس امر اعتقادی کے پس پردہ یقیناً یہ توجیہہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ کی مکمل پیروی کرتے ہیں اور آپ کو اللہ کے آخری نبی کے طور پر مانتے ہیں۔

لیکن جب ہم دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے اشکالات اور شبہات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کئی طرح کے سوالات اعتراض کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ سب سے بڑا اور عام اعتراض یہی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت، سیرت اور اقوال ایک خاص مدت کے لئے قابلِ عمل تو ہو سکتے ہیں تاہم اُن کی سیرت کو ہر زمانے کے لئے باعثِ تقلید قرار دینا روایت پسندی کا مظاہرہ ہی ہوگا، جدت پسندی اور روشن دماغی کی علامت نہ ہوگی۔ یہ مخالفین اور معترضین کا سب سے بڑا اشکال ہے۔ مسلمان مفکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ اس اشکال کو رد کرنے کے ٹھوس شواہد موجود ہیں اور یہ شواہد مندرجہ ذیل دلائل کی صورت میں بیان کئے جا سکتے ہیں:

پہلی دلیل

حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ پیغمبر اسلام ﷺ سے پانچ سو سال قبل کا ہے اور دنیا کی ایک کثیر آبادی آج بھی اُن کی تعلیمات کو اپنے لئے نجات کا باعث سمجھتی ہے۔ جب ماسبق انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہر زمانے کے لئے قابلِ قبول ہو سکتی ہیں تو پھر پیغمبر اسلام ﷺ کے فرامین جدید دنیا کے لئے لائق عمل کیوں نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ موجودہ زمانہ سے کافی بُعد میں ہونے کے باوجود اُن کی تعلیمات وقت اور حالات کے تقاضوں کی بھرپور تشریح کر سکتی ہیں تو پھر بطریق اولیٰ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات زیادہ بہتر انداز میں زمانے کی تشریح و توضیح کر سکتی ہیں۔

دوسری دلیل

جس طرح دیگر انبیاء و مرسلین تبلیغی فرائض اور اخلاقی تعلیمات کی ترسیل و ترویج میں باہمی تفاوت رکھنے کے باوجود ایک ہی ہدف کے داعی تھے بالکل اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی تمام تر تعلیمات اور سیرت بھی ایک ہی مقصد کے ارد گرد گھومتی تھی اور وہ مقصد خدائے واحد کی شناخت اور انسانیت کی نجات کا تھا۔ لہٰذا اللہ کے نمائندگان کی تعلیمات اُن کے اپنے زمانے میں نافذ العمل ہونے کے ساتھ ساتھ آج بھی دُنیا کی کثیر آبادی میں قابل قبول سمجھی جاتی ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے تو خود کو جدید مصلح کے طور پر متعارف کرایا اور اُن تمام اخلاقی اور معاشرتی خصلتوں کو جن کا تعلق انسان کی فلاح و بہبود سے تھا، نہ صرف قابل عمل جانا، بلکہ ان کو کارآمد بنانے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔

جہاں دیگر انبیاء دین، مذہب، تعلیم اور اخلاق کے اعتبار سے باہمی تفاوت رکھتے ہیں اور اُن کی تعلیمات ہر زمانے کے لئے نافذ العمل ہیں، بالکل اُسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات بھی زیادہ روشن ہیں اور ہر زمانے کے لئے رہنمائی فراہم کر سکتی ہیں۔ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام آخری دین اور پیغمبر اسلام ﷺ آخری نبی ہیں۔ قیامت تک یہی دین رہے گا اور اسی پیغمبر کی تعلیمات نافذ العمل رہیں گی۔

اس عقیدے کے اثبات کے لئے ضروری ہے کہ اسلام بھی ہر زمانے کے حالات کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت بھی بدلتے

حالات کے ساتھ ہر نئے اُفق پر رہنمائی فراہم کرنے کی پوری قوت رکھتی ہے۔ آپ کی تعلیمات، اقوال، افعال اور زندگی کے طور طریقے نہ صرف ماضی کی روایات کے امین رہے ہوں بلکہ مستقبل کے لئے خوشنما اسلوب وضع کرنے کے بھی ضامن بن سکتے ہوں۔

تیسری دلیل

الٰہی نمائندگان کی تمام تر مساعی انسان کی ذہنی و اخلاقی تربیت ہے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے انسانی اذہان وارواح کی تطہیر کا دعویٰ اگرچہ بعض لوگوں کے لئے ناقابل قبول ہوسکتا ہے، لیکن بطور عمومی آپ کی تمام تر تعلیمات بھی انسانی اقدار، اخلاقیات اور ذہنی تربیت کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ اس لئے یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات فرسودہ روایات کی امین ہیں اور جدید زمانے کی مشکلات اور مسائل کے حل کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتیں۔

یہاں تک بحث اُن موارد کے حوالے سے تھی جو عام طور پر معترضین کی طرف سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ اب ہم زیر بحث موضوع کو اختیار کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہیں اور یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہزاروں، لاکھوں کتابوں میں سیرت طیبہ کی تفصیلات موجود ہونے کے باوجود اس موضوع کے انتخاب کی ضرورت پیش کیوں آئی؟ جیسا کہ اس گفتگو کے آغاز میں بتایا گیا کہ سیرت طیبہ کی تفہیم جدید کی شکل کیا ہوسکتی ہے، یا ضرورت کیا ہے کہ سیرت کو ایک نئے پیرائے میں بیان کیا جائے۔

مثال کے طور پر سیرت کی تفہیم کا لب لباب کیا ہوگا، کیا ایسی گنجائش نکل سکتی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کو ترمیم کے مراحل سے گزارا جائے، اگر تو یہ اقدام اٹھایا بھی گیا تو اس کی نوعیت کس قسم کی ہوگی، ایک محقق کے لئے یہ ممکن ہوسکے گا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور آپ کی سیرت پر ایک ناقدانہ نظر دوڑائے اور سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں کو لے کر نقد و جرح کی راہ اپنائے؟ بحیثیت محقق ہمارے لئے ہاں کہنے کی گنجائش بھی ہے اور ہمارا جواب نفی میں بھی ہوسکتا ہے۔

اولاً ہمارا جواب ہاں اُس صورت میں ہوگا جب ہم سیرت کے تمام پہلوؤں کو محققانہ انداز سے دیکھیں کہ آیا پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی سے منسوب ہر واقعہ عقلاً، شرعاً اور عرفاً قابلِ یقین ہے؟ اس سلسلے میں ہم مختلف علمی و فنی ذرائع کا سہارا لیں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ سیرت طیبہ کے حوالے سے

معروف و مشہور ہر واقعہ فی نفسہ درست ہے بھی یا نہیں۔ قرآنی علامات اور تاریخی واقعات کے تناظر میں ہم سیرت طیبہ کے ہر اُس پہلو کو زیر بحث لانے کی ہمت کر سکتے ہیں جو کسی بھی حوالے سے پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی اور آپ کی پیغمبری تعلیمات سے تعلق رکھتا ہے۔ بعدازاں صحت اور عدمِ صحت کے معیار پر رکھ کر بعض واقعات کو رد کر سکتے ہیں اور بعض واقعات کو من و عن قبول کر سکتے ہیں۔ ثانیاً نہیں کہنے کا پورا حق اس لئے ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور اقوال آج عصری دنیا میں پہنچے ہیں تو اس کے پسِ پردہ مسلمانوں کے علمی ذرائع ہیں۔

خاص طور پر دو بڑے ذرائع کی موجودگی میں سیرتِ پیغمبر اور واقعاتِ پیغمبر کی وثاقت کو ثابت کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ جبکہ ماضی کے علماء حضرات کی کاوشیں اور علمی جستجو بھی سیرت کے اثبات کے لئے ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ اُس وقت کے علماء نے یا تو طویل مسافت اس لئے طے کی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور اقوال کی ترسیل کا کام خوش اسلوبی اور دیانتداری کے ساتھ آگے بڑھایا جائے یا اس لئے سفر پر نکلے ہیں کہ وہ علم کی روشنی سے مستفیض ہو سکیں۔ لہٰذا ان کاوشوں اور کوششوں کے نتیجے میں انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ بدلتے ہوئے حالات اور تقاضے سیرت طیبہ کے تدریجی عمل سے مبرا ہیں۔

یہ بھی بعید ہے کہ تاریخ کی ایک مسلمہ شخصیت (دُنیا کی ایک کثیر آبادی کے نزدیک پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت مسلمہ اور قابلِ وثوق ہے) کی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر کے اُس کو نقد و جرح کے دائرے میں شامل کیا جائے، خاص طور پر اُن کی شخصیت اور ذات کو ہدفِ تنقید بنانے کا جواز اس لئے بھی نہیں ہو سکتا کہ دُنیا کی ایک کثیر آبادی والی قوم اُن کی حرمت کو اپنے لئے موت اور زندگی کا مسئلہ سمجھتی ہے۔ یہ طبقہ اس اعتقاد کا بھی حامل ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات قدیم و جدید دونوں زمانوں کے لئے آسودہ حال اور بہتر مستقبل کے لئے رہنماء اصول ہیں۔ چونکہ یہ تحقیق سیرت کے اُن پہلوؤں کو سامنے لانے کی سعی ہے جو محقق کی نظر میں تعمیری اور مقتضائے حال ہیں۔

لہٰذا اس میں نقائص سے زیادہ اوصافِ پیغمبر اسلام ﷺ اور عصر حاضر کے لئے رہنماء اصول بیان ہوں گے اور سیرت طیبہ کی روشنی میں جدید مسائل کے حل کی طرف رہنمائی اور نشاندہی کی ایک ادنی سی کوشش ہوگی۔ البتہ اس عنوان سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے سیرت پیغمبر اسلام ﷺ کے بعض گوشوں کو تفہیم جدید کی نیت سے زیر بحث لائیں گے اور ہماری یہ بحث تین پہلوؤں سے خالی نہیں ہوگی:

مبحثِ اول: مستشرقین سمیت معترضین کے اُن اشکالات کا محاسبہ جو عام طور پر سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں کی ظاہری ہئیت دیکھ کر کئے جاتے ہیں۔ یا بعض ضعیف روایات کو مد نظر رکھ اُن کی سطحی تشریحات کے تناظر میں اشکالات اُٹھائے جاتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ اُس حدیث یا واقعہ کی فی نفسہ وقعت ہے یا نہیں۔ یا اُسے علم الرجال کے مراحل سے گزارا گیا ہے یا نہیں۔

مبحثِ دوم: دین اسلام کے دعویداروں خاص کر عصر حاضر کے شدت پسند افراد کی غلط توجیہات پر نقد و جرح اور اُن کی فہم واستدلال کا محاسبہ۔ بہ نسبت اس کے کہ اسلام کے تابناک چہرے کو متعارف کرایا جائے ،اس گروہ نے اپنی متشدد کارروائیوں کے ذریعے اسلام کے چہرے کو خراب کر دیا ہے۔

مبحثِ سوم: بعض موارد جیسے غلام و کنیز، جنگ و جدل، مرتد و کافر کے ساتھ سلوک جیسے عامیانہ اُمور کی طرف جدت پسندانہ نظر، کہ کیا ان موارد میں نرمی کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔

معترضین کے اشکالات کا محاسبہ

معترضین (مستشرقین) کے اعتراضات کو تین مختلف حصوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ اعتراضات تنقیدی قسم کے ہیں ،اصلاحی نوعیت کے ہیں یا شوقِ مطالعہ کے تناظر میں قائم کئے گئے۔ اس سلسلے میں ہم مستشرقین کو تین گروہ میں منقسم پاتے ہیں:

پہلا گروہ: وہ علمائے یورپ جو خود عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، لیکن ترجمہ شدہ کتابوں کو منبع قرار دے کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں اور مشتبہ مواد ترتیب دے کر اُسے سیرت کا نام دیتے ہیں۔ اس قسم کی کتب چونکہ یورپ کے عامیانہ مزاج کے مطابق تھیں اس لئے زیادہ مقبول ہوئیں اور لوگوں کے سامنے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت مجہول انداز میں پیش کرنے کا باعث بنی ہیں۔

دوسرا گروہ: وہ دانشور حضرات جنہوں نے محض عربی پڑھ کر خود کو فنِ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت اور مغازی کا بھی ماہر تصور کرلیا۔ یہ حضرات اصطلاحات اور اسلامی اُمور اور سیرت کے بارے میں مغالطے کا شکار ہوئے۔ انہوں نے فرض کرلیا کہ چند واقعات ہی پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا کل محاصل ہیں۔

تیسرا گروہ: تیسرے گروہ میں وہ مستشرقین شامل ہیں جو عربی زبان کے ساتھ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے۔ ان سے اگرچہ عام غلطیاں سرزد نہیں ہوئیں، لیکن ان کا مطالعہ خوردبینی تھا۔ یعنی اُن کے مطالعہ کا مقصد اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں کمزوریاں تلاش کرنا تھا۔ (1)

اکثر مستشرقین نے اپنی مطالعاتی روش ہمیشہ اس بات پر رکھی کہ پیغمبر اسلام ﷺ الٰہی منصب پر فائز فرد نہیں تھے بلکہ آپ نے ماسبق انبیاء کی تعلیمات کو مستعار لیتے ہوئے ایک نئے دین کے قیام کا دعویٰ کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی عملی جدوجہد دراصل گذشتہ تبلیغات کی محاصل ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل الزامات اس نوع کی مثالیں ہیں۔

آپ نے قرآن کو کلامِ الٰہی قرار دینے کی روش قدیم کتب سے سیکھی، چونکہ آپ کو اندازہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کی ترقی کا راز تورات و انجیل میں مضمر ہے اس لئے آپ کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ ایک ایسی کتاب اپنی قوم کو دیں جسے وہ آسمانی کتاب کے طور پر قبول کرے اور ترقی کی راہیں طے کرے۔ چونکہ عرب کے ماحول میں ایسا کر گزرنا نہایت آسان تھا اس لئے قرآن ان کا ذاتی کارنامہ ہے۔ جیسا کہ بیسوی صدی کے عرب تاریخ کے ماہر امریکی مستشرق (Von Grunebaum) لکھتا ہے:

"...Islam as a Christian heresy, tells how in the days of the emperor Heraclius a false prophet arose among the Arabs. His name was Mamed. He became acquainted with the Old and New Testaments and later, after discoursing with a Arain monk, established his own sect. By feigning piety, he won the hearts of his people. Later he claimed that a scripture had been sent down to him from heaven. The ridiculous ordinances which he had put into that book he presented to them as their boly doctrine."(2)

"اسلام عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل ہے، شہنشاہ ہرقل کے دور میں ایک ... نبی عربوں میں اُٹھا، اس نے عہد نامہ قدیم وجدید سے واقفیت حاصل کی اور پھر ایک ایرین راہب سے تبادلہ خیال کے بعد اپنا ایک فرقہ قائم کیا۔ ... پاکبازی کے ذریعے اس نے لوگوں کے دل جیتے۔ بعد میں اس نے

دعویٰ کیا کہ آسمان سے اس پر ایک صحیفہ نازل ہوا ہے اور ان تمام ....احکام کو جو اس نے کتاب میں تحریر کر رکھے تھے، اپنی قوم کے لئے مقدس تعلیمات قرار دیا۔"

اسلام کی انفرادی حیثیت کی نفی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلام دراصل مختلف مذاہب کا اشتراک ہے۔ یہ یہودیت اور عیسائیت کی مثل ہے۔ اسلام کے محمد نے مروجہ مذاہب کا مطالعہ کیا اور اُن کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے احکامات و عبادات نافذ کئے۔ جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے:

"اسلام کے ارکان دوسرے مذاہب سے مستعار ہیں۔ توحید اور عبادات یہودیت اور عیسائیت سے، حج مشرکین عرب سے، طوافِ کعبہ، حجر اسود کا بوسہ اور جانوروں کی قربانی مقامی مذاہب سے مفاہمت کی نشانی ہے۔ پس اسلام مختلف مذاہب کا اشتراک ہے۔"(3)

عام طور پر حج کے بارے میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ مشرکین عرب کی ایک رسم تھی، جسے اسلام نے مقامی اثرات کے تحت یا مشرکینِ عرب کو خوش کرنے کے لئے اپنالیا۔ واٹ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے:

"When one religion replaces another, it usually finds it advantageous to take over the previous observance of sacred places and sacred times and gives it justification from its own tradition. In Islam pre-Islamic rites connected with the pilgrimage to Mecca have been taken over in their external forms, but have been given an Islamic significance."(4)

"جب ایک مذہب دوسرے کی جگہ لیتا ہے تو عموماً اسے پچھلے مذہب کے مقدس مقامات اور مقدس ایام کو اپنانے میں فوائد نظر آتے ہیں، لیکن ان ماخوذ چیزوں کو نیا مذہب اپنی تاویلات دیتا ہے۔ اسلام میں زمانہ قبل از اسلام کی مکہ کی زیارت کی رسوم اپنی ظاہری شکل میں اپنالی گئی ہیں لیکن انہیں اسلامی اہمیت دے دی گئی ہے۔"

توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانے کی ضرورت ہے کہ حج، خانہ کعبہ، طواف اور قربانی کا احترام ابتدائے اسلام سے ہی پایا جاتا ہے۔ سورہ قریش جو ابتدائی مکی سورتوں میں ہے، خانہ کعبہ کو بیت اللہ قرار دیتی ہے۔ سورہ کوثر قرآن کی مختصر ترین سورہ جو مکی ہے اس میں نحر یعنی قربانی کا حکم موجود ہے۔ اسلام میں

قربانی کا تعلق صرف حج سے ہے۔ کسی اور عبادت کے ساتھ قربانی وابستہ نہیں۔ مکی دور میں پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے طوافِ کعبہ کے تذکرے موجود ہیں۔

ہجرتِ مدینہ سے قبل انصار سے دو مرتبہ بیعت لی گئی۔ یہ دونوں بیعتِ عقبہ کہلاتی ہیں۔ یہ کس مقام پر ہوئیں۔ کیا عقبہ منیٰ کی ایک گھاٹی کا نام نہیں اور منیٰ صرف حج کے دوران آباد ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے اصحاب عقبہ میں موجود تھے تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ مناسک حج ادا کرنا مقصود نہیں تھا۔ تبلیغ تو اور مقامات پر بھی ہو سکتی تھی کہ شرکائے حج، حج سے پہلے اور حج کے بعد مختلف بازاروں اور میلوں میں خاصی مدت قیام کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کے واضح احکامات موجود نہ ہونے کے باوجود ہجرت سے قبل بھی حج کو اسلامی عبادت کا مرتبہ حاصل تھا۔

قرآن مجید کے بارے میں مستشرقین کو یہ گمان تھا کہ وہ کلام سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتی تصنیف ہے۔ اس کی تعلیمات غیر مکمل اور اخلاقیات ادھورے ہیں۔ کارلائل جیسے لوگ ایک طرف پیغمبر اسلام ﷺ کو نہ صرف تاریخ بشریت کے عظیم رہنماء قرار دیتے ہیں وہی دوسری طرف قرآن پر لکھنے بیٹھ جاتے ہیں تو اُن کا ذہنی توازن ڈگمگا جاتا ہے اور خیالات و نظریات منتشر نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

> "As toilsome reading as I ever undertook, a wearisome confused jumble, crude, incondite, endless iterations, long-windedness, entanglements, most crude incondite, insupportable stupidity; in short nothing but a sense of duty could carry any European through Koran." (5)

> "میری زندگی کی سب سے زیادہ محنت طلب خواندگی ایک اُکتا دینے والا، پریشان، بے ترتیب مجموعہ، خام، ناپختہ، لامتناہی تکرار، طول طویل گفتگو، الجھاؤ، انتہائی خام اور غیر نفیس، ناقابل دفاع حماقت، مختصر یہ کہ سوائے ادائے فرض کے احساس کے کسی یوروپین کو کوئی چیز قرآن کو پڑھنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔"

مستشرقین نے اسلام کی تبلیغی و ترسیلی مساعی کو تلوار کے مرہون منت قرار دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عیسائی مذہب کی بقاء کا تمام تر دارومدار اس بات پر رکھا گیا ہے کہ کسی بھی طرح سے اسلام کی تضحیک ہو جائے

اور اسلام کو عیسائیت یا یہودیت کے سائے میں رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلانے کا شاخسانہ عیسائیت کا وضع کردہ دفاعی نظریہ ہے۔ اس کے ذریعہ صرف یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام کی مقبولیت اس کی حقانیت کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے جبر کا نتیجہ ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مستشرقین نے کیا ہے۔ چنانچہ برائن ٹرنر (Bryan Tuner) نے لکھا ہے:

"In order to explain the spread of Islam, Christian theology developed a defensive theory, which demonstrated that Islamic success was the product of Muslim violence, lasciviousness and deceit." (6)

"اسلام کی توسیع کی وضاحت کرنے کے لئے عیسائی مذہب نے ایک دفاعی نظریہ پروان چڑھایا، جو بیان کرتا تھا کہ اسلام کی کامیابی، مسلمانوں کے تشدد، شہوت رانی اور فریب کاری کا نتیجہ ہے۔"

پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں مستشرقین کا نظریہ بڑا جارحانہ اور حوالوں سے عاری ہوتا ہے۔ ظاہری واقعات اور معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کے مدعی نظر آتے ہیں کہ ایک طرف پیغمبر اسلام ﷺ مکی زندگی میں نبوت کی اعلیٰ شان پر فائز تھے تو دوسری طرف مدنی زندگی کی شناخت الگ وضع قطع سے ظاہر ہوئی۔ جیسا کہ مشہور مستشرق ویبر لکھتے ہیں:

"His position in Medina, which was between that of an Italian Podesta and that of Calvin in Geneva, grew primarily out of his purely prophetic mission. A merchant, he was first a leader of pietistic conventicles in Mecca, until he realized more and more clearly that the organization of the interest of the Warrior Clans in the acquisition of the booty was the external basis provided for his missionizing."(7)

"مدینہ میں ان کی حیثیت اطالیہ کے پودستا (شہر کے امیر اور حکمراں) اور جینیوا کے کالوِن (پروٹسٹنٹ فرقے کے ایک شہری اور دینی ناظم) کے بین بین تھی، جس نے بنیادی طور پر ان کے خالصتاً پیغمبرانہ نصب العین سے نمود پائی تھی۔ وہ ایک تاجر، اور مکہ میں پرہیزگارانہ اجتماعات کے رہبر تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس بات کا واضح سے واضح تر طور پر ادراک کیا کہ جنگجو قبائل کی حصول مالِ غنیمت میں دلچسپی کا لحاظ، ان کے نصب العین کی خارجی بنیاد ہونی چاہیے۔"

نکلسن نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"When by force of circumstances, the Prophet in him had grown into the ruler and legislator, it was a psychological necessity he should still feel himself to be chosen medium of the divine message."(8)

"جب حالات کے جبر کے تحت پیغمبر ایک حکمراں اور قانون ساز میں ڈھل گئے تو بھی یہ ایک نفسیاتی ضرورت تھی کہ وہ خود کو الہامی پیغامات کا منتخبِ ذریعہ سمجھتے رہیں۔"

اس کے باوجود وہ مستشرقین جو اگرچہ عربی زبان و ادب اور مسلمانوں کے علمی ذخائر سے بہت زیادہ واقف نہ تھے لیکن اس کے باوجود اسلام اور پیغمبر اسلامﷺ کے بارے میں لب کشائی کی اور آپ کی دینی و علمی مساعی کے معترف ہوئے۔ انیسویں صدی کے معروف فلسفی، تاریخ دان اور تنقید نگار تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) لکھتے ہیں:

"Ah, no! This deep hearted son of the wilderness, with his beaming black eyes and open social deep soul, had other thought in him than ambition. A silent great soul, he was one of those who cannot but be in earnest, whom nature herself had appointed to be sincere."(9)

"ارے نہیں، صحرا کے یہ گداز دل فرزند، اپنی مسکراتی سیاہ آنکھوں اور ہر ایک کے لئے گہری محبت رکھنے والی روح کے ساتھ خود نمائی سے بہت ہی مختلف خیالات کے حامل تھے۔ ایک خاموش فطرت، عظیم نفس، وہ ان لوگوں میں سے تھے جو سوائے لگاؤ کے کچھ اور برت ہی نہیں سکتے تھے اور جن کو خود فطرت نے بطور خاص خلوص کے لئے ہی مقرر کیا تھا۔"

تھامس کو اس بات کا ادارک تھا کہ پیغمبر اسلامﷺ کی شخصیت ایسی نہیں ہے جس قسم کی شبیہ مغربی مفکرین پیش کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک پیغمبر اسلامﷺ کی ذات تمام دُنیاوی لذات سے بے نیاز تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

"We shall err widely if we consider this man as a common voluptuary, intent mainly on base enjoyments, nay on enjoyment of any kind."(10)

"ہم بہت بڑی غلطی کریں گے اگر ہم ان صاحب (پیغمبر اسلام ﷺ) کو ایک ایسا عام لذت پسند شخص گردانیں گے جو بنیادی طور پر گھٹیا عیش کوشی پر مائل ہو (جبکہ وہ) کسی بھی قسم کی لطف اندوزی سے گریز کرتے تھے۔"

کارلائل نے اپنے دور تک کے مغربی اندازِ تحریر کو شرمناک قرار دیا اور برملا کہا کہ یہ تصور کہ عرب کے نبی ایک منصوبہ ساز بہروپیے تھے (نعوذ باللہ) یا ان کا دین خرافات کا مجموعہ تھا، اب کسی طور قابلِ قبول نہیں، جانتے بوجھتے کذب و افتراء کا جو طوفان ان کے خلاف اٹھایا گیا ہے وہ مغرب کے لئے باعثِ ننگ ہے۔ پھر اس نے مغربی اہل فکر کو اپنے دل ٹٹولنے کی دعوت دی کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ گذشتہ کئی صدیوں سے کروڑوں افراد کی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔

کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ (ظہورِ اسلام) محض ایک کربناک روحانی فریب تھا جس کے لئے قادرِ مطلق کی مخلوق کی اتنی بڑی تعداد نے اپنی زندگی وقف کی اور ہنستے کھیلتے موت کو گلے لگالیا۔ کارلائل نے کہا کہ وہ ایسے کسی مفروضے سے متفق نہیں ہوسکتا۔ کارلائل وہ پہلا مغربی فرد ہے جس نے اپنے معاشرے کے برخلاف یہ اعلان کیا:

"The man's words were not false, nor his workings lure below, no inanity and simulacrum, a fiery mass of life acast-up from the great bosom of nature herself.....The words of such a man is voice direct from nature's own heart."(11)

"ان صاحب (پیغمبر اسلام ﷺ) کے الفاظ دروغ نہیں تھے نہ ہی ان کے طرزِ عمل میں کوئی جال، کھوکھلا پن یا مصنوعی بھرم تھا۔ وہ تو زندگی کی حرارت سے بھرپور ایک وجود تھے جس نے فطرت کی اپنی کوکھ سے جنم لیا تھا...ایسے شخص کے الفاظ تو فطرت کے اپنے دل کی آواز ہوتے ہیں۔"

برطانوی مفکر اور تاریخ دان ہنری اِسٹب (Henry Stubb) بھی اس قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو اس قدر بُرا خیال نہیں کرتے جس قسم کے خیالات دیگر مستشرقین کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"It is certain that the Christains which lived under the Mahomatens, do mention Mahomet with great respect as Mahomet of glorious Memory, and Mohometan super quo pax and benedictis & C." (12)

"یہ بات قطعی ہے کہ جو عیسائی محمدیوں کے زیر نگیں رہے ہیں وہ محمد کا ذکر نہایت احترام سے کرتے ہیں جیسے عظیم یادوں والے محمد اور عظیم المرتبت امن اور برکتوں والے محمد وغیرہ۔"

بہرحال مُستشرقین کی تحقیقی کاوشیں بہت ہی سطحی اور جانب دارانہ نوعیت کی تھیں۔ انہوں نے خالصتاً پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات کو تنقید کے زیر اثر رکھنے کے لئے تحقیقات و تالیفات کیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اُن کا عمومی رویہ جارحانہ ثابت ہوا۔

اس کے علاوہ بھی کئی اعتراضات اور اشکالات مستشرقین کی طرف سے ہیں، ہم طوالت کلام سے بچنے کے لئے انہی چند اعتراضات پر اکتفا کرتے ہیں۔ مستشرقین کے اعتراضات کا بغور جائزہ لیا جائے تو تحقیق سے زیادہ جذباتیت اور اپنے مذہب کے اثبات کی چھلک نظر آتی ہے۔ جن کتب کو بنیاد بنا کر کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں انہی کتابوں سے چیدہ چیدہ نکات بیان کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی جہاں بہت ساری جہتوں سے قابلِ گرفت ہے وہی قرآن جیسا الہام پیغام بھی کسی قدر قابل بھروسہ نہیں ہوسکتا۔

مستشرقین نے ہمیشہ سے پیغمبر اسلام ﷺ کو تاریخ کے ناقابل اعتبار واقعات میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ احادیث نبویہ کو نقد و جرح کے مرحلے سے گزرا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام کی شخصیت کو بھی متنازعہ نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ سے منسوب ہر واقعہ یا حدیث مستند اور قابل وثوق ہو۔ بلکہ سیرت کی کتابوں میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جو یقیناً پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت اور آپ کی ذمہ داری سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مستشرقین نے بھی زیادہ تر ایسے واقعات کو ہی مرکزِ نگاہ رکھا ہے۔

ان کا سب سے بڑا اعتراض ہی یہی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ خود کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اُس وقت کے رائج مذاہب یہود و نصاریٰ (جن کی تعداد مکہ میں نہ ہونے کے برابر تھی) سے سیکھتے ہوئے ایک جدید مذہب کی آمد کا اعلان کر دیا۔ قبل از اسلام اگر ہم عرب کے جغرافیائی اور سیاسی حالات پر نظر رکھیں

تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی مکی زندگی یہود و نصاریٰ کے لئے کوئی قابل ذکر نہ تھی۔ وہ معدودے چند افراد پر مشتمل تھے۔ اُن کا نہ سیاسی اثر تھا اور نہ ہی تجارتی بڑھوتری حاصل تھی۔ تاریخ میں ورقہ ابن نوفل کا نام ملتا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرائیل امین سے ہونے والی ملاقات کی کیفیت بتائی تھی اور کہا تھا کہ عنقریب آپ منصب نبوت پر فائز ہونے والے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورقہ ابن نوفل کی ملاقات کو بنیاد بنا کر مستشرقین قرار دیتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل عیسائیت سے واقف تھے اور آپ نے دین اسلام کو مذہب عیسائیت سے مستعار لیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب ہم یہودیوں کی سیاسی رہبری کی طرف نظر کرتے ہیں تو مکہ میں کوئی ایسی شخصیت نمایاں نظر نہیں آتی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے ملاقات کی ہو اور الٰہی رموز سے واقفیت حاصل کی ہو۔ کم از کم مکی زندگی میں تو ہمیں نہ تو عیسائیت کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں اور نہ ہی یہودیوں کا اثر ورسوخ، پھر کیسے مان لیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کی تمام تر تعلیمات کو یہود و نصاریٰ سے مستعار لی ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدوجہد اور تبلیغ مکمل طور پر الٰہی منصب دار تھی۔ آپ کو اُن تمام ادیان جو آپ سے قبل رائج تھے، کے بارے میں معلوم تھا تو یہ اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ صلاحیت تھی نہ کہ کسی دنیاوی فرد کی طرف سے تفویض کردہ نیابت، مسلمان مفکرین سمیت مستشرقین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے۔ اگر کسی عیسائی یا یہودی سے دینی تعلیمات مستعار لی بھی ہیں تو پھر یہ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت نابغہ روزگار تھی۔ علم سے نابلد ایک شخص ایک مختصر سی مدت میں اتنے بڑے دین کو پھیلانے میں کیسے کامیاب ہوا۔ یہ سوال بذات خود ان معترضین کے لئے جواب ہے۔

شدت پسندوں کی توجیہات کا محاسبہ

باوجود اس کے کہ سیرت طیبہ میں انسانی ہمدردی کا پہلو ہمیشہ بلند اور ارجح رہا ہے، لیکن اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سیرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلط تعبیرات اور تشریحات کیونکر عام ہوئیں؟ یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوا جاسکتا کہ یہ سب کچھ دشمنوں کی چال ہے اور مغربی مفکرین نے مفروضوں کی بنیاد پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے وابستہ کر رکھا ہے۔ یہ تو تاریخ کے ہر طالب علم جانتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہمدردی اور بھائی چارگی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔،

لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے کہ بعض ایسے واقعات جن کی نسبت پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف دی جاتی ہے، اُن کو بنیاد بنا کر نہ صرف جواز کا راستہ نکالا جاتا ہے بلکہ عملاً اس کا مظاہرہ بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جہاد و قتال، جنگ و جدل اور غیر مسلموں سے غلاموں اور کنیزوں جیسا رویہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے گوشے شمار کئے جاتے ہیں۔ خاص طور پر غیر مسلموں کے خلاف جارحیت خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو رہا ہے۔ حالانکہ اگر اعلانِ نبوت سے لے کر آپ کے وصال تک کی ۲۳ سالہ زندگی کو مختلف کاموں پر تقسیم کر کے دیکھا جائے تو بڑے حیرت انگیز انکشافات ہوں گے۔

مثال کے طور پر آپ نے جتنے غزوات میں شرکت فرمائی اگر ان سب کو جمع کر کے ان کے گھنٹے اور دن بنا لیے جائیں تو معلوم ہوگا کہ ان ۲۳ برسوں میں صرف چھ ماہ ایسے ہیں جن میں آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے، گویا ساڑھے بائیس سال میں آپ یا تو لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف فرما رہے ہیں، یا پھر غریبوں اور مسکینوں کو مال تقسیم فرما رہے ہیں، یا لوگوں کے درمیان مساوات قائم فرما رہے ہیں۔ کبھی غلاموں، مزدوروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک فرما رہے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرما رہے ہیں، کبھی آپ عورتوں اور بیواؤں کے حقوق کے سلسلہ میں لوگوں کو متنبہ فرما رہے ہیں۔ اب اگر آپ ان ٦ ماہ (جن میں آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے) سے ان ساڑھے بائیس سال کا موازنہ کریں تو ایک نئی دنیا کی سیر ہو گی۔ یہاں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ ان چھ مہینوں میں بھی آپ نے لوگوں کو ظلم و زیادتی سے بچانے کے لئے اور فتنۂ وفساد رفع کر کے امن کے قیام کے لیے تلوار اٹھائی ہے۔

عصر حاضر میں سیرت کی تفہیم جدید کا تمام تر دارومدار ان ساڑھے بائیس برسوں پر ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے کس کردار سے روشنی ملتی ہے کہ خواتین، بچوں اور بزرگوں کو ذبح کیا جائے، ان کی جائیدادیں ہتھیا لی جائیں، یہاں تک کہ کلمہ گو افراد کو تکفیریت سے منسوب کر کے ان کا قتل عام کیا جائے۔ ان شدت پسندوں کے اعمال کا تعلق یقیناً ان واقعات سے ہے جنہیں پیغمبر اسلام ﷺ کی مدنی زندگی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ من جملہ ان میں سے ایک واقعہ بنو قریضہ کا ہے۔ یہ قبیلہ مدینہ میں آباد تھا۔ میثاق مدینہ کی روشنی میں دیگر قبائل کی طرح اس قبیلے کو بھی امنیت حاصل تھی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سربراہی میں مدینہ کی حفاظت اور دیگر اُمور میں اِن کو مسلمانوں کا ساتھ دینا تھا۔

مسلمان مفکرین کے مطابق غزوہ خندق کے موقع پر اس قبیلے نے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرکے مدینہ پر حملہ کرنے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ باوجود کہ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ جب بھی بیرون مدینہ سے کوئی حملہ آور ہوگا تو وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ لیکن جب جنگ کا مرحلہ آیا تو انہوں نے نہ مسلمانوں کا ساتھ دیا اور نہ ہی مدد کرنے کی سعی کی۔ معاہدے کی خلاف ورزی کے نتیجے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور بعدازاں سخت ترین سزا دیتے ہوئے ان کی خواتین اور بچوں کو غلام بنالیا جبکہ مرد حضرات کو قتل کردیا گیا۔
اگرچہ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں معروف ہے لیکن کئی طرح سے محل نظر ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت سے قبل اس طرح کے واقعات عام تھے۔ فریق مخالف پر فتح کے بعد ان کی عورتوں اور بچوں کو کنیز وغلام بنانا اور اُن کے مردوں کو قتل کرنا عام رواج تھا۔ اگر تو ہم پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک مصلح اور جدیدیت کے روپ میں دیکھتے ہیں تو پھر پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک ایسے واقعہ کو دہرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی جس کی بیخ کنی کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ اسلام کے نقطہ نظر سے قتل کی نوبت اس وقت تک نہیں آتی جب تک کہ فریق مخالف آپ کی جان کے درپے نہ ہو۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کوئی بڑا جرم نہیں تھا کہ پورے کا پورا قبیلہ یا تو کنیز وغلام بنے یا قتل کردیئے جائیں۔
کہاں تو پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات سے منسوب رحمت پر مبنی واقعات کہ اگر دشمن بھی معافی تلافی کا طلب گار ہو تو فی الفور معاف کرنے والے اور کہاں اس قسم کی سخت فیصلے کہ ایک معاہدے کی خلاف ورزی پر پورا قبیلہ تہہ وتیغ کیا جائے۔ مسلمانوں کے پاس اس واقعہ کے اثبات کے لئے چند دلائل ہیں۔ ان کے نقطہ نظر سے چونکہ اس وقت اسلامی ریاست خطرے میں تھی اور پیغمبر اسلام ﷺ کو خدشہ تھا کہ ان کی سازش کے نتیجے میں مسلمان سخت مشکلات میں گھر سکتے ہیں۔ اگر اس دلیل کو ہم مان لیں تو پھر پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا کون سا ایسا دن ہے جو خطرے سے خالی نہیں تھا۔ آپ کی تبلیغی خدمات ہمیشہ سے پر خطر اور نامساعد حالات کا شکار رہی ہیں۔
اس ایک واقعہ کی وجہ سے ہم پیغمبر اسلام ﷺ کے خاص لقب جس کو قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ دشمن کو معاف کرنا اور ان کی اصلاح کرنا آپ کی زندگی کا منشا و مقصد تھا نہ کہ قتل و غارت گری۔ چونکہ یہودیوں نے دشمن سے ساز باز کرلی تھی اس لئے

ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے ایک ایسا راستہ متعین کیا جائے کہ دوبارہ کسی کو جرأت نہ ہو۔ ہم اس دلیل کو بھی قبول نہیں کر سکتے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اس قسم کی نسبت سے مبرا ہے۔ ایک ہی وقت میں قریب سات سو افراد کا قتل ناممکنات میں سے ہے۔ آج کے شدت پسند اگرچہ اس قسم کے واقعات سے سہارا لیتے ہیں لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہر وقت رہے گا کہ کیا اس واقعہ کے علاوہ کوئی اور بھی واقعہ پیغمبر اسلام ﷺ سے منسوب ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے دیگر واقعات میں اس طرح کی مثال نہیں ملتی۔ عصر حاضر میں ان واقعات کی از سر نو تفہیم کی ضرورت ہے۔ قرآنی لب و لہجہ اور سیرت پیغمبر اسلام ﷺ اس واقعہ سے بالکل الگ روش رکھتے ہیں۔ قرآن آپ کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیتا ہے جبکہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت ایک رحم دل اور دردمند انسان کے روپ میں پیش کرتی ہے۔ لا محالہ ان واضح دلائل کی موجودمیں کسی تیسری توجیہ کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیے۔

عامیانہ اُمور: سطور بالا میں درج کئے گئے نکات کو سامنے رکھیں تو سیرت طیبہ کی تفہیم جدید کی ضرورت نہ صرف یکبارگی پیش آئے گی بلکہ بار بار تفہیم جدید کا دروازہ کھلتا ہوا نظر آئے گا۔ ہمارے تیئں سیرت ایک وسیع موضوع ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا ایک گوشہ موجودہ دور کے تمام تر انسانی مسائل کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ہمیں اُن تمام تر پہلوؤں کو باریک بینی سے بیان کرنا ہوگا جن کی ظاہری شکل اور تعبیر کو بنیاد بنا کر معترضین سوال اُٹھاتے ہیں، اُن کو لائقِ گرفت سمجھتے ہیں اور موجودہ دور کے مسائل کے بہتر حل کے لئے موزوں نہیں گردانتے۔ دوسری جانب اُن پیروکاروں کی توجیہات کو بھی نقد و جرح کے دائرے میں لانا ہوگا جو کم علمی اور ظاہری معنی کے چنگل سے باہر نہیں نکلتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سیرت طیبہ سے منسوب چند واقعات کو بنیاد بنا کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔

آج کے دور میں سیرت طیبہ کو سمجھنے اور عملی زندگی میں اپنانے کے لئے دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک گروہ مخالفین کا ہے جن کی تفصیلی بحث سطور بالا میں گزر چکی ہے۔ ان کی نظر میں سیرت طیبہ متنازع ہے اور آج کے دور میں اس کی عملی تصویر بنتی نظر نہیں آتی۔ ان کے خیال میں پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کا تعلق اُن کے اپنے دور سے تھا۔

جدید دُنیا میں سیرت کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ بعض مخالفین کے نزدیک پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصی زندگی دراصل محدود لوگوں اور معاشرے تک تھی، بلکہ صرف عربوں کے لئے لائق تقلید

تھی۔ دوسرا گروہ حامیوں کا ہے، اس گروہ کے خیال میں پیغمبر اسلام ﷺ سے منسوب ہر واقعہ یا عمل فی نفسہ درست ہے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے لائق تقلید ہے۔اس گروہ کے نظریات غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ اپنے مخالف فرقے کے لئے متشددانہ ہیں۔اپنے فریق کو نہ صرف دین اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں بلکہ واجب القتل سمجھنے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ لہٰذا ان دو مختلف گروہوں کی موجودگی میں لازم ہو جاتا ہے کہ سیرت کو ایک نئے پیرایئے میں بیان کیا جائے۔

سیرت کی تفہیم کی ضرورت کا اصل میں بنیادی نظریہ یہ ہے کہ آج لوگ کہتے ہیں کہ وہ چیزیں جو ہماری قدیم ہیں، روایتی ہیں، اور ایک طرح سے فرسودہ ہیں، ان چیزوں کے اندر بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو آج کے دور میں عملاً نافذ نہیں ہو سکتی۔ تو ان چیزوں کو جدید دور کے جو تقاضے ہیں ان کی روشنی میں دوبارہ دیکھا جائے، تشکیل نو کی جائے۔اس کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے جو ہمارے ذرائع ہیں ان کو دوبارہ نئے سرے سے پڑھ کر دیکھا جائے کہ ان کا مطلب کیا وہی جو پرانے لوگ لیتے تھے۔ یا کوئی نیا مطلب نکلتا ہے جس سے ہمیں زیادہ بہتر دین کا فہم حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ چیز قرآن میں بھی، حدیث میں بھی، ہر جگہ دیکھیں گے کہ تشکیل جدید کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ایک مرتبہ اور دیکھیں۔ ہم نے اس سے قبل قرآن بہت پڑھا ہوگا، اس موضوع کی روشنی میں دوبارہ قرآن پڑھ کے دیکھیں تو جب انسان دوبارہ پڑھ کے دیکھتا ہے تو اس کے سامنے کئی راہیں کھلتی ہیں۔

مثال کے طور حقوقِ انسان کی اصطلاح بظاہر نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی سیرت طیبہ میں ملے گی۔ کیونکہ قرآن یا پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانی حقوق کا نام لے کر نہیں کہا کہ انسان کے حقوق یہ ہیں یا وہ ہیں۔ بلکہ اصول کی نشاندہی کی ہے۔ تو ہم کیسے سمجھیں کہ اسلام اور سیرت پیغمبر اسلام ﷺ میں سیرت کی نشاندہی کی گئی ہے۔اس سلسلے میں ہمیں پھر سے سیرت طیبہ کو زندہ کرنا ہوگا اور پرکھنا ہوگا کہ آیا قرآن اور سیرت کی کتابوں میں اُن واقعات کی کثرت ہے جن میں پیغمبر اسلام ﷺ کی رحمت نظر آتی ہے یا وہ واقعات زیادہ ہیں جن میں پیغمبر اسلام ﷺ کی سخت روش کا تذکرہ ہے۔ ہم ذیل میں چند بنیادی موضوعات کو زیر بحث لاتے ہیں۔

مقامِ انسانیت: عام طور پر پیغمبر اسلام ﷺ سے منسوب ایک طرح سے الزام ہے کہ آپ کی نگاہ میں انسانیت کی برابری کا تصور مبہم تھا۔آپ مرد اور عورت کے درمیان مساویانہ عمل قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ مخالفین سمیت حامی بھی بعض موارد کی روشنی میں اس مغالطے کا شکار ہوئے کہ اسلام میں غلام و کنیز اور خواتین کی کمتری کا تصور پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے تفویض کردہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کی متمدن دنیا میں بھی مسلم شدت پسند غلامی اور کنیزی کا تصور لئے بیٹھے ہیں اور خواتین کو وہ حقوق دینے کے لئے تیار نہیں جن کی دعویدار متمدن دنیا ہے۔

لیکن جب ہم پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کئی ایسے موارد نظر آتے ہیں جہاں آپ ایک غلام (زید بن ثابت) کو کبھی اپنا منہ بولا بیٹا بناتے ہوئے نظر آتے ہیں، کبھی کسی غلام کو شعائر اسلام کی ادائیگی کی ذمہ داری سونپتے ہیں۔ (حضرت بلال ایک حبشی غلام تھے اور کفار قریش کے مظالم کے ستائے ہوئے ایک مظلوم کی حیثیت سے پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے،آپ نے ان کو موذن مقرر کیا تھا) کبھی کسی غلام (سلمان فارسی) کو اپنے اہل خاندان میں سے قرار دیتے ہیں۔

عرب کے اُس معاشرے میں جہاں پر انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی وہاں آپ نے ایک غلام کو عزت بخشی اور اسلامی نظام زندگی میں شامل کرتے ہوئے بڑی بڑی ذمہ داریاں سونپی۔ مخالفین کی اس منطق کی کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے کس بنیاد پر پیغمبر اسلام ﷺ کو مقامِ انسانیت سے ناآشنا قرار دیا۔ یا حامیوں کی اس منطق سے بھی مطمئن ہونے کا کوئی جواز نہیں کہ آج کے دور میں بھی انسانیت غلام، کنیز یا نچلے طبقہ میں شمار ہوسکتی ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے اعلان کے مطابق تمام انسان برابر ہیں، سب اللہ کی مخلوقات ہیں اور ہر انسان نے اپنے جینے کا حق اللہ سے لیا ہوا ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے جیسے انسان کو ذات پات کی بنیاد پر ذلیل و خوار سمجھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے آپ کے چچا حضرت حمزہ کو بے دردی کے ساتھ قتل کرنے والا حبشی اسلام قبول کرنے کی غرض سے آیا تو آپ نے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔ جیسا کہ صحیح بخار میں ذکر ہے:

....قَالَ: حَتَّى قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ: «آنْتَ وَحْشِيٌّ». قُلْتُ نَعَمْ. قَالَ: «أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ». قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنَ الأَمْرِ مَا بَلَغَكَ. قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي». قَالَ فَخَرَجْتُ....(13)

ترجمہ: "....حبشی کہتا ہے جب میں پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا، کیا تمہارا ہی نام وحشی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم ہی نے حمزہ کو قتل کیا تھا؟ میں نے عرض کیا، جو نبی کریم کو اس معاملے میں معلوم ہے وہی صحیح ہے۔ آپ نے اس پر فرمایا: کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ اپنی صورت مجھے کبھی نہ دکھاؤ؟ انہوں نے بیان کیا کہ پھر میں وہاں سے نکل گیا...."

یہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت انسانیت کے احترام، اس کے حقوق کی حفاظت اور انسانیت پسندی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ "اگر میں کسی پر ظلم کا مرتکب ہوا ہوں تو وہ بدلہ لے سکتا ہے۔" (14) دنیا کے سارے انصاف پسند اور تاریخ اقوام عالم پر گہری نظر رکھنے والے دانشوران یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام امن کا مذہب ہے اسلام دین رحمت و فطرت ہے، اس کے فطری تقاضے ہمیشہ انسانیت کی حفاظت کرتے ہیں۔

اسلام اپنے آغاز سے ہی سراپا رحمت ہے پیغمبر اسلام ﷺ کے اخلاق کے سامنے ظلم و عدوان کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ تاریخ کے وسیع اور گنجلک صفحات میں ایسے اخلاقی نمونوں اور اس کے بہترین مظاہر کی بھرمار ہے جس میں انسانیت نوازی، رحم دلانہ کیفیت اور نرمی و آشتی کے واضح نقوش ثبت ہیں۔ فتح مکہ کا وہ واقعہ ناقابل فراموش ہے۔ قیدیوں کا ایک ایسا گروہ جس میں مسلمانوں پر تشدد کرنے والے بھی تھے، پھبتیاں کسنے والے بھی، قاتل بھی تھے اور ظالم بھی فتح مکہ کے دن وہ تمام اسیران اپنے متعلق فیصلے کے منتظر تھے لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے فقط انسانیت کے ناطے ان کے وہ تمام جرائم جو ناقابل عفو تھے معاف کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ جاؤ تم پر کوئی الزام نہیں، تم آزاد ہو۔

صنفی امتیاز: پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کا ایک گوشہ جس پر بات چیت اور کلام کی گنجائش ہے وہ صنفی امتیاز ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے بہت سارے اقدامات ایسے کئے جن پر بحث و مباحثہ اور موجودہ دنیا کے لئے نمونہ عمل کے طور پر پیش کیا جانا ضروری ہے۔ اعلانِ رسالت سے قبل خواتین کو کوئی عزت نہیں دی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ جس طرح مال و اسباب کی تجارت ہوتی تھی بعینہٖ خواتین بھی تجارتی جنس کے طور پر بیچی جاتی تھی۔ آپ نے اس عمل کی سختی سے بیخ کنی کی اور اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو وہ مقام عطا فرمایا کہ آپ سے قبل اس قسم کا تصور بھی محال تھا۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں بیٹی کا پیدا ہونا ہی باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا وہی آپ نے اپنی بیٹی کے لئے کھڑے ہو کر استقبال کرنا سیکھایا، بیٹی کے ساتھ محبت و الفت کی باریکیاں بتلادی اور رحمت قرار دیتے ہوئے انسانیت کے لئے باعث فخر بتایا۔

سیرت کا یہ پہلو آج کی جدید دنیا کے لئے نمونہ عمل اور جدید تفہیم کا طالب ہے۔ گو کہ آج کی متمدن دنیا خواتین کے حقوق کے حوالے سے بڑے بڑے دعوے کرتی نظر آتی ہے، لیکن آج سے چودہ سو سال قبل پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں اس قسم کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ مگر دنیا نے اُن نمونوں کو صرف واقعاتی نظر سے دیکھا ہے۔ اپنی نجی زندگی میں عمل کرنے کی جستجو نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا میں بعض خطوں میں خواتین کا احترام اس قدر مضبوط نہیں جس قسم کا ہونا چاہیے۔ خود مسلم معاشروں میں بھی آج کی عورت مظلوم اور بے کس اور ماتحت ہے۔ عورت کو آزادی دینے کی روش آج تک پیدا نہیں کی گئی۔ عورت کو صرف خدمت گزار کے روپ میں دیکھنے کی سعی کی گئی۔ جبکہ اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے نقطہ نظر سے عورت نظام معاشرت کی بقاء کی سب سے مضبوط فصیل ہے۔

خون ریزی: پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت پر ایک بڑا اتہام خون ریزی ہے۔ اس لفظ کو ایسے عامیانہ انداز میں استعمال کیا جاتا ہے جو خونِ ناحق اور خونِ برحق کی تمیز مٹا ڈالتا ہے۔ اس الزام کے ضمن میں معاہدہ شکنی، دھوکہ دہی اور سفاکی جیسی گھاؤنی تہمتیں بھی لگائی جاتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ عہد نبوی میں جنگیں ہوئیں جن میں طرفین کے افراد کام آئے۔ لیکن ان میں سے کوئی جنگ اس لئے نہیں ہوئی کہ اسلام کو خون ریزی مطلوب تھی۔ جنگ بدر تا جنگ احزاب ساری کی ساری جنگیں مدافعانہ تھیں۔ سب کی سب

جنگیں یا تو مدینہ کے قریب یا خود مدینہ میں لڑی گئیں۔ مقام جنگ اس بات کا ثبوت ہیں کہ حملہ آور مخالفین اسلام تھے جو اسلام کے مٹانے کے ارادے سے آئے تھے۔

مدافعت کا حق دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے۔ خود عیسائی کتب مقدسہ اس حق سے انکار نہیں کرتیں۔ عہد نامہ قدیم کی رو سے فیصلہ کیا جائے تو پورا مشرک عرب گردن زدنی قرار پائے گا۔ خود عہد نامہ جدید کی رو سے مسلمانوں کو مدافعت کا پورا پورا استحقاق میسر تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آخری ایام میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو مسلح ہونے کی تلقین فرمائی تھی۔ یہ تلقین یقیناً مدافعت کے لئے تھی۔ چنانچہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاگردوں نے اس تلقین پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا تھا۔ اناجیل میں تلوار یا مدافعت کا عمومی طور پر کوئی ذکر نہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ کی گرفتاری کے موقع پر نہ صرف شاگردوں کے پاس تلوار نظر آتی ہے بلکہ ایک شاگرد حضرت کی مدافعت میں حملہ آور ہوتے بھی نظر آتا ہے:

"اور دیکھو یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اس کا کان اڑا دیا اور یسوع نے کہا کہ اپنی تلوار میان میں کر لے کیونکہ یہ تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔" (15)

اس سے یہ تو ثابت ہے کہ یسوع کے شاگرد ہتھیار بند ہونے لگے تھے اور ان میں سے ایک نے مدافعت میں پیش قدمی بھی کی۔ لیکن امن عامہ کے پیش نظر حضرت عیسیٰؑ نے اسے روک دیا کہ گیارہ شاگردوں کی مدافعت قطعی بے اثر ہوتی اور اسے رومی حکومت بغاوت کا رنگ دے کر بے گناہ عوام کا قتل عام کر ڈالتی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ان مدافعتی جنگوں کے بعد دیگر جنگیں بھی جارحیت نہ تھیں بلکہ وقت کی ضرورت تھیں۔

فتح مکہ قریش کی عہد شکنی کا نتیجہ تھی جو بلا خون ریزی کے حاصل ہوئی اور فتح کے بعد بجائے خون ریزی کے دشمنوں کو امن و سلامتی کا تحفہ عطا ہوا اور ساتھ ہی دنیا کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہوا کہ مفتوح خود فاتح افواج کے ساتھ شامل ہو کر انتہائی جوش و خروش کے ساتھ مشترکہ دشمن کے خلاف جنگ میں حصہ لینے اور اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ جنگ حنین بھی مدافعتی جنگ تھی۔ صحرائی قبائل اور طائف کے باشندوں نے اجتماع کر کے بلا کسی جواز کے مکہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ منصوبہ

اس قدر اشتعال انگیز تھا کہ مسلمانوں کے لئے تو تھا ہی خود مشرکین مکہ کے لئے بھی نا قابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ نے بھی رضاکارانہ اس جنگ میں شرکت کی۔

فتح مکہ کے بعد قبائلی وفود کی آمد شروع ہوئی، جنہوں نے اطاعت قبول کرلی۔اس کے بعد عرب میں اسلام کی عملی مخالفت ختم ہوگئی۔اس دور میں جتنی مہمات قبائل کی طرف روانہ کی گئیں ان کی نوعیت تادیبی کارروائیوں کی تھی۔ان مہمات میں شرکاء کی تعداد دس سے لے کر تین سو تک پائی جاتی ہے۔اس قلیل تعداد کی مہم سے جنگ کا تصور تک نہیں پیدا ہوسکتا۔اس دور میں صرف ایک جنگی مہم تبوک کی نظر آتی ہے جس کے شرکاء کی تعداد تیس ہزار بیان کی جاتی ہے لیکن یہ مہم بھی جارحانہ نوعیت کی نہ تھی کیونکہ اطلاع ملی تھی کہ سرحد پر روم کی افواج مجتمع ہورہی ہیں اور جب لشکر تبوک پہنچا تو وہاں دشمن کا کوئی اجتماع نہ پاکر واپس آگیا۔اگر یہ اقدام مدافعتی نوعیت کا نہ ہوتا تو پرامن طور پر واپسی کے بجائے شام کی طرف پیش قدمی ہونی چاہیے تھی۔

جنگ اور امن: پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں جنگیں بہت کم اور امن کا چرچا زیادہ رہا۔آپ نے قریب ۲۶ یا ۲۷ غزاوات میں حصہ لیا اور آپ کی سرپرستی میں ۵۶ سریہ واقع ہوئے۔ان جنگوں میں اتنے آدمی قتل نہیں ہوئے جس قدر جنگ عظیم اول اور دوم میں قتل ہوئے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی آدھی سے زیادہ زندگی اسلامی تبلیغات اور پرامن جدوجہد پر مبنی ہے۔ مکی زندگی جو ۵۳ سال پر محیط ہے میں آپ کو یا تو اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے دیکھا گیا یا غریب اور نادار افراد کی مدد کرتے ہوئے۔ کبھی مسلح جدوجہد کی کوشش نہیں کی۔

اعلانِ بعثت کے وقت آپ کے ساتھ لوگوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ آپ کی شریک حیات جو ہمیشہ آپ کے ہم رکاب رہیں وہ بھی اسلامی تعلیمات کی تبلیغات میں آپ کے ہم پلہ رہیں۔ لہٰذا مکی زندگی میں آپ کی روش امن و سلامتی اور اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ البتہ مدنی زندگی جو ۱۰ سالہ کے عرصے پر محیط ہے، میں آپ جہاد کے لباس میں ضرور نظر آئے۔

لیکن یہ دور بھی جنگی چپقلش سے زیادہ امن و سلامتی کی طرف راغب ہونے کی ایک کوشش کے طور پر دیکھا گیا۔ آپ اگر جنگ بدر لڑنے نکلتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو برابر پند و نصائح کرتے

نظر آتے ہیں کہ خبر دار عورتوں، بچوں اور بزرگوں پر ہاتھ مت اُٹھانا، جو زخمی ہے ان کو قتل مت کرنا اور جو جنگ سے فرار اختیار کر رہا ہے اُس کا پیچھا مت کرنا۔
جنگ کے آغاز سے لے کر اختتام تک آپ کی طرف سے مسلسل امنیت اور سلامتی کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہاں تک مخالفین میں سے جو لوگ قتل ہوئے تھے اُن کی لاشوں کی بے حرمتی کی بھی سختی سے ممانعت کی اور مسلمانوں کو خبر دار کیا کہ زمانہ جاہلیت کی روش اسلامی زندگی میں بالکل بھی روا نہیں ہے۔ اسلام اُن تمام خبیثانہ حرکات کی نفی کرنے آیا ہے جو آج سے قبل عام تھیں۔ جنگ کے اختتام پر مخالفین میں سے جو لوگ قیدی بنائے گئے تھے ان کی رہائی کی دیت تعلیم و تعلم رکھا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان مخالفین بھی سے جس کو بھی پڑھنا لکھنا آتا ہے وہ مسلمانوں کو پڑھائے اور اپنی خلاصی کا پروانہ لے کر جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ رحمت والی روش شاید آج کی متمدن دنیا میں بھی ممکن نہیں ہے۔
آج کے دور میں پیغمبر اسلام ﷺ کی پیروی کرنے کے دعویدار شدت پسند قیدیوں کو نہ صرف اذیتیں دیتے ہیں بلکہ اُن کے سر قلم کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی اس روش کو قابل فہم بنانے کے لئے پھر سے سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا اور آپ کے اُن تمام واقعات کو درجہ بدرجہ بیان کرنا ہوگا کہ جن سے انسانیت کا اظہار ہوتا ہے، امن وسلامتی کا اظہار ہوتا ہے اور نرم دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلا شبہ سیرت کے اس پہلو کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ مخالفین کو تنقید کرنے سے پہلے تحقیق کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
چند ایک جنگی واقعات کو بنیاد بنا کر پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کو قابل نقد و جرح قرار دینا یک طرفہ روش کا اظہار ہے۔ اسی طرح اسلام کے حامیوں کو بھی اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات میں جنگ سے زیادہ امن کی طرف توجہ دی گئی ہے اور مسلمانوں کو تشویق دلائی گئی ہے کہ انسانیت کی خدمت اور محافظت اسلام کے اعلیٰ اصولوں اور قوانین میں سے ہے۔ کسی ایک بے گناہ انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور کسی ایک انسان کی جان بخشی پوری انسانیت کی محافظت ہے۔ ایسے اعلیٰ اصولوں اور قوانین کے ہوتے ہوئے اپنی جنگی روش کا اظہار سیرت پیغمبر اسلام ﷺ سے بے زاری کی علامت ہے پیروی کی نہیں۔

غیر مسلموں سے روابط : صلح حدیبیہ کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام تبلیغی خطوط اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ کئے۔ ایک طرح سے آپ کا یہ اقدام بین الاقوامی تعلقات کی طرف پہلا قدم تھا۔ جن بادشاہوں کو آپ نے خطوط لکھے ان میں نجاشی، مقوقس، ہرقل اور کسریٰ سرفہرست تھے۔ ان خطوط کے جواب میں مختلف بادشاہوں کی طرف سے مختلف ردِ عمل سامنے آیا۔ بعض نے عزت و احترام اور باہمی جذباتیت کا اظہار کیا جبکہ چند ایک نے تعلقات کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے اپنی انا پرستی کا اظہار کیا۔

والی مصر مقوقس نے متعدد تحائف سمیت دو معزز قبطی خواتین بھی بھیجیں۔ جن میں سے ایک ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ تھیں۔ بادشاہِ مصر نے ان خواتین کو کنیزوں کے روپ میں بھیجا تھا لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کا کمال یہ ہے کہ ان میں سے ایک مسلمانوں کی ماں (اُم المومنین) بن گئیں یعنی پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زوجیت میں لے لی جبکہ دوسری صحابیہ رسول بن گئیں۔ اب رہی یہ بات کہ ان خطوط کا متن کیا رہا ہوگا تو واضح رہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا مشن اسلام کی تبلیغ تھا۔ قرآن کے الفاظ میں مقصد بعثت اور مدعائے نزولِ قرآن یہ تھا:

لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ(16)

ترجمہ: "متنبہ کرو ہر اُس شخص کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو بات منکروں پر"

لہٰذا اگر شاہانِ عالم کو تبلیغی خطوط تحریر نہ ہوتے تو تبلیغ کا حق ادا نہ ہوتا اور باہمی تعلقات کی راہ نہیں کھلتی۔ جب مشن ہی تبلیغِ حق تھا تو ان خطوط کی نوعیت تبلیغی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر بادشاہوں کو دعوتِ حق دینے میں کیا امر مانع ہو سکتا تھا۔ جلالِ شاہی، اجنبیت، فاصلے، معاشرتی تفاوت، انتقامی کاروائی کا خدشہ، یہی تو وہ کیفیات ہو سکتی ہیں جو پیغامِ حق پہنچانے میں رکاوٹ بن سکتی تھیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی سربراہ اس قسم کے ہر احساس سے بلند تر ہوتے ہیں۔ رعبِ شاہی انہیں اعلائے کلمتہ الحق سے باز نہیں رکھ سکتا۔

حضرت ابراہیم و نمرود، حضرت موسیٰ اور فرعون، حضرت دانیال اور بخت نصر، سمسون اور شاہ فلسطی، حضرت یحییٰ اور ہیرود، حضرت عیسیٰ اور پیلاطس ان میں سے ہر ایک کے درمیان سارے کے سارے تفاوت موجود تھے لیکن شاہوں کا جلال نبوت کی عظمت کو نہ گہنا سکا۔ ان کی فوجی طاقت

اعلائے کلمتہ الحق کو روکنے سے قاصر رہی۔ ان کی انتقامی کارروائیوں کے خوف سے تبلیغ متاثر نہ ہوئی۔ جلالِ خداوندی کے آگے جلالِ شاہی گرد ہوتا ہے۔

معاشرتی تفاوت بے معنی سی شے ہو جاتی ہے کیونکہ حضوری اور معیت جو مقام عطا کرتی ہے اس کے آگے دنیا اور اس کا ہر معاشرتی نظام ہیچ نظر آنے لگتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی اس روش سے ایک اور بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہمیشہ تعلقات برابری کی بنیادی پر ہونے چاہئیں۔ اعلیٰ اور برتر کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلقات کبھی مساویانہ نہیں ہوتے۔ آپ نے اگرچہ تبلیغ کی غرض سے خطوط لکھے لیکن ان خطوط کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مخاطب کس قدر طاقت ور کیوں نہ ہو تعلقات ایک دوسرے کی خواہشات کے مطابق ہونے چاہئیں۔

سادہ پرستی: معاندین نے پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں یہ نظریہ عام کیا کہ ابتداء ہی سے مطمحِ نظر دنیاوی اقتدار تھا اور جب اقتدار میسر آگیا تو ممکنہ دادِ عیش دی۔ یہ دعویٰ اور نظریہ بنیادی طور پر بے حقیقت ہے۔ آپ کا دورِ رسالت شروع ہوا تو عمر چالیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ عیش پرستی کی عمر تو چالیس سال سے قبل کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد تو ایک عام شخص کے کردار میں بھی پختگی آجاتی ہے۔ بد کردار افراد کے کردار میں بھی ٹھہراؤ آجاتا ہے نیک کردار پختہ ہو جاتا ہے اور اس میں کسی کجی کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ تیرہ سالہ مکی دور معاندین کو بھی تاباں نظر آتا ہے۔

اس پورے دور میں ایک جانکاہ جدوجہد کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہجرت کے بعد کم از کم چھ سال یعنی صلح حدیبیہ تک بادِ مخالف کے تند و تیز طوفان اٹھتے رہے، جنہوں نے سکون درہم برہم کر رکھا تھا۔ ایک طرف معاشرے کی تطہیر و تعمیر، دوسری جانب قلیل وسائل کے ساتھ اس جدید معاشرے کا اندرونی اور بیرونی خطرات سے دفاع ایسے مشاغل تھے جو ایک لمحے کی مہلت نہ دیتے تھے۔ صلح حدیبیہ ہی سیرت طیبہ کا وہ سنگ میل ہے جس کے بعد حالات پوری طرح قابو میں نظر آتے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر انسٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ اگر کسی عیش و عشرت کا امکان ہو سکتا ہے تو اس کے بعد کے آخری ایام میں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آخری ایام بھی شدید جدوجہد کے ایام ہیں۔

فتح خیبر، فتح مکہ، جنگ حنین، محاصرہ طائف، جعرانہ کی مصروفیات، غزوہِ تبوک، کئی چھوٹی مہمات، وفود عرب، حجۃ الوداع، جیشِ اسامہ کی تیاری، یہ سب آخری سارے برسوں کی مصروفیات ہیں۔ نہ

جانے ان ایام میں معاندین کو عیش و عشرت کے کون سے آثار ملے جن کی بنیاد پر انہیں اس دعوے کی جرأت ہوتی ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سادگی کا تعلق مسلم معاشرے کی تشکیل سے تھا۔ آپ کے لئے ممکن نہ تھا کہ آپ اپنی غریب رعایا کو مفلوک الحال صورت میں دیکھتے ہوئے عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ سادگی کو اپنا شعار بناتے ہوئے آپ نے اُس وقت کے حالات کو ان لوگوں کے لئے نمونہ عمل بنایا بلکہ آج کے انسانوں کے لئے بھی یادگار تقلید چھوڑی۔ آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں جا بجا ایسے گوشے ہیں جن کی تفصیل، تشریح اور تفہیم کی ضرورت ہے تاکہ آج کی بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یک گونہ سکون مل جائے اور زندگی گزارنے کے طور طریقے میسر آسکیں۔

*****

حوالہ جات

1۔یزدانی، مولانا محمد حنیف، محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں، مکتبہ نذیرہ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۹۵

2۔Gustave E. Von Grunebaum, Medieval Islam A Study in Cultural Orientation, 2nd Edition, The University of Chicago Press, Chicago, 1971, Pg:43

3۔Hendrik Kraemer, the Christian Message in a Non-Christian World, Centre for Contemporary Christianity, 2009, Pg: 138

4۔W. Montgomery Watt, Truth in the Religions, Oneworld Publications, London, 1995, Pg: 28-29

5۔Thomas Karlyle, On Heros, Hero-worship and the Heroic in History, The Pennsylvania State University, USA, Pg: 64-65

6۔Bryan Tuner, Understanding Islam, Pg:19

7۔Max Weber, The Sociology of Religion, Pg:47, Ephxaim Fischoff

8۔Reynold A. Nicholson, The Koran (Qur'an) - with an Introduction, Translator: E. H. Palmer, 1928, Pg:128

9۔Thomas Carlyle, On Hero Worship, and the Heroic in the Hisrory, Harvard College Library, London, 1840, Pg: 52

10۔Ibid, Pg: 64

11۔Pg:50

12۔Henry Stubb, Rise and Progress of Mahometanism, Kmania University Library, London, 1911, Pg: 143

13۔ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب: قتل حمزہ، رقم الحدیث: ۴۰۷۲، دارُ طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

14۔ ابی داؤد سلیمان بن الاشعث الازدی، سُنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۲۱۳۴، دارُالرسالۃ العالمیۃ، دمشق، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۰ھ

15۔ متی ۲۶، ۵۱-۵۲

16۔یٰسین، آیت: ۷۰

رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت میں بیداری اُمت کا درخشاں پہلو

ہما حسن*

huma_hassan_r@hotmail.com

کلیدی کلمات: بعثت، اُمت، بیداری، مواخات

خلاصہ

رسول اکرم ﷺ غارِ حرا سے مشعلِ حق لے کر آئے اور علم و آگہی سے دنیا کو سیراب کر دیا، آپ ﷺ کا ہر الٰہی پیغام فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ تھا اور انسانی بیداری کے لئے ضروری بھی۔ نیز آپ ﷺ کی بعثت کائنات کے عظیم واقعات میں سے ایک ہے۔ حقیقت میں بعثت یعنی طلوع اسلام، پیدائش و ولادتِ اسلام، بیداری بشریت اور تکمیلِ سلسلہ ہدایت انبیاء علیہ السلام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا اس عالم کے عجیب ترین واقعات میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کی حقیقت کو اگر انسان سمجھ جائے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کس طرح سے ایک انسان کو مقامِ نبوت و رسالت پر فائز کرتا ہے تو گویا انسان ہدایت تک پہنچ گیا۔ بعثت نبی اکرم ﷺ یعنی جس دن خداوند تعالیٰ نے ہدایت بشر کے سلسلے کو تکمیل کیا، پس بعثت ہدایت بشر کے جامع نظام اور طریقہ کار کا نام ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ جو دین لائے وہ مکمل اور جامع نظامِ ہدایت بشر ہے۔ زیر نظر مقالہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات مبارکہ اور بعثت کو زیرِ بحث لاتے ہوئے بیداری اُمت کے درخشاں پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

---

*۔ ریسرچ اسکالر جناح یونیورسٹی برائے خواتین، کراچی

دین اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے یہی وہ مذہب ہے جو دنیا کی تخلیق کے ساتھ وجود میں آیا اور رہتی دنیا تک رہے گا۔اس کا بنیادی مقصد سلامتی ہے۔ نفرتوں کے کانٹے چن چن کے محبتوں کے پھول نچھاور کرنا اسی مذہب کا خاصہ ہے۔ دین اسلام ایک نور کا نام ہے جو بھی چاہے جس وقت بھی چاہے اس کی روشنی سے اپنے آپ کو منور کرسکتا ہے، یہ تاریک دلوں کو نور کی تجلی بخشتا ہے جو کہ انسان کے اندر انقلاب برپا کردیتا ہے۔دین اسلام کی بنیاد کسی جغرافیائی خطے پر نہیں بلکہ اعتقادی اصولوں کے تحت ہے، جو دین کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے امان پا جاتا ہے۔دین اسلام انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی پر بھی زور دیتا ہے اور جب اسلام اجتماع کی بات کرتا ہے تو اس سے مراد اُمت ہوتی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے امت تشکیل دی اور امت کی تشکیل کے لئے لوگوں کے ذہنوں کو کھنگالا اور ان کے سوئے ہوئے اذہان کو بیدار کیا۔

لفظ بعثت کے لغوی معنی بَعِثَ۔ نیند سے بیدار ہونا۔(1) حقیقت میں بعثت یعنی طلوع اسلام، پیدائش و ولادتِ اسلام، بیداری بشریت اور تکمیلِ سلسلہ ہدایت انبیاء علیہ السلام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا اس عالم کے عجیب ترین واقعات میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کی حقیقت کو اگر انسان سمجھ جائے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کس طرح سے ایک انسان کو مقامِ نبوت و رسالت پر فائز کرتا ہے تو گویا انسان ہدایت تک پہنچ گیا۔ بعثت نبی اکرم ﷺ یعنی جس دن خداوند تعالیٰ نے ہدایت بشر کے سلسلے کو تکمیل کیا، پس بعثت ہدایت بشر کے جامع نظام اور طریقہ کار کا نام ہے اور رسول اکرم ﷺ جو دین لائے وہ مکمل اور جامع نظامِ ہدایت بشر ہے۔

ہر معاشرے یا قوم میں نبی اس وقت مبعوث ہوئے جب وہ معاشرہ الجھاؤ کا شکار ہوا یعنی وہ درست راستے سے ہٹ گئے اور غلط سمت میں جانے لگے تب نبی قوموں میں بھیجے گئے کیونکہ اس الجھن کو دور کرنے کے لئے کسی ایسے رہنما کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کا ہاتھ تھام کر منزل تک پہنچا سکے۔

بس انسانی معاشرہ جب خوابِ غفلت کی نیند سو جاتا ہے تو ایسے معاشرے کو بیدار کرنے اور دوبارہ حرکت میں لانے کے لئے خدا انبیائے کرامؑ کو مبعوث کرتا ہے تاکہ وہ زوال پذیر معاشرے کو زوال سے نکال کر دوبارہ ترقی کی راہ پر ڈال دیں۔ رسول اکرم ﷺ سوئے ہوئے اذہان کو بیدار کرنے کے لئے تشریف لائے اور بے ہنگم گروہوں کو ایک اُمت کی صورت میں واضح کیا کیونکہ تمام انبیائے کرامؑ نے جو تبلیغ کی وہ 'اُمت' بنانے کے لئے مقدمہ تھیں۔ رسول اکرم ﷺ جہاں تشریف لائے، آپ ﷺ کی آمد سے

قبل عرب کے جو حالات تھے ان کی وضاحت ضروری ہے تاکہ یہ بات ظاہر ہوسکے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مردہ قوم کو کس طرح بیدار کیا اور اس بکھری ہوئی قوم کو کس طرح امت بنایا۔

قبل از بعثت لوگوں کی عقول پر قفل لگے ہوئے تھے ان کے جسم بیدار تھے مگر ذہن اور روح خوابِ غفلت میں مبتلا تھی اور جب انسانیت ہر شعبہ ہائے زندگی میں سو گئی تب رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کے اذہان کو بیدار کیا، ان کی روحوں کو جگایا اور دینِ حق کی تعلیم دی، رہن سہن کے اصول و ضوابط بتائے، مختلف قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے لوگوں کو ایک امت کی صورت میں یکجا کیا۔ تمام انبیاءؑ جو تعلیمات لے کر آئے رسول اکرم ﷺ ان تمام انبیائے کرامؑ کی تعلیمات کو مکمل کرنے کے لئے لوگوں میں مبعوث ہوئے کیونکہ جس وقت رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے اس دور میں لوگوں کے اندر وہ تمام برائیاں موجود تھیں جو ہر قوم میں الگ الگ تھیں ہر نبی اپنی قوم کی ایک یا دو خرابیوں کا مقابلہ کرتا دکھائی دیتا ہے مگر رسول مزمل ﷺ نے ان تمام برائیوں کا مقابلہ کیا اور لوگوں میں حق کا پرچار کیا اور صبر و استقامت کے ساتھ دین کو پھیلایا۔

بعثت رسول ﷺ کے آئینے میں بیداری امت مسلمہ کے درخشاں پہلو جاننے سے قبل امت مسلمہ کے مفہوم کو اجاگر کرنا اہمیت کا حامل ہے۔ لفظ اُمت عربی زبان کا لفظ ہے، ''الامۃ'' کے لغوی معنی جماعت، آدمیوں کا گروہ ہے۔(2)

ڈاکٹر علی شریعتی کے مطابق اصطلاحی طور پر:

"امت اس انسانی معاشرہ کا نام ہے جس میں ہر کسی کا ایک مشترک ہدف ہو اور یہ سب اس لئے اکٹھے ہوئے ہوں تاکہ ایک مشترک رہبر کی رہنمائی کے ساتھ آگے بڑھیں۔"(3)

امت یعنی ایسا معاشرہ جو کسی سرزمین میں ساکن نہیں، جو کسی خونی اور خاکی رشتے پر استوار نہیں بلکہ امت ایک ایسا معاشرہ ہے جس کے افراد ایک عظیم اور اعلی قیادت کے تحت، فرد اور قوم کی پیش رفت و کمال کی ذمہ داری کو، اپنے عقیدے اور اپنی حیات کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ قرآن نے انسان کے اجتماعی ڈھانچے کے لئے لفظ اُمت استعمال کیا ہے۔

اسی طرح لفظ مسلم جس کا مادہ ''س ل م'' ہے لغوی اعتبار سے اس کے معنی فرمابردار ہونا، دین اسلام اختیار کرنے کے ہیں۔(4)

شریعت اسلامیہ کے پیروکاروں کو مسلم کا لقب بھی اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ...(5)

ترجمہ: "اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین کی (کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔ (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اُسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد"

کتاب اللہ کی روشنی میں مسلم وہ ہے جو اللہ کے لئے سراپا نیاز، اس کے احکام و فرامین پر کاربند اور اپنی اور خلق خدا کی بھلائی کرتا ہو اور سنت ابراہیمیکا علمبردار ہو۔ اس لحاظ سے اُمت مسلمہ ایک ایسے اجتماع کا نام ہے جو دین کے گرد وجود میں آتا ہو اور جس کا محور و مرکز دین اسلام ہو۔ دین اسلام انسان کی فکری و عملی بیداری کی بات کرتا ہے اور تصور امت کو پیش کرتا ہے۔ لفظ مسلم اور امت مسلمہ کی وضاحت کے بعد ہمیں اس بات کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کہ بیداری کا مفہوم کیا ہے، جس بیداری اُمت مسلمہ کی بات علمائے کرام کرتے ہیں وہ بیداری دراصل ہے کیا؟

لفظ بیداری دراصل فارسی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں بیداری کے لئے لفظ " یقظہ " استعمال ہوتا ہے۔ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی بیداری کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"بیداری تیار رہنے اور خطرے کے مقابلے میں چوکس اور مستعد رہنے کو کہتے ہیں۔" (6)

قرآن کریم کے مطابق بیداری کے معنی خود آگاہی کے ہیں۔ انسان اپنی فطرت اور باطن میں موجود استعداد کی پرورش کرے اور اسے زندہ کرکے اپنی حقیقت کو دوبارہ پائے۔ پس انسان کی ذات اور ذاتی جوہر کو دوبارہ پانا اور خودآگاہی حاصل کرنا بیداری ہے۔ (7)

بیداری یعنی خود آگاہی کے تین درجے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ا۔ فطری بیداری

اس طرح کی بیداری غور و فکر کی قسم اور حصول علم نہیں ہے بلکہ ایک حضوری علم ہے، یہ بیداری اصلی اور حقیقی ہے اور یہی انسان کی عین شخصیت ہے۔ اس میں انسان اپنی حقیقت کو حاصل کرتا ہے۔

۲۔ عالمی بیداری

اس سے مراد اپنے بارے میں آگاہی کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں پر ہوں اور کہاں جا رہا ہوں؟ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (8)

ترجمہ: "ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کی بارگاہ میں واپس جانا ہے۔"

۳۔ عرفانی بیداری

یہ خدا کے ساتھ رابطے کے سلسلے میں بیداری ہے انسان خدا کے ساتھ رابطے کے لئے اپنے آپ کو بیدار کرے، یہی سب سے مکمل اور اونچا مرتبہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ... (9)

ترجمہ: "اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا۔"

پس یہ بیداری کے وہ درجات ہیں جنہیں حاصل کر کے انسان صحیح پیروکار دین بن سکتا ہے، بیداری کو علمائے کرام نے انسان کے اسلامی، ایمانی، انفرادی اور اجتماعی سفر کی بنیاد اور سیڑھی قرار دیا ہے۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ جو دین اسلام کا پیروکار اور فرمابردار ہے وہ مسلم ہے اور انسان، مسلمان اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ فکری طور پر بیدار نہ ہو کیونکہ اسلام دین حق ہے اور ہر بات بغیر منطق نہیں کرتا، دین اسلام فکری اور عملی بیداری کی بات کرتا ہے اور سوئے ہوئے اذھان کو مکھی و مچھر سے تعبیر کرتا ہے۔
ایک آگاہ و بیدار مسلمان میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

1. وہ اسلام کی حقیقت کی گہری پہچان و معرفت رکھتا ہے۔
2. دین پر اس کا ایمان منطقی بنیاد پر ہوتا ہے۔

3. اسلام اس کے احساسات میں جگہ رکھتا ہے اور اس کے جذبات اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہوں۔
4. اسلام اس کی عملی و ذاتی زندگی میں جلوہ گر رہتا ہو۔

یہی وہ خصوصیات ہیں جو انسان کو کمال تک پہنچاتی ہیں اور اسی کی بدولت انسان وسیع النظری سے چیزوں کو دیکھتا ہے اور اجتماعیت اور بھائی چارگی پر زور دیتا ہے، یہی وہ تصور ہے جو اسلام نے دیا جسے امت کہا گیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر کرکے دکھایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ سوئے ہوئے ذھنوں کو جگانے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک اُمت بنانے آئے تھے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح بکھری انسانیت کو بیدار کرکے ایک اُمت بنایا۔ جس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

مسجد نبوی کی تعمیر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک مسجد بنائی جائے جو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا سینٹر اور نماز کے وقت جمع ہونے کی جگہ قرار پائے تاکہ دنیا کو علم ہو جائے کہ مسلمان ایک امت ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی مدد سے مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا گیا۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پہلا اجتماعی قدم تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں اجتماعیت پر زور دیا تاکہ مسلمانوں کو یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ ایک اُمت ہیں۔

مسجد صرف عبادت کے لئے مخصوص قرار نہیں دی بلکہ اتحاد و یگانگت کی مثال قائم کی جو کہ آج پوری دنیا میں نمونہ عمل ہے، مسجد میں اُمت کے مسائل اور ان کے سدباب کے اقدامات نیز مسلمانوں کے حالت زار ایک دوسرے پر واضح ہو، چاہئے ملی سطح پر ہو، معاشی سطح پر یا ثقافتی سطح پر۔

پہلا اسلامی اساسی قانون

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں قیام کے بعد یہ ضرورت محسوس کی کہ لوگوں کی اجتماعی حالت کو منظّم کریں یعنی مسلمانوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ ایک اُمت ہیں۔ ہمیشہ بلند اہداف کو حاصل کرنے کے لئے انفرادیت کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وقت مدینے کی آبادی کی ترکیب غیر

مناسب تھی عرب کے متعدد گروہ اس شہر میں آباد تھے اور ان میں سے ہر فرد دو بڑے قبائل اوس و خزرج میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد اب مکہ کے مسلمان بھی بڑھ گئے تھے، اسی بناء پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیمان نامہ لکھوایا جسے اسلام میں پہلا اساسی قانون کا نام دیا گیا۔

اس قرارداد نے مدینے میں رہنے والے مختلف گروہوں کے حقوق معین کئے اور یہ قانون شہری آبادی میں نظم و عدالت کو برقرار رکھنے کا ضامن اور ہر طرح کے ہنگامے اور اختلاف کے جنم لینے میں رکاوٹ بنا۔ اس عہد نامے کے اہم نکات یہ ہیں:

1) مسلمان اور یہودی ایک امت ہیں۔ یہاں یہودی سے مراد بنی عمرو بن عوف اور مدینہ کے تمام مقامی یہودی ہیں۔

2) مسلمان اور یہودی اپنے دین کی پیروی میں آزاد ہیں۔

3) قریش کے مہاجرین، اسلام سے قبل اپنی سابق رسم خون بہا دینے پر باقی رہیں گے۔ اگر ان کا کوئی فرد کسی کو قتل کرے یا اسیر ہو تو عدالت کے جذبے کے تحت سب مل کر اس کا خون بہا دیں اور فدیہ دے کر آزاد کرائیں۔

4) بنی عمرو بن عوف اور تمام دوسرے قبیلے بھی خون بہا اور فدیہ کے سلسلے میں اسی طرح عمل کریں۔

5) کوئی یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی کے غلام، فرزند یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کو بغیر اس کی اجازت کے پناہ دے۔

6) اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ سب مل کر شہر مدینہ کا دفاع کریں۔

7) مدینہ ایک مقدس شہر ہے اس میں ہر طرح کا خون خرابہ حرام ہوگا۔

8) اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو دور کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔ (10)

یہ پیمان شہر کے امن کو برقرار رکھنے میں موثر ثابت ہوا۔ اس معاہدے کی بدولت مسلمان ایک اجتماع کی صورت میں سامنے آئے۔

مواخات، اُمت کا اصل مقصود

ہجرت کے پہلے سال رسول اکرم ﷺ نے اہم اجتماعی اقدام یہ کیا کہ مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ اخوت وبرادری برقرار کیا۔ دورِ جاہلیت میں ان دونوں کے درمیان نسلی کشمکش پائی جاتی تھی۔ دونوں گروہ ایک دوسرے سے جداماحول کے عادی تھے مگر اب نورِ اسلام کے سبب آپس میں دینی بھائی ہوگئے تھے اور ایک ساتھ مدینے میں رہتے تھے۔

یہ وہ اصل معاہدہ تھا جس نے اسلام کے اجتماعی اصول واساس یعنی 'اُمت' کو جنم دیا، دور جاہلیت سے نکال کر اور بیدار کرکے ایک اُمت بنایا تاکہ دین اسلام ایک طاقت کی طرح اُبھرے اور دین اسلام کا غلبہ دنیا کے ہر کونے میں ہو جائے۔

پیغمبر اقدس ﷺ نے ان دو گروہوں کے درمیان رشتہ اخوت وبرادری قائم کیا اور ہر مہاجر کو انصار میں سے کسی ایک کا بھائی بنایا اور حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا۔ یہ عہد وپیمان مہاجرین اور انصار کے درمیان مزید اتحاد واتفاق کا باعث بنا۔ انصار نے پہلے سے زیادہ، مہاجرین کی مالی امداد کی اور مہاجرین نے ان کی کوششوں کا شکریہ بھی ادا کیا جو بارگاہِ پیغمبر ﷺ میں حیرت کا باعث تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ واضح کردیا کہ قوم جغرافیائی حدود سے بنتی ہے جبکہ اُمت اعتقادی حدود میں بنتی ہے۔ اُمت میں رنگ، نسل، قبیلہ، برادری نہیں ہوتا بلکہ امت کا دائرہ وہاں تک پہنچتا ہے جہاں اعتقاد کے پیروکار موجود ہوں۔

خطبہ حجۃ الوداع 'بیداریٔ اُمت' کی بہترین مثال

حج اسلام کا ایک عبادی اور سیاسی رکن ہے۔ یہ ایک اجتماعی عبادت ہے جس کے ذریعے اُمت مسلمہ ایک مقام پر اپنے ہاتھ پر ظاہر کرتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ جب حج کے حوالے سے آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ مدینے اور اطراف کے مسلمانوں کے ساتھ حج کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتائے ہوئے حقیقی حج کو انجام دیا اور حج کے ارکان کی لوگوں کو تعلیم دی۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے مناسک حج کے دوران روزِ عرفہ، عرفات کے میدان میں حاجیوں کے جم غفیر میں ایک بہت ہی اہم اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا اور ان باتوں کی بار بار تاکید اور وصیت فرمائی۔ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

اے لوگو! جب تک تم لوگ خدا سے ملاقات نہ کرلو تم سب لوگوں کے خون، اموال ناموس اور آبرو بالکل اس مہینے اور اس دن کی حرمت کی طرح محترم ہیں اور ان میں سے کسی پر تجاوز کرنا حرام ہے۔

جاہلیت میں بہائے جانے والے خون کا بدلہ، اسلام کے زمانہ میں ناقابل اجراء ہے اور ربا حرام ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے حرام مہینوں میں تبدیلی یا ان کے مؤخر کرنے کا سبب کفر میں افراط کو قرار دیا اور فرمایا کہ یہ بھی آج کے بعد ممنوع ہے۔

عورتوں کے حقوق کے متعلق وصیت فرمائی کہ:

"عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا کی امانتیں ہیں اور قوانین الٰہی کے ذریعے تمہارے اوپر حلال ہوئی ہیں۔"

اس کے بعد فرمایا کہ:

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں نہ کسی کالے کو کسی گورے پر معیار ہو تو وہ صرف تقویٰ ہے۔"

آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ:

"حاضرین، غائبین تک میرا یہ پیغام پہنچادیں کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے اور تم مسلمانوں کے بعد کوئی اُمت نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جاہلیت کی رسم و رواج اور عقائد کو بالکل کالعدم اور باطل قرار دے دیا۔" (11)

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں دوبارہ اُمت کو بیدار کیا کہ دورِ جاہلیت کی ہر رسم باطل ہے تاکہ یہ بات مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔ رسول اکرم ﷺ جو لوگوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے آئے تھے اسی وجہ سے اپنے آخری خطبہ میں آپ ﷺ نے ان تمام باتوں کو بیان کیا جو دین اسلام کی تعلیمات تھیں اور آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو عملی جامہ پہنایا۔ آپ ﷺ نے

لوگوں کے ذہنوں کو تبدیل اور بیدار کیا تاکہ وہ صرف ایمان کا لبادہ نہ اوڑھیں بلکہ کلی طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں۔

رسول ﷺ نے مسلمانوں کو ایک امت کی صورت میں ابھارا، بھائی چارگی قائم کی، ہر کسی کو تقوی کی اہمیت دی گئی۔ رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کو ہر دور کے لیے واضح پیغام دے دیا کہ تم مکہ کے ہو یا مدینے کے، یمن کے ہو یا افریقہ کے، یورپ کے ہو، مشرقی ہو یا مغربی خواہ کسی علاقے یا کسی قوم سے تعلق تمہاری پہچان نہ بنے بلکہ تمہاری پہچان خالص اسلام ہے یہی وہ پیغام ہے جو ذہنوں کو بیدار کرکے دیا گیا۔ لیکن عہد رسول ﷺ کے بعد امت مسلمہ کا رخ دور جاہلیت کی جانب گامزن ہوا۔ وہی معیارات جو قبل از اسلام تھے جن کی نشاندہی رسول ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں کی تھی دوبارہ سر اٹھانے لگے اور اس طرح امت کا مرکزی نقطہ حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی جس کو تھام کر امت کو چلنا تھا اس کو چھوڑ دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ کے بعد امت گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور سب نے حبل اللہ میں سے دھاگے الگ الگ کرکے پکڑ لئے اور ہر گروہ یہ سمجھنے لگا کہ ہم کامیاب ہیں جبکہ کامیاب وہ ہے جو اصل حبل اللہ کو تھامے ہوئے ہیں۔ آج مسلمانوں کی ذلت کا سبب یہی ہے کہ وہ دھاگوں کو تھام کر سمجھ رہے ہیں کہ ہم ہی درست سمت پر ہیں۔ امت مسلمہ سے حبل اللہ چھین کر ان کے درمیان قومیت، علاقائیت، لسانیت، قبائلیت جیسی چیزیں ڈال دی گئی۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ متعصب قوم مسلمان ہیں۔ دین اسلام مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ بیدار ہو جاؤ اور امت بن جاؤ۔ رسول ﷺ نے مسلمانوں کو انفرادی فرائض سے بعد میں آگاہ کیا پہلے اجتماعی فرائض لوگوں پر لاگو کیئے۔

عصر حاضر بھی اسی امر کا متقاضی ہے کہ مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑے اور تمام مسلمان ایک اُمت کی طرح دوبارہ ابھریں۔ استعماری قوتوں کی روز اول سے یہ سازش رہی ہے کہ کسی طرح اُمت مسلمہ کو غفلت میں مبتلا رکھا جائے جس کے لئے استعماری طاقتیں مستقل مزاجی کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہیں۔ استعمار اس بات کا خواہش مند ہے کہ امت مسلمہ میں بیداری کا سرے سے نام و نشان ختم کر دیا جائے۔

امام خمینیؒ جنہوں نے ایران میں شہنشاہیت کو ہلا کر رکھ دیا۔ آپ نے ۱۹۷۹ء میں الجزائر میں منعقدہ دنیا کی تحریک آزادی کی تنظیموں کے اجلاس میں پیغام دیا کہ

"اے دنیا بھر کے مسلمانو اور اے کمزورو اُٹھو، اے انسانوں کے ناپید سمندر اٹھو اور موج کی شکل اپناو اپنی اسلامی اور قومی عزت و وقار کا دفاع کرو۔" (12)

عالم اسلام میں بہت سی ایسی ہستیاں گزری ہیں جنہوں نے عالم اسلام کو جنجوڑا، بیدار کیا کیونکہ امت مسلمہ کی بیداری لکڑی کے انبار میں آگ کا کام کر سکتی ہے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کی بیداری بہت ضروری ہے اگر آج مسلمان بیدار نہ ہوئے تو ان کا حال بھی قوم بنی اسرائیل کی طرح ہو گا۔ دین اسلام ذہنوں کی تبدیلی کی بات کرتا ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ذہنوں کو بیدار کیا اور الٰہی نظام قائم کیا اور ہر چیز کا معیار تقویٰ قرار دیا۔ آج بھی اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ الٰہی نظام رائج ہو اور امت مسلمہ بیدار ہو جائے اور تاریخ میں اپنا نام ایک بار پھر رقم کرے۔

*****

حوالہ جات

1۔ مولانا ابو فتح عزیزی، مفتاح اللغات، محمد حسین تاجران کتب، ص ۱۲۴
2۔ مولانا سعد حسن یوسفی وغیرہ، المنجد، عربی اردو لغت، دارالاشاعت، ص ۶۲
3۔ ڈاکٹر علی شریعتی، امت اور امامت، مصباح القرآن ٹرسٹ، ۲۰۰۰، ص ۳
4۔ مولانا سعد حسن یوسفی وغیرہ، المنجد، عربی اردو لغت، دارالاشاعت، ص ۴۸۷
5۔ حج: ۷۸
6۔ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی و نگارش، تفسیر نمونہ، مصباح اللغات، ۱۴۱۵ھ، ج ۴، ص ۸۹
7۔ islamquest.net
8۔ بقرہ: ۱۵۶
9۔ حشر: ۱۹
10۔ ہشام، ابو محمد عبدالملک بن، سیرت النبی ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۸۷ ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۵، ص: ۵۰۱
11۔ شاہ مصباح الدین، سیرت احمد مجتبیٰ، ج ۳، پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی، ص ۶۸۱۔۶۸۵
12۔ محمد علی تسخیری، امام خمینی اور اسلامی بیداری، ادارہ ترجمہ واشاعت، ۱۴۱۷ھ، ص ۲۴

افسانہ شرح صدر کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر سید حیدر عباس واسطی*

dr.sha.wasti@gmail.com

کلیدی کلمات: سیرت، رسولؐ، شقّ صدر، خطبہ، حجۃالوداع۔

خلاصہ

بعض سیرت نگاروں نے جعلی احادیث کو اپنا مآخذ قرار دیا اور قرآن مجید میں سیرتِ رسولؐ سے متعلق نازل ہونے والی آیات کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ان وضعی احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شانِ پیغمبرؐ اور قرآن مجید کے سراسر خلاف ہیں۔ دراصل انھوں نے رسول اکرمؐ کے بارے میں نازل ہونے والی قرآنی آیات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی وارثانِ قرآن مجید کی طرف ان کو سمجھنے کے لیے رجوع کیا بلکہ قرآن کی آیات کی غلط تفاسیر ااور تاویلات کو اپنے ہاں نقل کرلیا۔ بنابریں سیرت طیبہ جو کہ قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے، اسے داغدار کردیا گیا۔ آپؐ نے آخری ایام میں صحابہ کے ساتھ پہلا اور آخری حج کیا اور واپسی پر جب 18/ذی الحجۃ 10 ہجری کو غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے ایک یادگار خطبہ دیا جو خطبہ حجۃ الوداع کہلاتا ہے اس خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جن میں ایک اللہ کی کتاب دوسری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں یہ حوضِ کوثر تک جدا نہ ہونگے اور جو لوگ ان دونوں سے متمسک رہے وہ کبھی گمراہ نہ ہونگے۔“ لیکن مسلمانوں نے نا صرف آپ کی تعلیمات کو بھلا دیا بلکہ اس کے برخلاف افسانوی احادیث کو قبول کرلیا جس کے منفی اثرات مرتب ہوئے اور آپؐ کی عصمت سے متعلق مسلمانوں میں یہ نظریہ پیدا ہوا کہ رسولِ اکرمؐ ہم جیسے بشر تھے اور معصوم نہیں تھے اور آپؐ کی حیات میں چار دفعہ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا!! اس مقالے میں شق صدر سے متعلق روایات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانوی نظریہ سے متعلق اُمتِ مسلمہ دو گروہوں میں بٹ گئی اور دونوں کے درمیان اس قسم کی احادیث کی قبولیت پر تضاد پایا جاتا ہے۔

---

*۔ ڈائریکٹر زیدؒ شہید اکیڈمی

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرت پر قلم اُٹھانے والے سیرت نگاروں نے اموی اور عباسی حکمرانوں کے دور میں وضع کی گئی جعلی احادیث کو اپنا مآخذ قرار دیا اور قرآن مجید میں سیرتِ رسول ﷺ سے متعلق نازل ہونے والی آیات کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ان جعلی، وضعی اور بے سروپاء روایات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شانِ پیغمبر ﷺ اور قرآن مجید کے سراسر خلاف ہیں۔

بعض سیرت نگاروں نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں نازل ہونے والی قرآنی آیات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ ان کو سمجھنے کے لئے ہی وارثانِ قرآن مجید کی طرف رجوع کیا بلکہ قرآن کی آیات کی غلط تفاسیر ااور تاویلات کو اپنے ہاں نقل کرلیا جس کے سبب مسلمان گمراہی کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ اس طرح آپ ﷺ کی سیرت جو کہ قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے ایک رول ماڈل کے طور پر پیش کی جاتی اسے داغدار کردیا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے حیاتِ ظاہری کے اختتام کے موقع پر صحابہ کے ساتھ پہلا اور آخری حج کیا اور واپسی پر جب ۱۸/ذی الحجۃ ۱۰ ہجری کو غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے ایک یادگار خطبہ دیا جسے خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

إنی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتی أهل بيتی ، ما أن تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی أبدا الحوض (1)

یعنی: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جن میں ایک اللہ کی کتاب دوسری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں یہ حوضِ کوثر تک جدا نہ ہونگے اور جو لوگ ان دونوں سے متمسک رہے وہ کبھی گمراہ نہ ہونگے۔

اُمتِ مسلمہ نے ناصرف آپ کی تعلیمات کو بھلا دیا، بلکہ اس کے برخلاف عشقِ رسول ﷺ میں افسانوی روایات کو دل وجان سے قبول کرلیا جس کے منفی اثرات مرتب ہوئے اور آپ ﷺ کی عصمت سے متعلق مسلمانوں میں یہ نظریہ پیدا ہوا:

"رسولِ اکرم ﷺ ہم جیسے بشر تھے اور معصوم نہیں تھے اسی لیے آپ ﷺ کی حیات میں چار دفعہ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا۔"

جن لوگوں نے غدیر خم پر دیے گیے آپ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو یاد رکھا اُنہوں نے اس نظریہ کو آج تک قبول نہ کیا اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے اقوال کی روشنی میں یہ مانا کہ رسولِ اکرم ﷺ نور تھے اور شقِ صدر کا کوئی واقعہ رونماء ہی نہیں ہوا۔

اس افسانوی نظریہ سے متعلق اُمتِ مسلمہ دو گروہوں میں بٹ گئی اور دونوں کے درمیان اس قسم کی احادیث کی قبولیت پر تضاد پایا جاتا ہے۔ جو لوگ ایسی روایتوں کو قبول کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان کے اصحاب دین کے رہنماء تھے اور تمام اصحاب ستاروں کی مانند تھے کسی کی بھی پیروی کی جاسکتی ہے۔ مگر جن لوگوں نے خطبہ حجۃ الوداع کو یاد رکھا اور مذکورہ حدیث کو پیشِ نظر رکھا اُن کا ماننا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ معصوم اور مجسم نور تھے اور ایسے نظریات رکھنے والا معرفت رسول ﷺ نہیں رکھتا۔

اب ہم اس نظریے کی اساس کے طور پر بیان کی جانے والی احادیث کو اُن کے بیان کرنے والے محدثین کے حوالے سے یہاں نقل کرینگے۔

الشيخ الإمام الحافظ أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاری

جو 194ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے ان کی معروف کتاب صحیح بخاری میں شقِ صدر کے حوالے سے شقِ صدر کی حدیث کو کئی مرتبہ درج ذیل انداز میں نقل کی گیا ہے:

پہلی روایت صحیح بخاری کی کتاب الصلاۃ باب کیف فرضت الصلوات. میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن يونس عن ابن شهاب عن أنس بن مالك قال كان أبو ذر يحدث: أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال فرج عن سقف بيتي وأنا بمكة فنزل جبريل ففرج صدری ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلىء حكمة وإيمانا فأفرغه فی صدری ثم أطبقه ثم أخذ بيدی فعرج بي إلى السماء الدنيا فلما جئت إلى السماء الدنيا۔ (2)

یعنی: "ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث بن سعد نے، اُنہوں نے یونس سے اُنہوں نے ابن شہاب سے، اُنہوں نے انس بن مالک سے، اُنہوں نے کہا حضرت ابو ذر غفاری یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ

میں تھا پھر حضرت جبرائیلؑ اُترے اُنھوں نے میرا سینہ چیرا پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا پھر ایک سونے کا طشت لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا وہ میرے سینے میں ڈال دیا پھر سینہ جوڑ دیا اس پر مہر لگادی پھر اُنھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان اول کی طرف لے کر چلے گئے۔

دوسری روایت صحیح بخاری کی کتاب الحج، باب ما جاء فی زمزم میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

وقال عبدان أخبرنا عبد الله أخبرنا يونس عن الزهري قال أنس بن مالك كان أبو ذر رضي الله عنه يحدث: أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال (فرج سقفي وأنا بمكة فنزل جبريل عليه السلام ففرج صدري ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وإيمانا فأفرغها في صدري ثم أطبقه ثم أخذ بيدي فعرج إلى السماء الدنيا. (3)

یعنی: عبدان نے کہا مجھ سے عبداللہ بن مبارک نے خبر دی کہا ہم کو یونس نے، اُنھوں نے زہری سے کہ انس بن مالک نے کہا ابو ذر حدیث بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میری چھت چیری گئی اس وقت میں مکہ میں تھا اور جبرائیلؑ اُترے، انہوں نے میرا سینہ چاک کیا پھر زمزم کے پانی سے اس کو دھویا بعد اس کے ایک سونے کا طشت لائے جو علم اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، وہ میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر سینہ جوڑ دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر پہلے آسمان پر مجھ کو چڑھا لے گئے۔

تیسری روایت صحیح بخاری کی کتاب فضائل الصحابة، باب المعراج میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

حدثنا هدبة بن خالد حدثنا همام بن يحيى حدثنا قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة رضي الله عنهما: أن نبي الله صلى الله عليه و سلم حدثهم عن ليلة أسري به (بينما أنا في الحطيم وربما قال في الحجر مضطجعا إذ أتاني آت فقد. قال وسمعته يقول فشق. ما بين هذه إلى هذه. فقلت للجارود وهو إلى جنبي ما يعني به؟ قال من ثغرة نحره إلى شعرته وسمعته يقول من قصه إلى شعرته. فاستخرج قلبي ثم أتيت بطست من ذهب مملوءة إيمانا فغسل قلبي ثم حشي ثم أعيد ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار أبيض. فقال له الجارود هو البراق يا

أبا حمزة ؟ قال أنس نعم ـ يضع خطوه عند أقصى طرفه فحملت عليه فانطلق بي جبريل حتى أتى السماء الدنيا۔ (4)

یعنی: ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا کہا ہم سے ہمام بن یحییٰ نے کہا ہم سے قتادہ نے، انہوں نے انس بن مالک سے انہوں نے مالک بن صعصعہ سے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے معراج کی رات کا قصہ بیان کیا۔ فرمایا ایسا ہوا کہ میں حطیم یا حجر میں لیٹا ہوا تھا اتنے میں ایک آنے والا آیا اور اُس نے میرا سینہ چیر ڈالا۔ قتادہ نے کہا میں نے انس سے سُنا وہ کہتے تھے یہاں سے یہاں تک تو مین جارود سے جو میرے پاس بیٹھے تھے پوچھا اس سے کیا مطلب ہے۔ انہوں نے کہا گدگدی سے ناف تک اور میں نے انس سے سنا وہ کہتے تھے سینے کے سرے سے ناف تک خیر میرا دل نکالا پھر ایک سونے کا طشت لائے جو ایمان سے بھرا ہوا تھا میرا دل دھویا گیا پھر بھرا گیا پھر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اس کے بعد ایک نقرہ جانور لایا گیا جو خچر سے ذرا نیچا اور گدھے سے کچھ اونچا تھا۔ جارود نے انس سے پوچھا ابو حمزہ یہ جانور براق تھا انہوں نے کہا ہاں وہ قدم وہاں ڈالتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی۔ میں اس پر سوار کیا گیا اور جبرائیل مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ نزدیک والے پہلے آسمان پر پہنچا۔

چوتھی روایت صحیح بخاری کی کتاب بداء الخلق، باب ذکر الملائکۃ میں اس طرح نقل کی گئی ہے۔

حدثنا هدبة بن خالد حدثنا همام عن قتادة. وقال لي خليفة حدثنا يزيد بن زريع حدثنا سعيد وهشام قالا حدثنا قتادة حدثنا أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة رضي الله عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه و سلم (بينا أنا عند البيت بين النائم واليقظان۔ وذكر يعني رجلا بين الرجلين۔ فأتيت بطست من ذهب ملئ حكمة وإيمانا فشق من النحر إلى مراق البطن ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ حكمة وإيمانا وأتيت بدابة أبيض دون البغل وفوق الحمار البراق فانطلقت مع جبريل حتى أتينا السماء الدنيا۔ (5)

یعنی: ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا کہا ہم سے ہمام نے، انہوں نے قتادہ سے، کہا مجھ سے خلیفہ بن خیاط نے کہا ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا کہا ہم سے سعید اور ہشام نے ان دونوں

نے کہا ہم سے قتادہ نے کہا ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا انہوں نے مالک بن صعصعہ سے، انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایک بار خانہ کعبہ کے پاس بیچ و بیچ کی حالت میں تھا نہ سوتا نہ جاگتا اور آپ ﷺ نے ذکر کیا اس مرد کا جو دو مردوں کے بیچ میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت کا بھرا ہوا میرے پاس لایا گیا، میرا سینہ پیٹ کے نیچے تک چیرا گیا۔ پھر زمزم کے پانی سے پیٹ دھویا گیا پھر ایمان اور حکمت سے جو سونے کے طشت میں لائے تھے پیٹ بھر دیا گیا اس کے بعد ایک جانور میرے سامنے لایا گیا یعنی براق جو خچر سے ذرا چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا پھر میں جبرائیل کے ساتھ چلا پہلے آسمان پر پہنچا۔

پانچویں روایت صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء، باب ذکر ادریس (ع) میں اس طرح نقل کی گئی ہے:۔

قال عبدان أخبرنا عبد الله أخبرنا يونس عن الزهري (ح). حدثنا أحمد بن صالح حدثنا عنبسة حدثنا يونس عن ابن شهاب قال قال أنس كان أبو ذر رضي الله عنه يحدث: أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال (فرج سقف بيتي وأنا بمكة فنزل جبريل ففرج صدري ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وإيمانا فأفرغها في صدري ثم أطبقه ثم أخذ بيدي فعرج بي إلى السماء فلما جاء إلى السماء الدنيا قال جبريل لخازن السماء۔ (6)

یعنی: عبدان نے کہا ہم کو عبداللہ بن مبارک نے خبر دی کہا ہم کو یونس نے، انہوں نے زہری سے دوسری سند: ہم سے احمد بن صالح نے بیان کیا، کہا ہم سے عنبسہ نے کہا ہم سے یونس نے انہوں نے ابن شہاب سے انس نے کہا ابوذر غفاری آنحضرت ﷺ سے یوں روایت کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا میرے گھر کی چھت کھولی گئی اس وقت میں مکہ میں تھا اور جبرائیل اترے، انہوں نے میرا سینہ چیرا، زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر سونے کا طشت لائے جو ایمان اور حکمت سے لبالب تھا وہ میرے سینے میں ڈال دیا پھر سینہ جوڑ دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر پہنچے۔

چھٹی روایت صحیح بخاری کے باب قوله { وكلم الله موسى تكليما } / النساء 164، میں اس طرح نقل کی گئی ہے اس کا متن تقریباً حسب سابق ہی ہے لہٰذا اس کا ترجمہ یہاں نقل نہیں کیا جا رہا ہے:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله حدثني سليمان عن شريك بن عبد الله أنه قال سمعت أنس بن مالك يقول: ليلة أسري برسول الله صلى الله عليه و سلم من مسجد الكعبة إنه جاءه ثلاثة نفر قبل أن يوحى إليه وهو نائم في المسجد الحرام فقال أولهم أيهم هو؟ فقال أوسطهم هو خيرهم فقال آخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك الليلة فلم يرهم حتى أتوه ليلة أخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه وكذلك الأنبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم فلم يكلموه حتى احتملوه فوضعوه عند بئر زمزم فتولاه منهم جبريل فشق جبريل ما بين نحره إلى لبته حتى فرغ من صدره وجوفه فغسله من ماء زمزم بيده حتى أنقى جوفه ثم أتى بطست من ذهب فيه تور من ذهب محشوا إيمانا وحكمة فحشى به صدره ولغاديده يعني عروق حلقه ثم أطبقه ثم عرج به إلى السماء الدنيا۔ (7)

مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس واقعہ کو باب الإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- إِلَى السَّمَوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ. (73) میں اس طرح نقل کیا ہے:۔

حَدَّثَنِى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِىُّ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ- صلى الله عليه وسلم- « أُتِيتُ فَانْطَلَقُوا بِى إِلَى زَمْزَمَ فَشُرِحَ عَنْ صَدْرِى ثُمَّ غُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ أُنْزِلْتُ. (8)

یعنی: انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس فرشتے آئے اور مجھے لے گئے زمزم کے پاس پھر چیرا گیا سینہ میرا اور دھویا گیا زمزم کے پانی سے پھر چھوڑ دیا گیا میں جگہ پر۔

مسلم نے اس روایت کو اس طرح بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے:

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِىُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَتَاهُ جِبْرِيلُ -صلى الله عليه وسلم- وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ. ثُمَّ غَسَلَهُ فِى طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لأَمَهُ ثُمَّ أَعَادَهُ فِى مَكَانِهِ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ

إِلَى أُمِّهِ - يَعْنِى ظِئْرَهُ - فَقَالُوا إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ. فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ. قَالَ أَنَسٌ وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ. (9)

یعنی: انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبرائیل آئے اور آپ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے انہوں نے آپ کو پکڑا اور پچھاڑا اور دل کو چیر کر نکالا پھر اس میں سے ایک پھٹکی جدا کر ڈالی اور کہا کہ اتنا حصہ شیطان کا تھا تم میں پھر اس دل کو دھویا سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے پھر جوڑا اس کو اور اپنی جگہ میں رکھا اور لڑکے دوڑے ہوئے آپ کی ماں کے پاس آئے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انا کے پاس اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مار ڈالے گئے یہ سن کر لوگ دوڑے دیکھا تو آپ صحیح وسالم ہیں اور آپ کا خوف سے رنگ بدل گیا ہے۔ انس نے کہا میں اس سلائی کا نشان آپ کے سینے پر دیکھتا تھا۔"

صحیح مسلم میں تیسری روایت اس طرح نقل ہوئی ہے:

وَحَدَّثَنِى حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِى يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ '' فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِى وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ -صلى الله عليه وسلم- فَفَرَجَ صَدْرِى ثُمَّ غَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا فَأَفْرَغَهَا فِى صَدْرِى ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِى فَعَرَجَ بِى إِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا-(10)

یعنی: انس بن مالک سے روایت ہے کہ ابو ذری غفاری یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا توڑا گیا چھت میرے مکان کا اور میں مکہ میں تھا اور جبرائیل اترے انہوں نے میرا سینہ چیرا پھر اس کو دھویا زمزم کے پانی سے پھر ایک طشت لائے سونے کا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا اور انڈیل دیا اس کو میرے سینہ میں بعد اس کے ملا دیا سینے کو اور میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان پر پہنچے۔

صحیح مسلم میں چوتھی روایت اس طرح نقل ہوئی ہے:۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ « فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلَى مَرَاقِّ الْبَطْنِ فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا.(11)

یعنی: مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی حدیث جو اوپر بیان کی گئی ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ میرے پاس ایک طشت لایا گیا سونے کا جو بھرا ہوا تھا حکمت اور ایمان سے پھر چیرا گیا سینے سے لے کر پیٹ کے نیچے تک اور دھویا گیا زمزم کے پانی سے اور بھرا گیا حکمت اور ایمان سے۔

ترمذی نے اپنی کتاب سنن الترمذي میں اس واقعہ کو باب 82 ومن سورة ألم نشرح میں اس طرح نقل کیا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر و ابن أبي عدى عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة رجل من قومه: أن النبى صلى الله عليه و سلم قال بينما أنا عند البيت بين النائم واليقظان إذ سمعت قائلا يقول أحد بين الثلاثة فأتيت بطست من ذهب فيها ماء زمزم فشرح صدرى إلى كذا وكذا قال قتادة قلت يعنى قلت لأنس بن مالك ما يعنى؟ قال إلى أسفل بطنى فاستخرج قلبى فغسل قلبى بماء زمزم ثم أعيد مكانه ثم حشى إيمانا وحكمة وفى الحديث قصة طويلة۔(12)

یعنی: حضرت انس بن مالک اپنی ہی قوم کے ایک شخص مالک بن صعصعہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں بیت اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نہ سو رہا تھا اور نہ ہی جاگ رہا تھا کہ ایک شخص کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ دو اور بھی تھے وہ لوگ ایک طشت لائے جس میں زمزم تھا۔ اس نے میرے سینے کو چاک کیا یہاں تک کہ قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس سے پوچھا کہ کیا مطلب؟ تو فرمایا: پیٹ کے نیچے تک۔ پھر میرے دل کو نکالا اور آبِ زمزم سے

دھونے کے بعد واپس اسی جگہ لگا دیا۔ پھر اس میں ایمان و حکمت بھر دیا گیا اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔ (یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں ابو ذر سے بھی روایت ہے)۔

شقِ صدر کی اس حدیث پر بحث کرنے سے قبل ہم یہاں پر رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جسے ترمذی نے مختلف حوالوں سے اپنے ہاں نقل کیا ہے:

حدثنا إسماعيل بن موسى الفزاری ابن بنت السدی حدثنا شريك بن عبد الله عن منصور بن المعتمر عن ربعی بن حراش عن علی بن أبی طالب قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا تكذبوا علی فإنه من كذب علی يلج فی النار۔ (13)

یعنی: ربعی بن حراش سے روایت ہے، اس نے سنا حضرت علیؑ سے وہ خطبہ پڑھ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مت جھوٹ باندھو میرے اوپر، جو جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کی ذات پر قصداً جھوٹ بولنے والوں کے متعلق آپ ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث پر غور کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچے گے رسولِ اکرم ﷺ کے دور میں ایسے افراد موجود تھے جو آپ ﷺ کی ذات سے متعلق جھوٹ بولتے تھے جنہیں آپ نے نا صرف تنبیہ کی بلکہ ان کے انجام سے بھی سب کو باخبر کر دیا، لیکن کچھ لوگوں کو کسی سے ضد ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کہ بات جائز ہے لیکن میں نہیں مان سکتا کیونکہ میرا دل اس بات کو قبول نہیں کرے گا۔ اب ان لوگوں کو کیا کہا جا سکتا ہے کہ جو رسولِ اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی احادیث منسوب کرتے ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی جانب سے ایسے لوگوں کا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے بغیر تحقیق کے اس افسانوی احادیث کو قبول کر لیا، اپنا اور جھوٹی روایتوں کو بیان کرنے والوں کے انجام کی بھی پرواہ نہ کی۔

جبکہ اہلبیت رسول ﷺ سے متمسک ہونے والے گروہ کا کہنا ہے کہ وہ جھوٹ بولنے والے کسی بھی راوی کی کسی فرسودہ یا افسانوی حدیث کو قبول نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی حکمتِ عملی سے جھوٹ بولنے والے راویوں کا سب کے سامنے کئی مرتبہ پردہ فاش کیا تاکہ لوگ ان سے آگاہ ہو جائیں اور ان کی کسی بات پر یقین نہ کریں لیکن جو لوگ رسول اکرم ﷺ کی شان میں ان افسانوی احادیث کے سبب گستاخی کرنے کا جواز پیاد کرتے ہیں ان سے دوری اختیار نہیں

کرتے اُنہوں نے ان باتوں کو نظر انداز کر دیا لیکن ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسے مواقع کی نشاندہی کریں جیسا کہ مصادر سے پتہ چلتا ہے وصالِ پیغمبر ﷺ کے بعد مسئلہ خلافت پر اپنی حق تلفی سے باز رکھنے کے لیے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ایک مجمع میں اصحابِ رسول ﷺ جو کہ غدیم خم میں موجود تھے انکے سامنے احتجاج کیا اور ان سے کہا کہ جو لوگ غدیم خم میں موجود تھے اور حدیثِ غدیر کو سنا ہے وہ کھڑے ہوں اور سب کے سامنے گواہی دیں، اصحاب کے ایک گروہ نے کھڑے ہو کر اس کی گواہی دی جنہیں محدثین نے شیعیان علیؑ کا نام دیا لیکن بعض اصحاب نے مخصوص وجوہات کی بناء پر گواہی نہیں دی اور مختلف حیلے بہانے پیش کیے۔ مشہور مورخین ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف اور ابن حدید نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں ان اصحاب کے نام بیان کیے جن میں سے ایک نام انس بن مالک کا بھی ہے۔

جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ: ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م276ھ) اپنی کتاب المعارف میں برص کے عنوان پر نقل کرتے ہیں کہ انس بن مالک کے چہرے پر برص کے داغ نمایاں تھے۔ ایک گروہ کا بیان ہے کہ ان سے حضرت علیؑ نے غدیر خم کی حدیث کی گواہی دینے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میں بھول گیا ہوں۔ اس موقع پر حضرت علیؑ نے بدعا فرمائی: اگر تم جھوٹ بولتے ہو تو خدا تمہیں سفیدی کے داغ میں مبتلاء کرے گا جسے تمہارا عمامہ بھی نہ چھپا سکے۔ اس روایت کا عربی متن معہ عنوان درجِ ذیل ہے:۔

أنس بن مالك كان بوجهه برص: وذكر قوم، أن ''عليا'' ـ رضى الله عنه ـ سأله عن قول رسول الله ـ صلّى الله عليه وسلم ـ: اللّهمّ وال من والاه، وعاد من عاداه ﷺ فقال: كبرت سنّى ونسيت.

فقال له على ـ رضى الله عنه ـ إن كنت كاذبا فضربك الله، ببيضاء لا تواريها العمامة. (14)

ابن حدید نے اس کی تصریح کی ہے اور لکھا ہے ابن قتیبہ نے برص کا واقعہ اور حضرت امیر المومنین کی انس بن مالک پر نفرین کو کتاب المعارف کے باب ''البرص من ایان الرجال'' میں لکھا ہے کہ ابن قتیبہ کا حضرت علیؑ سے عناد مشہور ہے۔ روایت کا عربی متن درج ذیل ہے:۔

وَ قَالَ ع لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَ قَدْ كَانَ بَعَثَهُ إِلَى طَلْحَةَ وَ اَلزُّبَيْرِ لَمَّا جَاءَ إِلَى اَلْبَصْرَةِ يُذَكِّرُهُمَا شَيْئاً مِمَّا قَدْ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اَللَّهِ ص فِي مَعْنَاهُمَا فَلَوَى عَنْ ذَلِكَ فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي أُنْسِيتُ ذَلِكَ اَلْأَمْرَ فَقَالَ ع إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَضَرَبَكَ اَللَّهُ بِهَا بَيْضَاءَ لاَمِعَةً لاَ تُوَارِيهَا اَلْعِمَامَةُ قال يعنى البرص فأصاب أنسا هذا الداء فيما بعد فى وجهه فكان لا يرى إلا متبرقعا المشهور- أن عليا ع ناشد الناس الله فى الرحبة بالكوفة فقال أنشدكم الله رجلا سمع رسول الله ص يقول لى وهو منصرف من حجة الوداع من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه فقام رجال فشهدوا بذلك فقال ع لأنس بن مالك لقد حضرتها فما بالك فقال يا أمير المؤمنين كبرت سنى وصار ما أنساه أكثر مما أذكره فقال له إن كنت كاذبا فضربك الله بها بيضاء لا تواريها العمامة فما مات حتى أصابه البرص فأما ما ذكره الرضى من أنه بعث أنسا إلى طلحة والزبير فغير معروف ولو كان قد بعثه ليذكرهما بكلام يختص بهما من رسول الله ص لما أمكنه أن يرجع فيقول إنى أنسيته لأنه ما فارقه متوجها نحوهما إلا وقد أقر بمعرفته وذكره فكيف يرجع بعد ساعة أو يوم فيقول إنى أنسيته فينكر بعد الإقرار هذا مما لا يقع. وقد ذكر ابن قتيبة حديث البرص والدعوة التى دعا بها أمير المؤمنين ع على أنس بن مالك فى كتاب المعارف فى باب البرص من أعيان الرجال وابن قتيبة غير متهم فى حق على ع على المشهور من انحرافه عنه- (15)

دوسری روایت انس بن مالک کے حوالے سے یہ بھی ملتی ہے جسے خوارزمی نے اپنی کتاب المناقب میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے:-

عن أنس بن مالك قال: اهدى لرسول الله صلى الله عليه و آله طير فقال: أللهم ائتنى بأحب خلقك اليك يأكل معى من هذا الطير، فقلت: أللهم اجعله رجلا من الانصار فجاء على فقلت: ان رسول الله صلى الله عليه و آله على حاجة، قال: فذهب ثم جاء، فقلت: أن رسول الله صلى الله عليه و آله على حاجة، قال: فذهب ثم جاء، فقال رسول الله صلى الله عليه و آله: إفتح، ففتحت ثم دخل فقال ما حديثك يا على؟ قال: هذه آخر ثلاث كرات يردنى انس، يزعم أنك على حاجة،

قال: ماحملك على ماصنعت يا أنس؟ قال: سمعت دعاءك فأحببت أن يكون فى رجل من قومى الانصار فقال النبى صلى الله عليه و آله: ان الرجل يحب قومه، ان الرجل يحب قومه)۔(16)

یعنی: "انس بن مالک کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خداﷺ کی خدمت میں ایک بھنا ہوا طائر ہدیتہ پیش کیا گیا۔ اس وقت آنحضرتﷺ نے دعا کی اے خدا جو شخص تمام مخلوق میں تیرا محبوب ترین ہو اس کو اس وقت میرے پاس بھیج دے تاکہ میرے ساتھ یہ طیر کھائے۔ انس کہتے ہیں کہ یہ سُن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے خدا وہ شخص انصار میں سے کوئی ہو۔ اس وقت علیؑ تشریف لائے۔ میں نے انہیں ٹالنے کی خاطر کہہ دیا کہ جناب رسولِ خداﷺ کام میں مشغول ہیں۔ علیؑ چلے گئے لیکن پھر آ گئے۔ میں نے پھر یہ کہ کر ٹال دیا کہ آنحضرتﷺ کام میں مشغول ہیں۔ علیؑ واپس چلے۔ لیکن پھر علیؑ آ گئے اس وقت ان کی آہٹ سُن کر رسولِ خداﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دے۔ میں نے کھول دیا اور علی اندر آئے تو آنحضرتﷺ نے علیؑ سے پوچھا کہ اے علیؑ تم اتنی دیر کیوں رکے رہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تیسری دفعہ ہے کہ میں آیا ہوں۔ ہر دفعہ انس کہتا تھا کہ آپ کام میں مشغول ہیں۔ آنحضرتﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے آپ کی دعا سنی تھی۔ میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم میں سے کوئی آجائے۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص حق سے نہیں بلکہ اپنی قوم سے محبت رکھتا ہے۔

ابن کثیر نے اس واقعہ کو اپنی کتاب البدایۃ والنھایۃ اور بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغدا میں اس واقعہ کو حدیث طیر کے عنوان سے نقل کیا ہے:۔(17)

ابن مغازلی نے اپنی کتاب مناقب میں میں حدیث طیر کو الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے لیکن اس کا مفہوم بھی اسی طرح کا ہے:۔

أخبرنا محمد بن أحمد بن عثمان، أخبرنا أبو عمر محمد بن العباس بن حيويه الخزاز وأبو بكر أحمد بن إبراهيم بن الحسن بن شاذان البزار البغداديان إذناً أن الحسين بن محمد حدثهم قال: حدثنا الحجاج بن يوسف بن قتيبة الأصفهاني، حدثنا بشر بن الحسين حدثني الزبير بن

عدی عن أنس قال: أهدی إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم طير مشوی فلما وضع بين يديه قال: «اللهم ائتنی بأحب خلقك إليك يأكل معی فی هذا الطائر» قال: فقلت فی نفسی: اللهم اجعله رجلاً من الأنصار، قال: فجاء علی فقرع الباب قرعاً خفيفاً فقلت: من هذا؟ فقال: علی! فقلت: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علی حاجة، فانصرف. قال: فرجعت إلى رسول الله فسمعته يقول الثانية: «اللهم ائتنی بأحب خلقك إليك يأكل معی من هذا الطائر»، فقلت فی نفسی: اللهم اجعله رجلاً من الأنصار، قال: فجاء علی فقرع الباب! فقلت: ألم أخبرك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم علی حاجة؟ فانصرف، ورجعت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعته يقول الثالثة: «اللهم ائتنی بأحب خلقك إليك يأكل معی من هذا الطير»، فجاء علی فضرب الباب ضرباً شديداً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «افتح، افتح، افتح» قال: فلما نظر إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «اللهم وإلی، اللهم وإلی، اللهم وإلی» قال: فجلس مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فأكل معه من الطير. (18)

ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد ہم یہ بات بیان کرینگے کہ اس واقعہ کو نقل کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نازل ہوا تو سورہ الم نشرح رسولِ اکرم ﷺ کی اس دعا کے جواب میں نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے بھائی حضرت علی علیہ السلام کو مددگار بنانے کے لیے پروردگار عالم سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول کی اور یہ سورہ نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی انداز سے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کیا جس طرح آپ کی کفالت کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ: اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ (19)

اوراسی طرح یہاں بھی مخاطب ہوا کہ: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ (20) مگر بغضِ امیر المومنینؑ میں ناتوان کے والد محترم محسنِ رسول ﷺ حضرت ابو طالبؑ کی کفالت سے متعلق آیت کو اس کے شانِ نزول کے ساتھ قبول کیا گیا اور نہ ہی آپ کی نصرت رسول ﷺ کے حوالے سے اس سورہ مبارکہ کے شانِ نزول کو قبول کیا بلکہ خود ہی بھٹکنے کے لیے افسانوی روایتوں کو قبول کرلیا۔

ہم مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ جس راوی نے رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق کئی مواقع پر جھوٹ بولا ہو یا حق کو چھپایا ہو اور اپنی اقربا پرستی کا اقرار کیا ہو۔

ان باتوں کی روشنی میں کسی بھی شخص کی بیان کردہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں رہتی کیونکہ بعض محدثین کا دستور بھی اسی طرح کا ہے کہ جب بھی اہلبیت رسول ﷺ کے فضائل سے متعلق کسی راوی کی بیان کردہ کوئی حدیث نقل کی جائے تو وہ کہتے ہیں یہ رافضی ہے یا پھر یہ کہ اس کا میلان شیعوں کی طرف ہے تو پھر ہم کسی بھی حدیث کو قبول کرنے سے قبل دیکھیں گے کسی اور مصدقہ راوی سے بھی منقول ہے یا نہیں یا پھر اُس سے ہے جو جان بوجھ کر آلِ رسول ﷺ کے فضائل کو چھپاتا ہے یا نظر انداز کرتا ہے اور نقل نہیں کرتا لہٰذا یہ حدیث صرف اسی راوی سے منقول ہے لہٰذا قابل تحقیق ہے اور نا قابل قبول ہے۔اس مقام پر ہم یہی کہیں گے کہ ان افسانوی روایتوں کو اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ اموی اور عباسی حکمرانی کو تسلیم کیا جائے اور ان کے فسق و فجور اور اہلبیت رسول پر کیے گئے مظالم پر پردہ ڈالا جاسکے اور عصمتِ پیغمبر ﷺ پر حرف زنی کی جاسکے۔

*****

حوالہ جات

1۔السید ابوالقاسم الموسوی الخوئی، البیان فی تفسیر القرآن، دار الزہراء للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت –لبنان، ج1ص271، الطبعۃ الرابعۃ حقوق الطبع محفوظۃ للمؤلف، 1395 - 1975ء

2۔ محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، الجامع الصحیح المختصر، کتاب الصلواۃ، باب کیف فرضت الصلوات فی الإسراء، ج1ص135، حدیث شمارہ: 342، الناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ –بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407 – 1987، تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا إستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیۃ الشریعۃ- جامعۃ دمشق

3۔ محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، الجامع الصحیح المختصر، کتاب الحج، باب ما جاء فی زمزم، ج2ص589، حدیث شمارہ: 1555، الناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ – بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407– 1987، تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا إستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیۃ الشریعۃ- جامعۃ دمشق

4۔ محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، الجامع الصحیح المختصر، کتاب فضائل الصحابۃ، باب المعراج، ج3ص1410، حدیث شمارہ: 3674، اناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ –بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407 – 1987، تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا إستاذ الحدیث و علومہ فی کلیۃ الشریعۃ- جامعۃ دمشق

5۔ محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، الجامع الصحیح المختصر، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، اناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ – بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407– 1987، تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا إستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیۃ الشریعۃ- جامعۃ دمشق، ج3، ص1173، حدیث شمارہ: 3035

6۔ محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، الجامع الصحیح المختصر، کتاب الأنبیاء، باب ذکر إدریس علیہ السلام، اناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ – بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407– 1987، تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا إستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیۃ الشریعۃ- جامعۃ دمشق، ج3 ص1217، حدیث شمارہ: 3164

7۔ محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، الجامع الصحیح المختصر، کتاب التوحید، باب قولہ { وکلم اللہ موسی تکلیما } / النساء 164، ج6 ص2730، حدیث شمارہ: 7079، اناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ – بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، 1407 – 1987، تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا إستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیۃ الشریعۃ- جامعۃ دمشق۔

8۔ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم، باب الإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللہِ –صلی اللہ علیہ وسلم– إِلَی السَّمٰوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، ج1ص101، حدیث شمارہ: 430، الناشر: دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ- بیروت۔

9۔ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم، باب الإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- إِلَى السَّمَوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، ج1ص101، حدیث شمارہ:432، الناشر : دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ-بیروت۔

10۔ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم، باب الإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- إِلَى السَّمَوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، ج1ص102، حدیث شمارہ:433، الناشر : دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ-بیروت۔

11۔ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم، باب الإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- إِلَى السَّمَوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، ج1ص105، حدیث شمارہ:435، الناشر : دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ-بیروت۔

12۔محمد بن عیسی ابو عیسی الترمذی السلمی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، باب 82 ومن سورۃ الم نشرح، ج5ص442، حدیث شمارہ: 3346، الناشر : دار إحیاء التراث العربی - بیروت۔ تحقیق : احمد محمد شاکر وآخرون۔

13۔محمد بن عیسی ابو عیسی الترمذی السلمی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، تحقیق : احمد محمد شاکر وآخرون، الناشر : دار إحیاء التراث العربی – بیروت، ج5ص35۔

14۔ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری (المتوفی: 276ھ)، المعارف، تحقیق: ثروت عکاشۃ، الناشر: الهیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، القاهرۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، 1992ء، ص۔580۔

15۔ابو حامد عز الدین بن ہبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن ابی الحدید المدائنی، شرح نہج البلاغۃ - ابن ابی الحدید، دار النشر : دار الکتب العلمیۃ-بیروت/لبنان- 1418ھ-- 1998ء، الطبعۃ: الأولی، تحقیق : محمد عبد الکریم النمری، ج1ص317۔

16۔الموفق بن احمد البکری المکی الحنفی الخوارزمی، المناقب، تحقیق: فضیلۃ الشیخ مالک المحمودی، مؤسسۃ سید الشہداء (ع)، طبع ونشر: مؤسسۃ النشر الاسلامی، الطبعۃ: الثانیۃ المطبوع : الثانیۃ التاریخ : موسسۃ النشر الاسلامی، التابعۃ لجماعۃ المدرسین، ص100۔

ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی: 571ھ)، تاریخ دمشق، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، عام النشر: 1415ھ-- 1995ء، المحقق: عمرو بن غرامۃ العمروی، ج42ص253۔

علی بن محمد بن محمد بن الطیب بن ابی یعلی بن الجلابی، ابو الحسن الواسطی المالکی، المعروف بابن المغازلی (المتوفی: 483ھ) المناقب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، المحقق: ابو عبد الرحمن ترکی بن عبد اللہ الوادعی، الناشر: دار الآثار – صنعاء، ج1ص214۔

17۔إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، الناشر: مکتبۃ المعارف، بیروت، ج7ص351

احمد بن علی ابو بکر الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج11ص375

18۔ علی بن محمد بن محمد بن الطیب بن ابی یعلی بن الجلابی، ابو الحسن الواسطی المالکی، المعروف بابن المغازلی (المتوفی: 483ھ)، مناقب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، تحقیق: ابو عبد الرحمٰن ترکی بن عبد اللہ الوادعی، الناشر: دار الآثار –صنعاء، الطبعۃ: الأولی 1424ھ-- 2003ء، ج1 ص215

19۔ الضحیٰ۔ آیت:6

20۔ الشرح۔ آیت:1

بارگاہ الٰہی میں نبی اکرم ﷺ کا تواضع اور عبادت
بحوالہ شرح چہل حدیث امام خمینیؒ

سید رمیز الحسن موسوی*

srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: شرح چہل حدیث، عبادت، تواضع، روزہ، مسواک

خلاصہ

حضرت امام خمینیؒ، سیرت و کردار کے لحاظ سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حقیقی پیروکار تھے۔ اُن کی پوری زندگی سیرت رسول اللہ ﷺ کی پیروی واتباع میں گزری۔ امام خمینی زندگی کے روزمرہ امور سے لیکر عبادت واطاعت الٰہی تک میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو واجب سمجھتے تھے۔ امام خمینیؒ کی تصانیف میں سے ایک اہم ترین کتاب "شرح چہل حدیث" ہے کہ جو علم اخلاق کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ جس میں اُنھوں نے اپنے اخلاقی سیر وسلوک کو علمی انداز میں پیش کیا ہے. یہ کتاب سیر وسلوک کے راستے پر چلنے والوں اور اخلاق قرآن واسلام سے اُنس رکھنے والوں کے لئے بہترین ذخیرہ ہے۔ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر امام خمینیؒ نے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے مثالیں پیش کرتے ہوئے اسلام کے پیروکاروں کو آپ ﷺ کی پیروی کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہمیں اس کتاب میں امام خمینیؒ ایک واعظ اور معلم اخلاق کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، لہٰذا وہ ہر موضوع کی مناسبت سے اپنے قارئین کو پیغمبر اکرم ﷺ کی زندگی اور سیرت کی جھلکیاں دکھاتے ہوئے اخلاق حسنہ کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس تحریر میں "شرح چہل حدیث" میں پیش کی گئی پیغمبر اکرم ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں عبادت وریاضت کی چند مثالوں کو انتخاب کیا گیا ہے جو امام علیہ الرحمہ اپنے قارئین کو عبادت کی طرف راغب کرنے اور خداوند متعال کی پرستش وبندگی اختیار کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔

---

*۔ مدیر مجلّہ "سہ ماہی نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت) بارہ کہو، اسلام آباد

عصر حاضر میں اسلامی تحریک اور انقلاب کے قائد اور جدید دور کی پہلی اسلامی حکومت کے بانی حضرت امام خمینیؒ، سیرت و کردار کے لحاظ سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حقیقی پیروکار تھے۔ اُن کی پوری زندگی سیرت رسول اللہ ﷺ کی پیروی واتباع میں گزری۔ امام خمینیؒ نے اسلامی حکومت کا قیام بھی اسی بات کو مدنظر رکھ کر کیا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں آپ ﷺ کی سیرت کو زندہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ حکومت اور اقتدار الٰہی کا قیام ہے۔ اس کے بغیر نہ تو ہم اپنی انفرادی زندگی میں سیرت طیبہ پر مکمل عمل کر سکتے ہیں اور نہ اجتماعی زندگی کو سیرت رسول اللہ ﷺ میں ڈھال سکتے ہیں۔ امام خمینی زندگی کے روزمرہ امور سے لیکر عبادت واطاعت الٰہی تک میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو واجب سمجھتے تھے۔ اُن کی عبادت کے بارے میں اُن کے اہل خانہ سے اور تمام دوست احباب نے گواہی دی ہے کہ حضرت امامؒ عبادت الٰہی میں پوری طرح رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کی سعی کرتے تھے۔ اسی لئے زندگی کے مشکل ترین مراحل میں بھی اُن کی نماز شب تک قضا نہیں ہوئی ہے۔ وہ معاشرے کی قیادت ورہبری کے لئے نماز شب اور دوسری عبادات کو ضروری سمجھتے تھے۔ جس طرح اُنھوں نے اپنی کتب اخلاق میں عبادت رسول اللہ ﷺ کا نقشہ پیش کیا ہے، اُسی طرح اُس پر عمل بھی کرتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن کے فرزند سید احمد خمینی مرحوم لکھتے ہیں: "امامؒ کا خدا کے ساتھ رابطہ اور عبادت کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے بیان نہ کیا جاسکے۔ میں نے جہاں تک ہو سکا ہے اپنے والد کے دوستوں سے پوچھا ہے، اپنی والدہ سے کئی بار سوال کیا ہے، سب نے یہی کہا ہے کہ امامؒ کا اپنے ربّ کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا اور امامؒ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس قدر فانی تھے اور اس قدر اپنے معشوق کو یاد کرتے تھے کہ جسے دیکھ کر انسان کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے، امامؒ کے تمام ساتھیوں نے اُنہیں عابد وزاہد پایا ہے، امامؒ کی نماز شب اور گریہ وزاری اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ جسے دیکھ انسان بے اختیار رونے لگتا تھا۔" (1)

امام خمینیؒ کی تصانیف وتالیفات میں سے ایک اہم ترین کتاب "شرح چہل حدیث" ہے کہ جو علم اخلاق کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ جس میں امام خمینیؒ نے اپنے اخلاقی سیر وسلوک کو علمی انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب سیر وسلوک کے راستے پر چلنے والوں اور اخلاق قرآن واسلام سے اُنس رکھنے والوں کے لئے

بہترین ذخیرہ ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس کتاب میں پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے جانشین ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور سیرت کو اُمت کے لئے "اخلاق حسنہ" کا سب سے بڑا سرچشمہ قرار دیا ہے اور کتاب کے ہر صفحے پر سیرت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی روش زندگی سے شواہد پیش کرتے ہوئے اُمت کو اخلاق و کردار کے بلند ترین میناروں سے روشناس کرایا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر امام خمینیؒ نے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے مثالیں پیش کرتے ہوئے اسلام کے پیروکاروں کو آپ ﷺ کی پیروی کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہمیں اس کتاب میں امام خمینیؒ ایک واعظ اور معلم اخلاق کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، لہٰذا وہ ہر موضوع کی مناسبت سے اپنے قارئین کو پیغمبر اکرم ﷺ کی زندگی اور سیرت کی جھلکیاں دکھاتے ہوئے اخلاق حسنہ کی طرف راغب کرتے ہیں.

اس تحریر میں "شرح چہل حدیث" میں پیش کی گئی پیغمبر اکرم ﷺ کی بارگاہ الہیٰ میں عبادت و ریاضت کی چند مثالوں کو انتخاب کیا گیا ہے جو امام علیہ الرحمہ اپنے قارئین کو عبادت کی طرف راغب کرنے اور خداوند متعال کی پرستش و بندگی اختیار کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ امام خمینیؒ نے اپنی تحاریر و تقاریر میں بہت سے مقامات پر آنحضرت ﷺ کی سیرت کو عنوان کلام بنایا ہے اور اپنی اسلامی تحریک کے دوران اُمت کو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے سیرت رسول اللہ ﷺ سے تمسک کرنے کی تلقین کی ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر فقط آپ ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں تواضع اور سیرت طیبہ کے عبادی پہلو کو ہی امامؒ کی اس بے نظیر تصنیف سے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فنا فی اللہ ہونا

رسول اللہ ﷺ کی پوری ذات گرامی اللہ تعالیٰ میں فنا تھی اور آپ عبادت واطاعت الٰہی کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ اپنی ایک تقریر میں امام خمینیؒ آپ ﷺ کی اس کیفیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خدا نے جن کاموں کا حکم دیا تھا اُن کی خلاف ورزی کرنے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے کبھی بھی اپنا ہاتھ آلودہ نہیں کیا تھا لہٰذا ایسا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ ایسے ہاتھ پر بیعت، خدا کے ساتھ بیعت ہے۔ آپ ﷺ نے جتنے بھی کام کیئے تھے اُن میں آپ ﷺ کا ارادہ، ارادۂ خدا کے تابع تھا، آپ ﷺ کی حکومت، الٰہی حکومت تھی۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ "تو نے تیر نہیں پھینکا بلکہ

جب تو نے تیر پھینکا ہے تو گویا وہ تیر خدا نے پھینکا ہے"۔ (2) رسول خدا ﷺ نے تیر پھینکا تھا لیکن اس کے باوجود (کہا جاتا ہے کہ یہ تیر خدا نے پھینکا ہے) چونکہ آپ ﷺ ، ظل خدا تھے آپ کی کوئی بھی حرکت اپنی جانب سے نہیں تھی، آپ جو کچھ بھی کرتے تھے وہ قانون (الٰہی) کے تابع تھا پیغمبر اکرم ﷺ ، مجسم قرآن تھے اور مجسم قانون تھے۔"(3)

رسول اللہ ﷺ؛ کمال ربوبیت اور نقص عبودیت میں کامل ترین ہستی

اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں کثرت در حقیقت انسان کی اپنے ربّ کے سامنے انتہائی تواضع وخضوع کی علامت ہے۔اس سلسلے میں پوری کائنات میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی شخص ربّ العالمین کی بارگاہ میں خاضع ومتوضع نہیں تھا۔امام خمینیؒ، اپنی کتاب "شرح حدیث عقل وجہل" میں لکھتے ہیں:

" جان لو کہ تواضع کے کئی درجات ہیں اور تواضع کے ہر درجے کے مقابلے میں تکبر کا ایک درجہ واقع ہوتا ہے: پہلا درجہ: یہ اولیائے کمّل اور انبیائے عظام کی تواضع ہے۔ یہ ہستیاں اپنے دلوں میں اللہ کی ذات، اسماء، صفات اور افعال کی تجلیات کے باعث اللہ تعالیٰ اور اس کے جمال وجلال کے مظاہر کے آگے متواضع ہوتی ہیں۔ ربوبیت کے کمال اور عبودیت کی ذلت کا مشاہدہ ان کے دلوں میں تواضع اور تذلل کا انتہائی جذبہ پیدا کرتا ہے۔ان دو زاویوں سے ان کا نقطہ نظر جتنا کامل ہوگا ان کا تواضع بھی کامل تر ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ جو اعرف المخلوقات اور تمام بندوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے تمام مخلوقات میں اللہ کے حضور سب سے زیادہ متواضع تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ کمال ربوبیت اور نقص عبودیت کے مشاہدے کے نقطہ نظر سے آنحضرت ﷺ کاملترین مخلوق تھے۔

تواضع کی پیکر یہ ہیستاں جس طرح اللہ کے آگے تواضع کا اظہار کرتی ہیں اسی طرح اللہ کے جلال وجمالی جلوؤں اور مظاہر کے آگے بھی متواضع ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کی خاطر ان مظاہر کے آگے اظہار تواضع کرتے ہیں۔ یہ لوگ تواضع کے علاوہ "مقام محبت" کے بھی حامل ہیں۔ وہ اللہ سے اپنی محبت کے باعث اللہ کی نشانیوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ یہ تواضع جو محبت کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے تواضع کا سب سے کامل مرتبہ ہے"۔(4)

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں تواضع کی انتہاء

امام خمینیؒ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں عبودیت وتواضع کی انتہا کو واضح کرتے ہوئے ایک طولانی حدیث(5)کے حوالے سے لکھتے ہیں :"حدیث میں ہے: جبرئیل زمین کے خزانوں کی کنجیاں لے کر آنخضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے: اگر آپ ﷺ ان کو قبول کرلیں تو آپ ﷺ کے اُخروی درجات میں کوئی کمی نہیں ہوگی؛ مگر رسول اکرم ﷺ نے خدا کے سامنے فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا "۔(6)

رسول اللہ ﷺ کی عبادت

امام خمینیؒ شرح چہل حدیث کی دسویں حدیث میں طولانی اُمیدوں کے ضمن میں موعظہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" بہتر ہے کہ یہاں پر تھوڑے سے حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت علیؑ کے بارے میں سوچیں جو افضل مخلوقات ہیں اور ہر قسم کی خطا، نسیان، لغزش اور سرکشی سے پاک ہیں، پھر یہ سوچیں کہ ہم کس حال میں ہیں اور وہ حضرات کس حالت میں تھے؟ سفر اور اس کے خطرات سے وہ آگاہ تھے، اسی لئے ان کو آرام اور چین نہیں تھا جبکہ ہماری جہالت نے ہمارے اندر نسیان پیدا کردیا ہے۔ حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے اتنی ریاضت کی تھی اور عبادتوں میں راتوں کو اتنے کھڑے رہا کرتے تھے کہ پاہائے مبارک ورم کرگئے اور قرآن نے فرمایا: (طٰهٰ۔ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤى)"۔یعنی :اے طہ (اے رسول ﷺ) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ تم اس قدر مشقّت اٹھاؤ۔(7)(8)

اس سلسلے میں حضرت امام محمد باقراور امام جعفر صادق علیہما السلام سے ایک حدیث بھی مروی ہے:" كَانَ رَسُوْلُ اللهِ اِذَا صَلّٰى قَامَ عَلٰى اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ، فَنَزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى (طٰهٰ))۔یعنی: حضرت رسول اکرم ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے پیروں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہو جاتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (طہ۔۔۔) نازل فرمائی۔ (9) (10)

امام خمینیؒ اکیسویں حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت وریاضت کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث نقل کرتے ہیں۔جس کے مطابق:" عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ، عِنْدَ عَائِشَةَ

لَیْلَتَھا، فَقٰالَتْ: (یٰا رَسُولَ اللهِ! لِمَ تُتْعِبُ نَفْسَكَ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مٰا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمٰا تَأَخَّرَ۔ فَقٰالَ: یٰا عٰائِشَةُ! لاٰكُونُ عَبْداً شَکُوراً۔) قٰالَ: (وَكٰانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، یَقُومُ عَلیٰ اطْرٰافِ صٰابِعِ رِجْلَیْهِ، فَنَزَلَ اللهُ سُبْحٰانَهُ وَتَعٰالیٰ: (طٰهٰ ۚ مٰا اَنْزَلْنٰا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقیٰ))۔ (11)

ترجمہ: ابوبصیر نے حضرت امام محمد باقر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام محمد باقر نے فرمایا:" حضرت رسولخدا ﷺ عائشہ کے پاس رات کو ان کی باری میں تھے کہ حضرت عائشہ نے کہا: " اے خدا کے رسولؐ جب خدا نے آپ کے گزشتہ اور آئندہ سارے گناہ معاف کردیئے ہیں تو پھر آپ اپنے کو اتنی تکلیف میں کیوں ڈالتے ہیں؟ حضرت ﷺ نے فرمایا: کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "(درحقیقت) رسولخدا ﷺ (راتوں کو نماز پڑھتے ہوئے) اپنے پیروں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہوجاتے تھے، تو خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی: (طٰهٰ ۚ مٰا اَنْزَلْنٰا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقیٰ) یعنی؛ طہٰ! (اے میرے طیب وطاہر رسول) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم اس قدر مشقت برداشت کرو" (12)(13)

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے امام خمینیؒ لکھتے ہیں:

"جان لو کہ (اُم المؤمنین) حضرت عائشہ کا یہ خیال تھا کہ عبادت کا راز عذاب کے خوف یا گناہوں کے مٹانے میں منحصر ہے۔ نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہے اس لئے (رسولخدا ﷺ کی کثرت عبادت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر) اعتراض کیا کہ آپ ﷺ اپنے کو کیوں اتنی زحمت ومشقت میں ڈالتے ہیں؟ ان کا یہ اعتراض عبادت وعبودیت کی عظمت سے جہالت کی بناپر تھا۔ عظمت نبوت ورسالت سے ناواقف ہونے کی بناپر ان کو یہ (بھی) نہیں معلوم تھا کہ غلاموں اور مزدوروں کی عبادت اور آزاد لوگوں کی عبادت یعنی؛ آنحضرت ﷺ کی عبادت میں فرق ہے۔ خدا کی عظمت اور غیر متناہی نعمتوں کے شکر نے آنحضرت ﷺ سے راحت وآرام کو بہت دور کردیا تھا، بلکہ خالص ترین اولیاء کی عبادت محبوب کی بے پایاں تجلیات کا نقشہ

ہے۔ چنانچہ (حدیث) نماز معراج مؤمن (14) میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرات اولیا محو جمال وجلال ہونے اور اپنے کو صفات وذات میں فنا کردینے کے باوجود عبودیت کی کسی منزل ومرحلے سے غفلت نہیں برتتے ہیں۔ ان کے ابدان کی حرکات ان کی عشقی وروحانی حرکتوں کی تابع ہے اور وہ تابع جمال محبوب کے ظہور کی کیفیت (کا نام) ہے، لیکن حضرت عائشہ جیسے لوگوں کو صرف مطمئن کرنے کیلئے یہی جواب دیا جاسکتا تھا۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پست ترین منزل کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت ان پست قسم کے امور کیلئے نہیں ہے۔" (15)

اسی آیہ مجیدہ (طٰهٰ ۚ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ) کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام خمینیؒ مشہور علامہ طبرسیؒ کی کتاب احتجاج سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں: " رَوَى الطَّبْرِسِيُّ فِي الاِحْتِجاجِ عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ، قالَ، قالَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ : وَلَقَدْ قامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، عَشْرَ سِنِينَ عَلَىٰ اَطْرافِ اَصابِعِهِ حَتّىٰ تَوَرَّمَتْ قَدَماهُ وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ. يَقُومُ اللَّيْلَ اَجْمَعَ حَتّىٰ عُوتِبَ فِي ذٰلِكَ، فَقالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: (طٰهٰ ۚ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ) بَلْ لِتَسْعَدَ بِهِ)۔ (16)

علامہ طبرسیؒ (17) نے احتجاج میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال تک (عبادتوں میں) اپنی انگیوں کے سرے پر کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پر ورم آگیا اور چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔ تمام رات کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ خدا نے اس سے روکا اور فرمایا: (طٰهٰ۔ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ؛ بَلْ لِتَسْعَدَ بِه)" اے میرے طیّب وطاہر! ہم نے قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ آپ رنج والم میں مبتلا ہوجائیں ہم نے تو اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ کو سعادت نصیب ہو"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت میں اپنے ایک پیر کو اٹھا لیتے تھے تاکہ زحمت ومشقت زیادہ ہوجائے۔ پس خداوند عالم نے اس آیۂ شریفہ کو نازل کیا۔(18) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین کا جواب ہے جو کہا کرتے تھے: ہمارا دین چھوڑ دینے کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زحمت میں پڑگئے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔(19)

شیخ عارف کامل شاہ آبادیؒ (20) کہا کرتے تھے کہ جب رسول خدا ﷺ نے ایک مدت تک لوگوں کو دعوت دی اور اس کا اثر اتنا نہ ہوا جتنا حضور ﷺ چاہتے تھے تو حضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے آپ ﷺ کی دعوت میں کوئی نقص ہو لہٰذا آپ ﷺ ریاضت میں مشغول ہوگئے اور دس سال تک ایسی ریاضت کی کہ پیروں پر ورم آگیا۔ اس وقت آیہ مبارک نازل ہوئی کہ اپنے کو مشقت میں مت ڈالو۔ تم طاہر وہادی ہو۔ تمہارے اندر کوئی نقص نہیں ہے، بلکہ نقص لوگوں میں ہے (اِنَّكَ لاَ تَهْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ) (21) "بے شک تم جسے چاہو منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔" (22)

نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ کی حالت

امام خمینیؒ اپنی کتاب "آداب الصلوۃ" میں لکھتے ہیں: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازدواج سے منقول ہے کہ رسول خدا ﷺ ہمارے ساتھ باتیں کر رہے ہوتے اور ہم آپ ﷺ سے مشغول گفتگو ہوتیں تو جونہی نماز کا وقت ہو جاتا تو گویا آپ ﷺ ہمیں پہچانتے ہی نہیں تھے اور ہم آپ ﷺ کو نہیں پہنچانتیں تھیں چونکہ آپ ﷺ اُس وقت خدا کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور ہر چیز سے قطع تعلق کر لیتے تھے"۔ (23)

رسول اللہ ﷺ کا استغفار

آیہ مجیدہ "اِذا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْح" کی عرفانی توجیہ کرتے ہوئے امام خمینیؒ حضرت رسول اکرم ﷺ کی دنیا کی طرف توجہ کے بعد استغفار کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "گناہوں کے بھی مرتبے ہیں بعض تو ایسے گناہ ہیں جو نیک لوگوں کے حسنات شمار ہوتے ہیں اور بعض گناہ خالص ترین افراد کیلئے گناہ ہیں۔ کہا جاتا ہے حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: "لَيُرانُ (وَ، لَيُغانُ) عَلیٰ قَلْبِ وَاِنّ لأَسْتَغْفِرُ اللهَ فی كُلِّ يومٍ سَبْعِينَ مَرَّةً" (24) کبھی میرے دل پر ایک ابر سا چھا جاتا ہے اور میں (بغیر کسی گناہ کے) روزانہ ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں" اور یہ ابر (کدورت) کثرت کی طرف توجہ سے پیدا ہوسکتا ہے، لیکن یہ خیالات کی طرح ہے جو بہت جلد زائل ہوجاتی ہے۔ حدیث میں ہے جب

تک رسول خدا ﷺ پچیس مرتبہ استغفار نہیں کرلیتے تھے کسی بھی نشست سے باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے"۔(25)(26)

مسواک کی فضیلت

مسواک کی فضیلت اور سنت رسول ﷺ ہونے کے بارے میں امام خمینیؒ اُنتیسویں حدیث میں لکھتے ہیں:
"مسواک کرنا جس کی اس حدیث شریف میں رسول خدا ﷺ نے وصیت فرمائی ہے، مطلقاً ایک شرعی مستحب ہے اور خاص مواقع پر اس کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً وضو اور نماز سے پہلے، قرآن پڑھتے وقت، سحر کے وقت اور سو کر اٹھنے کے بعد؛ روایات میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اس کی بہت سی خصوصیات وفوائد ذکر کئے گئے ہیں۔ میں،ان میں سے بعض کو اس کتاب میں تبرّکاً ذکر کرتا ہوں:

"کافی بِاِسْنَادِہِ عَنْ اَبِی عَبْدِ اللهِ ۔قَالَ: فِی السِّوَاکِ اثْنَتَا عَشْرَۃَ خَصْلَۃً: ھُوَمِنَ السُّنَّۃِ، وَمَطْھَرَۃٌ لِلْفَمِ، وَمَجْلَاۃٌ لِلْبَصَرِ، وَیُرْضِی الرَّبَّ، وَیَذْھِبُ بِالْبَلْغَمِ، وَیَزِیْدُ فِی الْحِفْظِ، وَیُبَیِّضُ الأَسْنَانَ، وَیُضَاعِفُ الْحَسَنَاتِ، وَیَذْھَبُ بِالْحَفْرِ، وَیَشُدُّ اللِّثَۃَ، وَیُشَھِّی الطَّعَامَ وَیَفْرَحُ بِہِ الْمَلَائِکَۃُ"۔(27)

یعنی؛امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مسواک کرنے میں بارہ فائدے ہیں:
مسواک (رسول خدا ﷺ کی) سنّت ہے؛ منہ کو صاف کرتی ہے؛ آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کرتی ہے؛ خوشنودی خدا کا سبب ہے؛ بلغم کو دور کرتی ہے؛ قوت حافظہ کو بڑھاتی ہے؛ دانتوں کو سفید کرتی ہے؛ نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے؛ دانت کے کھوکھلے پن کو دور کرتی ہے؛ مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے؛ بھوک بڑھاتی ہے اور ملائکہ اس سے خوش ہوتے ہیں"۔

بہت سی روایت میں ہے کہ "مسواک پیغمبروں کی سنّتوں میں سے ہے"۔(28)
دوسری حدیث میں بھی اسی مضمون پر مشتمل روایت نقل کی گئی ہے اور اس حدیث میں جن چھوٹے چھوٹے دانوں اور پھوڑوں کا ذکر ہے ان سے وہ چھوٹے چھوٹے دانے مراد ہیں جو دانتوں کی جڑوں میں پیدا ہوجاتے ہیں اور ان میں سفید اور بدبودار مواد پیدا ہوجاتا ہے، غذا

کو چباتے وقت وہ دانے پھوٹ جاتے اور اس کی گندگی غذا میں شامل ہو کر بہت سے امراض کا سبب بنتی ہے، جیسے بد ہضمی وغیرہ، آج کل کے اطباء اس کو "پیورہ" کہتے ہیں اور اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں، بلکہ اس کے علاج کیلئے دانتوں کو اکھاڑ دینے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ غیبی باطنی پہلوؤں سے قطع نظر کرتے ہوئے جن میں سب سے اہم، مرضی الٰہی ہے، حفظان صحت اور صفائی کیلئے سہی دانتوں کو صاف کرے اور بڑی اچھی بات ہے کہ پابندی سے دانتوں کو صاف کرے اور انبیاء کی سنّت مستمرہ پر عمل کرے۔

حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "جبرئیل نے مجھے مسواک کی اتنی تاکید کی کہ مجھے اپنے دانتوں کے بارے میں خوف معلوم ہونے لگا"۔(29)

نیز آنخضرت ﷺ نے فرمایا: "اگر میری امت کیلئے باعث مشقت نہ ہوتا تو میں ہر نماز اور وضو سے پہلے مسواک کرنا واجب قرار دے دیتا"۔(30)

آنخضرت ﷺ ہمیشہ اپنے سرہانے رات کو آب وضو اور مسواک رکھا کرتے اور پانی کے برتن کو کسی چیز سے ڈھانک دیا کرتے تھے اور جب بھی خواب سے بیدار ہوتے، وضو کرکے چار رکعت نماز پڑھ کر سوجاتے تھے اس کے بعد پھر جب بیدار ہوتے تو مسواک کرکے وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس حدیث کے بعد فرمایا: "تم بھی رسول خدا ﷺ کی نیک بات میں پیروی کرو"۔(31)

رسول اللہ ﷺ کا روزہ

ہر ماہ تین روزوں کے استحباب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کا ذکر کرتے ہوئے امام خمینی لکھتے ہیں:

"رسول خدا ﷺ کی دوسری سنّت ہر ماہ تین روزے رکھنا ہے۔ تقریباً چالیس احادیث اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ (32)البتہ ان کی کیفیت کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے، لیکن جو بات علما کے درمیان مشہور، اخبار کثیرہ کے موافق، عمل رسول خدا ﷺ کی آخری عمر کے مطابق ہے اور جس پر ائمۂ ہدیٰ (علیہم السلام) گواہ ہیں، وہ یہ ہے کہ ہر ماہ تین دن روزہ رکھا جائے (یعنی) اس کی پہلی جمعرات جو اعمال پیش کرنے کا دن ہے اور دوسرے عشرے کا پہلا

بدھ جو مسلسل روز نحس اور عذاب کا دن ہے اور آخری عشرے کی آخری جمعرات، یہ بھی اعمال پیش کرنے کا دن ہے۔(33)

*****

حوالہ جات

1۔ وجدانی، مصطفیٰ، سرگذشتہای ویژہ از زندگی حضرت امام خمینی؛ ج ۱، ص ۱۲۶

2۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمَىٰ (انفال، آیت ۱۷)

3۔ خمینی، روح اللہ، صحیفہ نور ج ۳، ص ۱۱۱

4۔ خمینی، روح اللہ، شرح حدیث عقل و جہل، ص ۳۳۵

5۔ (وَهَبَطَ مَعَ جِبْرَئِيلَ مَلَكٌ لَمْ يَطَأِ الأَرْضَ قَطُّ، مَعَهُ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الأَرْضِ. فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ هٰذِهِ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الأَرْضِ، فَإِنْ شِئْتَ فَكُنْ نَبِيّاً عَبْداً، وَإِنْ شِئْتَ فَكُنْ نَبِيّاً مَلِكاً. فَأَشَارَ إِلَيْهِ جِبْرَئِيلُ: أَنْ تَوَاضَعْ يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ بَلْ أَكُونُ نَبِيّاً عَبْداً. ثُمَّ صَعِدَ إِلَى السَّمَاءِ۔ یعنی: جبرئیل کے ساتھ ایک ایسا ملک جو کبھی زمین پر نہیں آیا تھا زمین کے خزانوں کی چابیاں لے کر (رسول اکرم ﷺ کے پاس آکر) بولا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کا ربّ سلام کے بعد کہتا ہے: تمہارا جی چاہے تو بندہ و نبی بنو اور جی چاہے تو نبی و بادشاہ بنو۔ جبرئیل نے اشارے سے کہا آپ تواضع سے کام لیجئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں بندہ اور رسول ہونا پسند کرتا ہوں۔ (یہ سن کر) فرشتہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ امالی صدوق، مجلس ۶۹، حدیث ۲۔

6۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص ۲۴۲

7۔ طہٰ، آیت ۱ و ۲

8۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ۱۷۶

9۔ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ج ۲، ص ۵۸

10۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص ۳۳۷

11۔ کلینی، یعقوب، اصول کافی، ج ۲، ص ۹۵ "کتاب ایمان و کفر"۔ باب الشکر، حدیث ۶

12۔طہٰ، آیت ۱ و ۲

13۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص ۳۴۷

14۔صدوق، علل الشرائع، ج۲، ص ۳۱۲، باب ۱، ح ۱

15۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص ۳۵۰، ۳۴۹

16۔ طبرسی، احتجاج، ج ۱، ص ۲۱۹ و ۲۲۰، احتجاج امیر المؤمنین علی الیہود

17۔احمد بن علی ابن ابی طالب طبرسی۔آپ چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل کے مشہور شیعہ عالم، فقیہ، محدّث اور مؤرخ تھے۔ تقریباً ۶۲۰ ھ میں انتقال فرمایا۔آپ کی تصانیف میں: الکافی فی الفقہ، تاریخ الائمہ ، کتاب الصلاۃ، مفاخرۃ الطالبیہ اور احتجاج مشہور ہیں۔

18۔ طبرسی، مجمع البیان، تفسیر آیت ۱ سورۂ طہٰ

19۔ مجمع البیان میں سورۂ طہٰ کی پہلی آیت کی تفسیر میں حسن بصری سے روایت کی گئی ہے۔

20۔ میرزا محمد علی بن محمد جواد حسین آبادی اصفہانی شاہ آبادی (۱۲۹۲۔ ۱۳۶۹ ھ ق) فقیہ، اصولی، عارف اور چودھویں صدی ہجری کے عظیم ترین فلسفی تھے۔آپ کی تعلیم حوزۂ علمیہ اصفہان، تہران اور نجف اشرف میں مکمل ہوئی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے بھائی شیخ احمد میرزا محمد ہاشم چہارسوقی اصفہان میں، میرزا ہاشم اشکوری اور میرزا حسن آشتیانی تہران میں، آخوند خراسانی، شریعت اصفہانی اور میرزا محمد تقی شیرازی نجف اشرف میں تھے۔اپنے تدریس کے فرائض ابتداء میں سامرہ میں پھر قم و تہران میں انجام دیئے، قم میں (۱۳۴۷۔ ۱۳۵۴ ھ ق) کے دوران امام خمینی بھی آپ کے درس اخلاق و عرفان میں شریک ہوتے تھے۔ امام خمینی بڑے احترام سے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم شاہ آبادی قم سے واپسی کے بعد تہران میں قیام پذیر ہوگئے اور نفوس کو ارشاد وہدایت کرتے تھے۔ تہران ہی میں انتقال ہوا اور حضرت عبدالعظیم الحسنی کے جوار میں مقبرہ ابوالفتوح رازی کے اندر مدفون ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں شذرات المعارف، الانسان والفطرۃ، القرآن والعترۃ، الایمان والرجعۃ، منازل السالکین اور حاشیہ بر کفایہ قابل ذکر ہیں۔

21۔ قصص، آیت ۵۶

22۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص ۳۵۱۔ ۳۵۲

23۔نوری، حسین، مستدرک الوسائل، ج۵، ص ۳۲۰، کتاب الصلوۃ "افعال الصلوۃ" باب ۲، حدیث ۱۷

24۔نوری، حسین مستدرک الوسائل، ج۵، ص۳۲۰،کتاب الصلوۃ''ابواب الذکر'' باب ۲۲، حدیث ۲
25۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:... آنحضرت ﷺ کی قسم (لا واستغفر اللہ) تھی۔مکارم الاخلاق، ص ۳۱۳، الباب العاشر، الفصل الثالث فی الاستغفار والبکائ۔)
26۔ خمینی،روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص۳۴۲
27۔ کلینی،یعقوب، فروع کافی، ج ۶ ، ص ۴۹۵ و۴۹۶، کتاب الزّ والتجمل، باب السواک، حدیث ۶
28۔ صدوق،خصال، ج ۲ ، ص ۴۴۹، باب ۱۰ ، حدیث ۵۱
29۔ عن ابی عبداللہ (ع) قال: (قالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ :أَوْصانی جِبْرَئِیلُ .بِالسِّواکِ حَتّیٰ خِفْتُ عَلیٰ سِنٰان)۔ فروع کافی، ج ۶ ، ص ۴۹۶، کتاب الزّ والتجمل، باب السواک، حدیث ۸
30۔عنہ(ص) :لَولاٰ انْ شُقَّ عَلیٰ اُمَّتِی لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّواکِ عِنْدَ وُضُوئِ کُلِّ صَلاۃٍ۔وسائل الشیعہ، ج ۱ ، ص ۳۵۵، کتاب الطھارۃ، باب ۵ ، ابواب السواک، حدیث ۱
31۔ خمینی،روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص۵۰۸،عن ابی عبداللہ ۔قالَ:اِنَّ رَسُولَ اللہِ ﷺ کانَ اِذا صَلَّی العِشٰائَ الآخِرَ مَرَ بِوُضُوئِهِ وَسِواکِهِ یُوضَعُ عِنْدَ رَسِهِ مُخَمراً فَیَرْقُدُ مٰا شٰائَ اللہُ، ثُمَّ یَقُومُ فَیَسْتٰاکُ وَیَتَوَضَّ وَیُصَلِّ رُبعَ رَکَعٰاتٍ ثُمَّ یَرْقُدُ، ثُمَّ یَقُومُ فَیَسْتٰاکُ وَیَتَوَضَّ وَیُصَلِّ. ثُمَّ قالَ: لَقَدْ کانَ لَکُمْ فِ رَسُولِ اللہِ سْوَۃ حَسَنَۃ)۔وسائل الشیعہ، ج ۱ ، ص ۳۵۶، کتاب الطھارۃ، باب ۶، ابواب السواک، حدیث ۱۔
32 ۔ وسائل الشیعہ، ج ۷ ، ص ۳۲۱۔۳۰۳، باب ۷۔۲۱، ابواب صوم مندوب
33۔ خمینی،روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص۴۸۸

رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام، ان کی یاد، محبت اور حرمت و تعظیم ہر دور میں تمام مسلمانوں کے اتحاد کا مرکزی اور اصلی نقطہ رہی ہے۔ دائرہ دین میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نقطہ نہیں جو عقلی، عاطفی، روحی، معنوی، اخلاقی اور دیگر تمام جہتوں سے تمام فرقوں اور تمام مسلمانوں کے لئے توافق و تفاہم کا مرکز و محور بن سکے۔

قرآن، کعبہ، واجبات، عقائد سب مشترک ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک انسانی شخصیت کے کسی ایک پہلو کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ بعنوان مثال عقیدہ، محبت، روحی میلان، تقلیدی کیفیت، عملی اتباع وغیرہ ان میں سے اکثر چیزوں کے بارے میں مختلف افکار و نظریات پائے جاتے ہیں، لیکن جس نقطہ پر تمام مسلمانان عالم عاطفی رجحان اور قلبی میلان سے بالاتر، فکر و عقیدہ اور اتحاد و ہمدلی کی بنیاد پر اتفاق رکھتے ہیں؛ وہ حضرت ختمی مرتبت نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وجود مقدس ہے۔ یہ عظیم الشان نعمت ہے۔ اس نقطۂ نظر کو اہمیت دینا چاہیے اس محبت میں روز بروز اضافہ ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق معنوی و روحی رجحان کو مسلمانوں کے ذہن اور لوگوں کے قلوب میں مزید مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

(عید بعثت کے موقع پر چالیس ملکوں کے قاریان قرآن سے خطاب)

آج ہماری قوم کو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ان کی ہدایت کی، ان کی بشارت کی اور ان کے اِنذار کی ضرورت ہے، ان کے پیغامات، ان کی معنوی رہنمائیوں کی اور اس رحمت کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ آپ نے بنی نوع انسان کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ عصر حاضر میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت اور تمام انسانیت کے لئے جو پیغام ہے وہ علم و قوت، اخلاق و کرامت، رحمت و رافت، جہاد و عزت اور صبر و استقامت کا پیغام ہے۔ ہماری قوم کو چاہئے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغاموں کو دہرائے اور انہیں سر مشق حیات قرار دیتے ہوئے اپنی زندگی میں نافذ کرے۔ ہماری قوم مکتب نبویؐ اور درس محمدیؐ کی شاگردی پر فخر کرتی ہے۔ ہمیں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درس اخلاق، درس عزت، درس تعلیم، درس رحمت و کرامت اور درس وحدت و اتحاد کو سر مشق حیات قرار دینا چاہئے۔

(نئے سال ۱۳۸۵ شمسی کی آمد پر رہبر انقلاب کا پیغام)

کتاب شناسی

سیرت النبی ﷺ پر امامیہ علماء کی چند جدید کتب کا تعارف

سید رمیز الحسن موسوی*

Srhm2000@yahoo.com

قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے نزدیک ایک خاص مقام ومنزلت رکھتے ہیں جو کائنات میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اسی مقام ومنزلت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا گوشہ گوشہ مسلمانوں کی زندگی کے لئے نمونہ عمل ہے اور ہر سچا مسلمان آپؐ کی سیرت کے معمولی سے معمولی حصے کو بھی خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ اسی سبب سے آپؐ کی حیات مبارکہ کے ابتدائی ایام سے لے کر آپ ﷺ کے اس جہان فانی سے رحلت فرما جانے تک کے معمولی ترین واقعات کو قلم بند کرنے کی سعی کی گئی ہے اور سیرت النبی ﷺ مسلمان محققین اور اہل قلم کے لئے ایک خاص مضمون کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں دنیا کی ہر زندہ زبان میں بے شمار کتب تالیف ہو چکی ہیں خصوصاً عربی، فارسی اور اُردو زبان میں سیرت النبی ﷺ سے متعلق ایک خاص ادب موجود ہے جو ان زبانوں کا قیمتی ترین علمی و ادبی سرمایہ شمار ہوتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام واقعات مستند اور یقینی شکل میں سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپؐ کی ولادت باسعادت سے شیر خوارگی، بچپن اور نوجوانی کے حالات سے لے کر عبادی اور اجتماعی زندگی کے واقعات تک اور پھر سفر تجارت سے لے کر سفر ہجرت اور جنگ وجہاد سے لے کر اندرون خانہ طرز معاشرت، بچوں کے ساتھ طرز سلوک اور ازدواج مطہرات کے ساتھ زندگی تک کی جزئیات سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

---

* ۔مدیر مجلّہ سہ ماہی نور معرفت، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بارہ کہو، اسلام آباد

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں اس قدر اہتمام اور دقت نظر کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اُٹھنا بیٹھنا ہی قرآن مجید کی تفسیر ہے اور مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کا قول و فعل حجت ہے۔ آپ ﷺ کے طرز عمل سے ہی دین کے احکام تشکیل پاتے تھے اور آپ کی سیرت ہی سے شریعت کے اصول بنتے تھے۔ لہٰذا شریعت پر عمل کے لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے ہر مسئلے میں آپ ﷺ کی سیرت اور روش کو دیکھے اور اس کے مطابق اپنے شب و روز کو ڈھالے اور آپ ﷺ کی سنت و طریقے کی پیروی کرے تاکہ دنیوی زندگی میں بھی سرخرو ہو اور اُخروی و ابدی حیات میں بھی سعادت مند بنے۔ اس لئے آپ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر دور کے مسلمانوں نے آپ ﷺ کی سیرت کو سینوں میں محفوظ کرنے کے علاوہ انہیں صفحات قرطاس پر محفوظ کیا ہے۔

دوسرے تمام اسلامی مکاتیب فکر کی طرح اہل بیت اطہار علیہم السلام کے پیروکاروں نے بھی سیرت کے موضوع پر ہر زمانے اور ہر زبان میں کتب تالیف کی ہیں۔ یہاں شیعہ علما اور محققین کی طرف سے لکھی گئی سیرت اور سوانح رسول ﷺ کے حوالے سے مختلف عناوین کے تحت چند جدید و قدیم کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ جن میں پہلے عربی کتب پھر فارسی اور اُردو کتابوں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

عربی کتابیں

الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم (ﷺ) ۳۵ جلد

علامہ جعفر مرتضیٰ عاملی

ناشر: دارالحدیث للطباعۃ والنشر، قم، طبع اول: ۱۴۲۷ھ، موضوع: نبی اکرم ﷺ کی تحلیلی سیرت و تاریخ

سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر اس کثرت تالیف اور تصنیف کے باوجود ایک تشنگی محسوس ہوتی ہے جس کا بڑا سبب ان کتابوں میں غیر تحقیقی مواد ہے جو نہ تو قرآنی نصوص سے ہم آہنگ ہے اور نہ عقلی استدلال اسے قبولیت کی سند عطا کرتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سیرت کے بارے میں ہر کتاب ایک خاص مذہبی رجحان کی عکاسی کرتی ہے اور صدر اسلام میں ایک خاص زمانے میں وقتی سیاست کے تحت حدیث نگاری کی ممانعت کی وجہ سے بہت سی صحیح روایات ضبط تحریر میں نہیں آسکی تھیں اور پھر

مسلمان حکمرانوں کی ایک خاص سیاست کے تحت حدیث نگاری کا طوفان آجاتا ہے اور سرکاری سرپرستی میں وضع حدیث کا بازار گرم ہو جانے کی وجہ سے جہاں دوسرے اسلامی علوم و معارف تحریف شدہ روایات کا نشانہ بن جاتے ہیں وہاں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موضوع بھی اس آفت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ سیرت اور تاریخ اسلام کا سب سے بڑا منبع یہی روایات اور احادیث ہیں جو منابع اولیہ میں نقل ہوئی ہیں اور اُن میں تحریف شدہ مواد کی فراوانی بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

لہٰذا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھے جانے والی ہر وہ کتاب جو تحقیق و عقلی استدلال اور قرآنی آیات کے ساتھ ہم آہنگی کے بغیر لکھی گئی ہے، اس آفت سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ اس لحاظ سے " صحیح روایات سے ماخوذ صحیح سیرت نگاری " کی اہمیت کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ عقل ودرایت اور قرآن و سنت صحیح کے مطابق لکھی جانے والے ہرکتاب، اُن ہزاروں کتب میں ایک درخشاں ستارے کی حیثیت رکھتی ہے جو بغیر کسی تحقیق اور عقل ودرایت کے اصولوں کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ انہی چند کتابوں میں عصر حاضر کی ایک تحقیقی کتاب ”الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ“ ہے کہ جو ابتدائی چند ہی جلدوں کے منظر عام پر آنے کے بعد اہل علم اور محققین کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی اور اب اس کی ۳۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

اس کتاب کے مؤلف سید جعفر مرتضیٰ عاملی ہیں جن کا شمار ممتاز شیعہ محققین اور اہل قلم میں ہوتا ہے۔ سید جعفر مرتضیٰ عاملی، ۲۵ صفر ۱۳۶۴ھ میں لبنان کے علاقے جبل عامل میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ۱۳۸۲ھ میں نجف اشرف چلے گئے اور وہاں کے علمائے دین اور مراجع تقلید سے چھ سال تک بہرہ مند ہونے کے بعد ۱۳۸۸ھ میں وہ حوزہ علمیہ قم منتقل ہو جاتے ہیں اور یہاں تقریباً بیس سال سے بھی زیادہ عرصے تک تحصیل علم اور تحقیق و تالیف میں مشغول رہتے ہیں۔

علامہ عاملی کا شمار سب سے زیادہ کتب تالیف کرنے والے علماء کی فہرست میں ہوتا ہے، اُنہوں نے زیادہ تر کام تاریخ اسلام میں کیا ہے۔ ان کی سب کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت اُن کی کتاب ”الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ کو حاصل ہوئی ہے چونکہ یہ کتاب سیرت نگاری میں عقلی اور قرآنی اسلوب اور درایت و تحقیق کے اصولوں کی پابندی کرنے کی وجہ سے منفرد سمجھی جاتی ہے اور اس کتاب نے علمی دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے۔

"الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ" کی پہلی جلد تاریخ اسلام کے بارے میں تمہیدی مباحث پر مشتمل ہے جس میں تدوین کتاب کے اسلوب اور طریقہ تحقیق کی وضاحت کی گئی ہے۔ مؤلف نے جلد اول میں اموی اور عباسی حکمرانوں کی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفانہ سیاست کی وضاحت کی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریف کرنے کے سلسلے میں اُن کی بعض کوششوں کو ذکر کیا ہے۔

سید جعفر مرتضیٰ عاملی اس جلد میں صدر اسلام کے حقائق کو چھپانے اور اُن کی تحریف کرنے کی وجہ سے تاریخ نگاری پر جو غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے ہیں، کو خصوصی طور پر ذکر کرتے ہیں، اُن کی نظر میں تدوین حدیث کی ممانعت، یہودیوں اور اہل کتاب کی تعلیمات کا اسلامی تعلیمات کے اندر داخل ہونا، عدالت صحابہ کے نظریئے کی ترویج، شیعہ راویوں کی روایات کو نظر انداز کرنا اور بعض لوگوں کے لئے فضیلت تراشی کرنا؛ وہ علل و اسباب ہیں کہ جو صحیح سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدوین کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

"الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ" کی دوسری جلد تاریخ اسلام کے ابتدائی واقعات سے شروع ہوتی ہے جس میں جزیرۃ العرب کی توصیف، تاریخ کعبہ، قریش کا مقام و منزلت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ چاک کرنے کی داستان کا تحلیل و تجزیہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شام کی طرف پہلے سفر کی روداد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور بعض صحابہ کے ایمان لانے کے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تیسری جلد وحی کی ابتداء، اسلام میں سابقین کی بحث، معراج، حبشہ کی طرف ہجرت، شعب ابی طالب، طائف کی طرف ہجرت، انصار کی بیعت اور مدینہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں بھی مؤلف نے جگہ جگہ اُن روایات پر نقد و جرح کی ہے کہ جو بعض افراد اور قبائل کے مفاد میں وضع کی گئی ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو پہلی صدی ہجری میں حاکم سیاست خصوصاً اُموی دور حکومت کی خصوصیت شمار ہوتی ہے۔

چوتھی جلد مدینہ کی طرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے لے کر بدر سے پہلے کے غزوات تک کو شامل ہے۔ اس جلد میں سہو النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے کلامی موضوعات کے بارے میں مؤلف کا نظریہ نیز بعض اسلامی احکام کے دفاع کے بارے میں اُن کا خصوصی رجحان بہت واضح ہے۔ پانچویں جلد میں سیرت سے متعلق تاریخی واقعات، یعنی؛ جنگ بدر سے لے کر اُحد تک کے واقعات کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے۔

اس جلد میں جنگ بدر کے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں، جن میں سند روایات میں جو تناقضات پائے جاتے ہیں اُن کی تحقیق بہت اہم ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں کسی کتاب نے اس تفصیل کے ساتھ ان مباحث کو ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح اسلام میں فلسفہ جہاد کے بارے میں بحث بھی تفصیل کے ساتھ آئی ہے اور اسی کے ضمن میں پہلی اسلامی حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے اقدامات کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔

چھٹی جلد میں مؤلف نے تفصیل کے ساتھ جنگ اُحد اور مدینہ کے یہودیوں سے متعلق بعض واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن میں اُن مشکلات کو بھی ذکر کیا ہے جو اس گروہ نے جدید اسلامی حکومت کے لئے ایجاد کررکھی تھیں۔ ساتویں جلد میں واقعہ "رجیع" اور "بئر معونہ" کو خاص طور پر پیش کیا گیا ہے اور اسی کے ضمن میں ہجرت کے چوتھے سال کے بعض جزئی واقعات بھی ذکر ہوئے ہیں۔ آٹھویں جلد غزوۂ بنی نضیر اور جنگ احزاب (خندق) سے پہلے کے واقعات کے بارے میں ہے۔ نویں جلد مکمل طور پر جنگ احزاب (خندق) کے واقعات پر مشتمل ہے۔ دسویں جلد میں بعض غزوات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ گیارہویں جلد غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ مریسیع کے واقعات پر مشتمل ہے، اس کی جدید اشاعت ۳۵ جلدوں میں ہوئی ہے جس میں پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت تک واقعات کو تاریخی تحلیل و تجزیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جلد نمبر ۳۴ اور ۳۵ کتاب کی فنی فہرستوں پر مشتمل ہیں جن میں قرآنی آیات، اعلام، ادیان و مذاہب، اُمم و جماعات و قبائل کی فہرست دی گئی ہے۔

"الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ" کی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت اس کتاب میں نقل ہونے والی تاریخی روایات کو کلامی اعتقادات کے معیار پر پرکھنا ہے۔ سید مرتضیٰ جعفر عاملی نے ہر تاریخی واقعے کو اعتقادی اور کلامی معیار پر پرکھا ہے اور جو چیز قرآن اور عقل کی روشنی میں اسلامی اعتقادات کے خلاف تھی اسے جرح و تعدیل اور نقد و نظر کرکے دلیل و برہان کے ساتھ رد کیا ہے۔ مؤلف جب کلامی عقائد اور تاریخی واقعات کے درمیان تعارض دیکھتے ہیں تو جو چیز قطعی و یقینی نظر آتی ہے اور مستحکم حقائق کی عکاسی کرتی ہے اُسے منقولہ روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں:

"مسلمہ کلامی مسائل اور جو چیزیں ہمارے مسلّمہ یقینی عقائد کی حکایت کرتی ہیں، وہ صحیح اور غلط کی پہچان میں بنیادی و حتمی کردار ادا کرتی ہیں، لہٰذا ہم ان یقینی اعتقادات کے ساتھ تعارض کرنے والی روایت کو قبول نہیں کر سکتے اور یہ چیز ہم چاہیں یا نہ چاہیں خود بخود پیش آ جاتی ہے۔"

اسی بنیاد پر وہ بعض اُن تاریخی منقولات کو رد کر دیتے ہیں جو مسلمہ دینی اعتقادات کے ساتھ تعارض رکھتی ہیں۔ انہی معیارات میں سے ایک معیار کہ جس سے مؤلف محترم نے بہت سی تاریخی روایات کی تحقیق میں استفادہ کیا ہے، عصمت انبیاء کی کسوٹی ہے۔ مثلاً پیغمبر اکرم ﷺ کے بچپن کے زمانے کے بارے میں بعض روایات اس کسوٹی کی بنا پر مؤلف کی جانب سے رد کر دی جاتی ہیں کہ "انہ کان معصوماً عما یستقبح قبل البعثة وبعدها۔"

اسی طرح بعض مسائل کہ جو اہل سنت کی بعض روایات میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں، مؤلف کی طرف سے اسی کسوٹی کی بنا پر رد کر دیئے جاتے ہیں، مثلاً: اہل مدینہ کا گانا بجھانا اور پیغمبر اکرم ﷺ کا اسے سننا۔ اُن لوگوں پر لعن کرنا کہ جو لعن کے مستحق نہیں تھے، پیغمبر اکرم ﷺ کا اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ، حبشیوں کے رقص کو دیکھنا۔

اپنی اس گرانقدر تالیف کے اسلوب کے بارے میں خود سید جعفر مرتضیٰ عاملی لکھتے ہیں:

"اکثر و بیشتر، بنیادی طور پر ہم نے اپنی اس کتاب میں قدماء کی تالیفات کو پیش نظر رکھا ہے اور ان کی جانب رجوع کیا ہے۔ ہم عصر مؤلفین کی کتابوں کی جانب کم رجوع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر کتابیں صرف مطالب و ابواب کی ترتیب میں فرق کے ساتھ عموماً اسلاف کے مطالب کا تکرار ہیں اور پھر اسلاف کے مطالب ہی کی توجیہ اور اس پر گفتگو کی گئی ہے۔

انہوں نے اپنی تمام کوششوں کو اس بات میں صرف کیا ہے کہ حسین عبارتوں اور پُر کشش کلمات کے ذریعے اسلاف کے لکھے ہوئے مطالب کی تائید اور اسی پر تاکید کی جائے اور ان مطالب کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں انہوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی تحقیق انجام نہیں دی۔۔۔ چاہے یہ مطالب جتنے بھی آپس میں متضاد و متناقص ہوں پھر بھی ان سب کو جمع کرنا ضروری سمجھا ہے اور اس کے لئے ایسی توجیہات تراشی ہیں کہ جن کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی انسان کا ضمیر اسے قبول کرتا ہے۔" پھر وہ اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب میں ہماری کوشش رہی ہے کہ ان تمام مطالب کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں تحقیق کریں جن کے تاریخ اسلام اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا دعوی کیا گیا ہے، لیکن یہ تحقیق ہماری اس مختصر تصنیف کے مطابق کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بقدر امکان قارئین کو اس تاریخی دور کے حقائق سے تقریباً نزدیک کر دیا جائے جو انتہائی نازک و حساس واقعات سے پُر نظر آتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جو بنیادی طور پر ہمیشہ اہل دنیا، نفس پرست و منفعت طلب افراد اور متعصب لوگوں کی نظر میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔"

روایات کے قبول اور رد کرنے کے معیار کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: "ہم نے اسلام کے بنیادی اصولوں، قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور آپؐ کی شخصیت سے کچھ ایسے اصولوں کو حاصل کیا ہے جو روایات کے قبول اور رد کرنے کا معیار ہیں اور انہی کے ذریعے نقل کی جانے والی اکثر روایات کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کس قدر ان مسلّم اور بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے تمام شخصیات کی سیرت، ان کے اخلاق، ان کے نظریات اور ان کے مؤقف کو سمجھا جا سکتا ہے۔"

سید جعفر مرتضٰی عاملی نے "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم" کی تالیف میں مختلف تاریخی، کلامی، تفسیری کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن میں اہل سنت کی کتابیں بھی شامل ہیں اور اہل تشیع کی بھی، اگرچہ اُن کے اکثر منابع اہل سنت ہی کی کتابیں ہیں لیکن اعتقادی و تفسیری ابحاث میں اُنہوں نے شیعہ کتب سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے منابع کے حوالے سے لکھتے ہیں: "ہم نے اپنی کتاب میں جتنے کم سے کم حوالوں، شواہد، دلائل اور ان کے منابع کی ضرورت تھی اسی پر اکتفا کیا ہے اگرچہ کتاب کے مطالب و حقائق کی تائید اور ان پر تاکید کے لئے اور بھی زیادہ حوالوں اور شواہد کا اضافہ کیا جا سکتا تھا۔"

اس کتاب کے فارسی اور اُردو میں بھی تراجم ہو چکے ہیں۔ فارسی میں اس کے دو ترجمے ہوئے ہیں۔ فارسی میں ایک ترجمہ ڈاکٹر محمد سپہری نے کیا ہے جو ۱۲ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اُردو میں اس کتاب کی پہلی تین جلدوں کا ترجمہ قم میں ہوا تھا جسے اب جدید تصحیح کے ساتھ معارف اسلام پبلشرز، قم نے شائع کیا ہے۔

***** *****

کحل البصر فی سیرۃ سید البشر(ص)

تالیف: شیخ عباس قمیؒ

تحقیق: الشیخ عبدالرزاق حریزی نژاد

ناشر: مؤسسۃ البلاغ، بیروت، طبع اول: ۱۴۲۹ھ (۲۰۰۸ء)، زبان: عربی، موضوع: سیرت وتاریخ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخ نگاری اگر ذمہ داری اور امانت داری کے ساتھ انجام پائے تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ خصوصاً اس تاریخ نگاری میں زمانہ بھی بہت طولانی ہو اور صدیوں بعد کسی شخصیت کی تاریخ اور سوانح لکھی جائے وہ بھی سید المرسلین، فخر اولین و آخرین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی الٰہی اور نورانی ذات مقدس کے حالات کو احاطہ تحریر میں لایا جائے تو مشکلات اور بھی زیادہ ہو جاتی ہیں چونکہ اس سلسلے میں قلم کی ذرہ بھر لغزش معرفت و ایمان کی لغزش شمار ہوگی جس پر جوابدہی یقینی ہے۔

کتاب "کحل البصر فی سیرۃ سید البشر" شیخ عباس قمی المعروف محدث قمی کی ایک اہم تالیف ہے۔ یہ کتاب شیخ قمیؒ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے دوران مشہد مقدس میں لکھی تھی، جس میں اُنھوں نے تاریخ و سیرت کی چند کتب سے استفادہ کیا ہے اور اسے اپنے مشہد مقدس کی جانب زیارتی سفر کی یادگار قرار دیا ہے۔

یہ کتاب ایک ایسے محدث کے قلم سے لکھی گئی ہے کہ جس کے شب و روز نقل حدیث اور احادیث وروایات کی چھان بین میں گذرتے ہیں اور جو نقل حدیث و روایت میں اپنی دیانت داری وامانت داری کی وجہ سے مشہور ہے۔ لہٰذا اس کتاب میں بھی شیخ قمیؒ نے تحلیل و تجزیہ اور نقد و نظر کے بجائے، محدثین کے طریقہ نقل روایت سے کام لیا ہے اور اُن کی نظر میں جو روایت سیرۂ نبوی میں اُنہیں صحیح نظر آئی ہے اُسے اس کتاب میں نقل کر دیا ہے۔

سیرت النبیؐ کی منقول کتب میں یہ کتاب ایک بہترین اور مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ شیخ عباس قمیؒ کی یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ کے بہت سے جزئی وکلی اور دلچسپ و دقیق موضوعات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمے اور چند ابواب و چند فصلوں پر مشتمل ہے۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب، تولد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والے اہم واقعات، اولاد

عبدالمطلب کے حالات، آپ ﷺ کے مبعث، مکارم اخلاق، مثلاً حلم و عفو، جود و کرم، شجاعت، شفقت و رحمت، وفا اور صلہ رحم، وقار و شخصیت، عصمت و طہارت، فصاحت و بلاغت، نظافت و پاکیزگی، زہد و عبادت جیسے عناوین کے علاوہ آپ ﷺ کے غزوات کی تفصیل بھی پیش کی گئی ہے۔ آخر میں آپ ﷺ کی وفات کے واقعات اور چند فصلوں میں وفات کے بعد کے حالات کو تحریر کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود موضوعات کے لحاظ سے سیرت النبیؐ کے بارے میں ایک جامع کتاب ہے۔

****

مکاتیب الرسول(ص) ۴ جلد

تالیف: آیت اللہ احمدی میانجی (متوفی ۱۴۲۱ھ)

ناشر: انتشارات دارالحدیث، قم، طبع اول: ۱۳۷۷ شمسی،

زبان: عربی، موضوع: پیغمبر اکرم ﷺ کی جانب سے بادشاہوں، عہدہ داروں، حکمرانوں کو لکھے گئے مکتوبات، معاہدے اور دستاویزات

یہ کتاب حوزہ علمیہ قم کے ایک نامور محقق، فقیہ، معلم اخلاق آیت اللہ علی احمدی میانجیؒ کی برسوں کی علمی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا آغاز ۱۳۲۸ شمسی میں اور ۱۳۷۷ شمسی میں اختتام پذیر ہوا ہے۔ جیسا کہ سیرت و تاریخ کی کتابوں پیغمبر اسلام ﷺ کے بہت سے مکتوبات، معاہدوں کی دستاویزات اور حکم نامے بکھرے پڑے ہیں۔ لہٰذا مکاتیب الرسولؐ پہلی کتاب ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ کے تمام مکتوبات و دستاویزات کو تحلیلی اور تحقیقی انداز میں جمع کیا گیا ہے۔

مؤلف محترم نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

حصہ اول: وہ علمی تحریریں کہ جو آپ ﷺ نے حضرت امام علی علیہ السلام کو املاء کروائی ہیں۔

حصہ دوم: وہ مکتوبات کہ جو آپ ﷺ کی جانب سے بادشاہوں، حکمرانوں، اُمراء کو دعوت اسلام اور اُن کے فرائض و ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرانے کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح انہی مکتوبات میں سے کچھ عہد ناموں، معاہدوں اور امانت ناموں کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ اس قسم کی تحریروں کی تعداد ۲۵۵ ہے جو تاریخی کتب میں ذکر ہوئی ہیں، جن میں سے فقط ۲۲۹ ہم تک پہنچی ہیں۔

کتاب "مکاتیب الرسول" چار جلدوں میں اور عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ جو ایک مقدمے، چودہ فصلوں، ایک خاتمے اور فہرست پر مشتمل ہے۔اس کتاب کی چودہ فہرستوں میں جن موضوعات کو ذکر کیا گیا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے:

فصل اول: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے مکتوبات کی ابتدا کرنا۔

فصل دوم: پیغمبر اکرم ﷺ نے "بسم اللہ" کے بعد جو کلمات استعمال کئے اُن کی شرح

فصل سوم: مکتوبات النبیؐ کی فصاحت و بلاغت

فصل چہارم: ان مکتوبات میں آنے والے نامانوس اور مشکل کلمات کی وضاحت

فصل پنجم: یہ بحث کہ کیا پیغمبر اکرم ﷺ خود لکھتے تھے یا نہیں؟

فصل ششم: پیغمبر اکرم ﷺ کے منشیوں اور کاتبوں کا تعارف

فصل ہفتم: بادشاہوں اور حاکموں کو پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف سے دعوت اسلام کے طور پر لکھے گئے مکتوبات

فصل ہشتم: وہ مکتوبات کہ جن کا متن دسترس میں نہیں

فصل نہم: وہ مکتوبات کہ جو ائمہ معصومین علیہم السلام کے پاس موجود تھے

فصل دہم: پیغمبر اکرم ﷺ کے اسلام کی عمومی دعوت پر مشتمل مکتوبات

فصل یازدہم: آپ ﷺ کے اپنے کارگزاروں اور کارندوں کے نام مکتوبات

فصل دوازدہم: عہد نامے اور قرار دادیں

فصل سیزدہم: زمینیں عطا کرنے کے سلسلے میں لکھی گئی تحریریں

فصل چہاردہم: متفرق مکتوبات

مؤلف نے خاتمے میں دوسرے متفرق مسائل اور آنحضرت ﷺ سے منسوب بعض مکتوبات کے بارے میں بحث کی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کی تالیف میں تاریخ، حدیث اور سیرت سے متعلق بہت سے منابع اور مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور ہر مطلب نقل کرنے کے بعد اُس کے ماخذ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مؤلف نے فقط روایات ہی جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر روایت کے بارے میں علمی تحقیق و تحلیل بھی کی ہے۔اس کتاب ضخیم ہونے ایک وجہ یہی ہے کہ اس کے مآخذ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد ۱۳۳۹ شمسی میں قم سے شائع ہوئی تھی اور پھر لبنان سے بھی دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ آخر کار یہ کتاب ۱۳۷۷ھ میں مؤلف کی طرف سے جدید اضافات اور تنقیحات کے بعد مکمل کتاب چار جلدوں میں، انتشار ادارالحدیث کی طرف سے شائع کی گئ ہے۔ جس کے آخر میں اہم فنی فہارس بھی شامل ہیں، جن میں فہرست اعلام، فہرست قبائل، فہرست امکنہ، فہرست اشعار، فہرست مصادر، فہرست مطالب اہم ہیں۔

****

سُنَنُ النّبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ)

ناشر: موسسہ النشر الاسلامی، قم، زبان: عربی

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ مشہور ایرانی فیلسوف، مفسر، متکلم، فقیہ اور عارف اور ماہر علوم دینی ہیں۔ جو چودھویں صدی ہجری میں "المیزان فی تفسیر القرآن" جیسی نامور تفسیر کے مصنف ہیں۔ اُن کی دوسری اہم تالیفات میں سے ایک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و آداب کے بارے لکھی جانے والی کتاب "سنن النبی" بھی ہے جو اپنے اختصار کے باوجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و حیات طیبہ کے متعلق جامع ترین کتاب ہے۔

علامہ طباطبائیؒ نے آیہ مجیدہ: "لَقَد کانَ لَکُم فی رَسولِ اللہِ أُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے) سے الہام لیتے ہوئے سعی کی ہے کہ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار اور سیر و سلوک کہ جنہیں سنن نبیؐ سے یاد کیا جاتا ہے کی کلیات کو بیان کریں۔

اس کتاب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل کے بارے میں چند ملحقات بھی ہیں کہ جن کا اضافہ بقول علامہ طباطبائیؒ تیمناً و تبرکاً کیا گیا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و اُسوۂ حسنہ سے آگاہی حاصل کی جائے۔

اس کتاب میں جزئی واقعات ذکر نہیں ہوئے فقط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کی کلیات کو ذکر کیا گیا ہے۔ احادیث کو نقل کرتے وقت بھی اختصار کی وجہ سے اسناد احادیث کو حذف کردیا گیا ہے۔ جیسا کہ

علامہؒ نے کتاب کے مقدمے میں خود لکھا ہے: ''اختصار کی خاطر ہم نے احادیث کی سند کو حذف کردیا ہے لیکن مسند اور مرسلہ روایات کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے اور کتاب کی طرف رجوع کرنے والوں کی سہولت کے لئے کتابوں کے نام اور مؤلفین کو ذکر کردیا ہے تا اہل تحقیق اصل روایات کی طرف رجوع کرسکیں۔ (مقدمہ کتاب)

یہ کتاب (۲۱) ابواب اور (۴۱۱)احادیث پر مشتمل ہےاور اس کے ملحقات میں (۲۳)ابواب اور (۵۰۷)احادیث ہیں۔ لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و آداب زندگی کے متعلق مجموعاً ۹۱۸احادیث ذکر کی گئی ہیں۔اس کتاب کے ۲۱ابواب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

باب اول: شمائل النبیؐ

باب دوم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب معاشرت

باب سوم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب نظافت اور احکام زینت

باب چہارم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب سفر

باب پنجم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب لباس

باب ششم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب مسکن

باب ہفتم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے اور بستر کے آداب

باب ہشتم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی اور تربیت اولاد کے آداب

باب نہم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے پینے اور سفر کے آداب

باب دہم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت کے آداب

باب یازدہم: اموات کے آداب

باب دوازدہم: علاج معالجے کے آداب

باب سیزدہم: مسواک کرنے کے آداب

باب چہاردہم: وضو کرنے کے آداب

باب پانزدہم: غسل کرنے کے آداب

باب شانزدہم: نماز کے آداب

باب ہفدہم : روزے کے آداب

باب ہجدہم : اعتکاف کے آداب

باب نوزدہم : صدقہ کے آداب

باب بیستم : قرائت قرآن کے آداب

باب بیست ویکم : دعاوذکر کے آداب اور بعض دعائیں اوراذکار

ملحقات : شمائل النبیؐ

یہ کتاب کئی بار عربی میں شائع ہو چکی ہے۔اس کے فارسی اور اردو ترجمے بھی چھپ چکے ہیں۔اُردو ترجمہ جناب مولانا ولی الحسن رضوی نے کیا ہے۔جو کئی سال پہلے تہران سے شائع ہوا ہے۔اسی طرح اس کتاب کا انگلش ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

****

حیاۃ النبی ﷺ وسیرتہ (۱۔۳)

الشیخ محمد قوام الوشنوی (متوفی ۱۴۱۸ھ)

ناشر: دارالاُسوۃ للطباعۃ والنشر، طبع اول: ۱۴۱۶ھ، تعداد: ۲۰۰۰، تحقیق و پیشکش: رضا استادی، موضوع: حیات طیبہ وسیرت النبیؐ

حوزہ علمیہ قم کے ممتاز عالم دین اور محقق حجۃ الاسلام والمسلمین جناب شیخ محمد قوام الوشنوی ایک ماہر ادیب اور محقق ہیں جنہوں نے بیسیوں دینی موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔جن میں تین جلدوں میں لکھی گئی کتاب "حیاۃ النبی وسیرتہ" سیرت النبیؐ کے موضوع پر بہترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب مؤلف محترم نے مرجع تقلید آیت اللہ العظمیٰ حسین طباطبائی البروجردیؒ کی درخواست پر لکھی ہے۔اس کتاب میں پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت سے پہلے کی حالات سے لے کر آپؐ کی رحلت تک کے حالات کو قلم بند کیا گیا ہے اور تمام روایات کو معتبر کتب و مآخذ سے لیا گیا ہے۔

پہلی جلد میں، پیغمبر اکرم ﷺ کے نسب شریف، خاندان بنی ہاشم، والد محترم، والدہ مکرمہ، ولادت باسعادت، ولادت کے وقت کے حالات اور واقعات، اسمائے مبارکہ، والدہ، دادا اور چچا کی وفات اور

نوجوانی کے واقعات کے علاوہ جناب خدیجہ سے ازدواج تک حالات تاریخی تحلیل و تجزیہ کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اسی جلد میں علامات نبوت، مبعث رسول اللہ ﷺ، جناب خدیجہ کبریٰ کی تصدیق، ظہور اسلام، دفاع ابوطالب، ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب، وفات ابوطالب و خدیجہ، وفد نجران، دعوت قبائل، واقعہ معراج، ہجرت مدینہ، تبدیلی قبلہ وغیرہ جیسے واقعات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

دوسری جلد، غزوات النبی اور سرایا النبی اور دوسری جنگوں کے حالات کو تفصیل سے ذکر کرنے کے علاوہ ہجرت کے پہلے سال سے لے کر نویں سال تک حالات کو لکھا گیا ہے اور فتح مکہ کی تفصیل ذکر کی گئ ہے۔

تیسری جلد، وفود کے تذکرے کے علاوہ واقعہ مباہلہ، حجۃ الوداع، منیٰ، غدیر، میں رسول اللہ ﷺ کے واقعات اور خطبات پر مشتمل ہے۔اسی جلد تنبیہات کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کی ازدواج کی تعداد، اولاد، غلاموں، کنیزوں اور خدام کی تعداد و حالات کو ذکر کیا گیا ہے۔اسی طرح وحی کے کاتبوں اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

کتاب کا آخری حصہ، رسول اللہ ﷺ کے شمائل اور ذاتی اوصاف کے بارے میں ہے۔ جس میں آپ ﷺ خلق و اخلاق، شمائل مبارک، کلام و فرامین اور صلوۃ النبیؐ کی کیفیت، بیوت النبیؐ، اہل بیت النبیؐ، ازواج النبیؐ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے حالات کو تفصیل سے قلمبند کیا گیا ہے۔جناب فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا سے آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی زبان سے اُن کے فضائل ذکر کئے گئے ہیں۔اسی طرح فدک کے بارے میں بحث کی گئ ہے۔پھر پیغمبر اسلام ﷺ کی منتخب احادیث کو مختلف کتب حدیث و تاریخ سے نقل کرتے ہوئے اخبار ملاحم و فتن پر کتاب کو ختم کیا گیا ہے۔

یہ کتاب عربی زبان سے دوسری کئی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوچکی ہے منجملہ اس کا ترجمہ سید حسنین عباس گردیزی اور چند دوسرے مترجمین کے قلم سے اُردو زبان میں بھی ہوچکا ہے۔

****

السیرۃُ النبویۃُ بروایۃ اهل البیت(ع)

علی الکورانی العاملی

ناشر: دارالمرتضی، بیروت لبنان، طبع اول: ۱۴۳۰ھ (۲۰۰۹ء)، موضوع: سیرت النبیؐ کے متعلق روایات اہل بیت علیہم السلام اور اقوال علماء

ممتاز محقق شیخ علی الکورانی کی کتاب "**السیرۃُ النبویۃُ بروایۃ اهل البیت**" کتب سیرت میں ایک منفرد اضافہ ہے۔اس کتاب کی تالیف کا فیصلہ مؤلف نے سید جعفر مرتضیٰ عاملی کی کتاب "**الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم**" کے بعد کیا ہے، کیونکہ بقول مؤلف یہ کتاب سیرت کے موضوع پر رسمی انداز میں لکھی جانے والی کتب میں ایک اہم کتاب ہے اور اپنی تحلیلی روش کی وجہ سے غیر معمولی حیثیت رکھتی ہے۔
لیکن اس کتاب کے لکھے جانے کے باوجود روایات اہل بیت اطہار علیہم السلام اور مکتب اہل بیتؑ کے علماء کے اقوال پر مبنی سیرت شناسی کی ضرورت ابھی بھی باقی ہے۔لہٰذا اہل بیت اطہارؑ کے فرامین اور روایات کی روشنی میں سیرت النبیؐ کا مطالعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر مؤلف نے "**السیرۃُ النبویۃُ بروایۃ اهل البیت**" لکھنے کا آغاز کیا اور چند سالوں کی زحمت کے بعد وہ تین جلدوں پر مشتمل یہ منفرد کتاب منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوگئے۔
مؤلف نے پہلی جلد میں تمہید کے طور پر چند اہم نکات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے جن میں، سیرت النبیؐ کی اہمیت کہ جو ہر دور میں رہی ہے جس کی وجہ سے ہر زمانے کے علماء نے سیرت النبیؐ پر تالیف و تحقیق کا کام جاری رکھا ہے، جس کے نتیجے میں بہت عظیم الشان اور اہم کتابیں لکھی گئی ہیں۔
اس سلسلے میں "سیرۂ ابن اسحاق" اور پھر اسی کی تلخیص "سیرۂ ابن ہشام" کی طرف مؤلف نے اشارہ کیا ہے۔مؤلف کے نزدیک یہ کتابیں عباسیوں کی مرضی کے مطابق لکھی گئی ہیں جس کی وجہ سے ان کتابوں کو سیرت کے موضوع پر مکمل و جامع کام نہیں کہا جاسکتا اور ان کے کام کی علمی قیمت بہت ہی محدود ہے۔
اس کے بعد مؤلف سیرت پر ہونے والے کام کو خلفائے بنی عباس کی طرف سے پنہان کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور چند اہم کتب سیرت کہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ابو رافع وغیرہ جیسے افراد کی طرف سے انجام پایا ہے، اسی طرح سیرت و علوم اسلام کے خزانوں کو حکمرانوں کی جانب سے جلائے جانے کی طرف اشارہ کیا

ہے۔ جس میں اہل بیت اطہارؑ کی علمی میراث کا ضائع ہونا بھی بہت بڑا نقصان ہے۔اس کے بعد مؤلف نے تمہید کے ان صفحات میں قرآن کریم کو سیرت النبی کا سب سے بڑا مصدر قرار دیا ہے اور ساتھ ہی اسباب النزول کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے سیرت کا یہ مصدر بھی غیر موثر کر دیا جاتا ہے۔ مؤلف کے نزدیک اہل بیت رسولؐ سے زیادہ کوئی بھی شخص سیرت رسول سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ تمہیدی کلمات میں "شعر ابی طالب مصدر للسیرۃ" اور "اھل البیت أدری بسیرۃ جدھم واصدق" کے عنوان سے اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے آگاہی کے لئے ہمیں ان دونوں مصادر کی اہمیت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد وہ اس کتاب کو لکھنے کا مقصد و ہدف ذکر کرتے ہیں اور پھر رسمی انداز میں لکھی جانے والی کتب سیرت اور اس کتاب کے درمیان چند فرق ذکر کرتے ہیں۔

کتاب "**السیرۃُ النبویۃُ بروایۃ اھل البیت**" کی چار جلدیں مجموعاً 73 فصلوں اور 23 ملحقات پر مشتمل ہیں۔ جن میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور اصحاب سے متعلق اہم تاریخی نکات پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی 73 فصلوں کے اہم عناوین کچھ یوں ہیں :

اول خلق اللہ تعالیٰ نور النبی (ص) جزیرۃ العرب فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الیھود فی الجزیرۃ العربیۃ، مکانۃ الکعبۃ عند العرب، مکانۃ الآباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند العرب، ولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونشاتہ، النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بیت عمہ الحنون ابی طالبؑ، زواجہ بخدیجۃ و مقدمات بعثتہ، ولادۃ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ، مقدمات بعثۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کیف بدأت بعثۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، المرحلۃ الاولی دعوۃ بنی ہاشم خاصۃ، دعوۃ النبیؐ عشیرتہ واستنفار قریش ضدھم، ابو طالب (ع) یوحد بنی ہاشم لحمایۃ النبی، الاسراء و المعراج، اول من اسلم و اول من اعلن اسلامہ، ---- المرحلۃ الثانیۃ، الدعوۃ العامۃ: فاصدَعْ بِمَا تُوْمَر---- ہجرۃ المسلمین الی الحبشۃ--- محاصرۃ قریش البنی ہاشم فی شعب ابی طالب---- ابو طالب (ع) یقود عملیۃ کسر الحصار قبیل وفاتہ--- ہجرۃ النبیؐ الی المدینۃ--- النبیؐ والیھود من غزوۃ بدر الی احد--- النبیؐ والعرب من غزوۃ بدر الی احد--- تحویل القبلۃ من بیت المقدس الی مکۃ--- السنۃ التاسعۃ للھجرۃ: عام الوفو--- مباہلۃ النبیؐ مع نصاری نجران--- حجۃ الوداع ---بیعۃ علی (ع) یوم الغدیر --- جیش اسامۃ وہدف النبی منہ--- مرض النبی وشہادتہ--- وصایا النبیؐ العامۃ والخاصۃ--- الخ

****

سیرۃ المصطفیٰ نظرۃ جدیدہ

ہاشم معروف الحسنی، (متوفی ۱۴۰۴ھ)

ناشر: دارالتعارف للمطبوعات، بیروت ، موضوع : محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، پیامبر اسلام، ۵۳ قبل از ہجرت ۱۱ھ ، طبع اول: ۱۴۱۶ ھ

سید ہاشم معروف الحسنی مشہور لبنانی عالم دین ہیں جو ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے نجف اشرف کے حوزہ علمیہ میں داخل ہوئے۔ وہ ۱۹۴۲ء میں نجف اشرف سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد لبنان واپس چلے گئے تھے جس کے بعد دین کی تبلیغ وترویج کے ساتھ ساتھ دینی علوم ومعارف میں تالیف و تحقیق کا کام شروع کر دیا اور برسوں کی محنت کے بعد اُن کئی علمی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں اہم ترین کتابیں یہ ہیں:

عقیدۃ الشیعۃ الامامیۃ، الحدیث و المحدثون، تاریخ الفقہ الجعفری، بین التصوف و التشیع، احکام المفلس والتحجیر علیہ، الولایۃ و الشفعہ، الشیعۃ بین الاشاعرۃ و المعتزلۃ، الانتفاضات الشیعیہ عبر التاریخ، سیرۃ المصطفیٰ، سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر، اصول التشیع عرض و دراسہ، دراسات فی الحدیث و المحدثین، الوصایۃ والأوقاف وإرث الزوجۃ والعول والتعصیب من الأحوال الشخصیۃ، من وحی الثورۃ الحسینیۃ، دراسات فی الصحیح للبخاری و الکافی للکلینی۔

سید ہاشم معروف حسنی کی کتابیں اپنے تحقیقی مطالب کی وجہ سے بہت سی دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہی۔ فارسی زبان میں اُن کی اکثر کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح اُردو میں بھی "سیرت مصطفیٰ" کے علاوہ چند دوسری کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔

"سیرۃ المصطفیٰ نظرۃ جدیدہ "سیرت النبیؐ کے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے اور جس میں سید ہاشم معروف حسنی کے قلم کی جدت پسندی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ مؤلف کتاب کے مقدمے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے لکھتے ہیں:

"اے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی سیرت ایک ایسے انسان کے قصے سوا کچھ بھی نہیں کہ جس نے اپنے دل کو انسانوں کے غم ومشکلات کے لئے کھول دیا تھا، ایسا انسان کہ جس نے انسانوں میں بھائی چارہ، عدل

وانصاف ،آزادی وحریت ، باہمی دوستی ومحبت قائم کرنے کے لئے قیام کیا ہے ،ایسا انسان کہ جس نے تمام انسانوں کے لئے ایک بہترین مستقبل بنانے کے لئے جنگ وجہاد کیا ہے خواہ اُنھوں نے اس کی نبوت کا اقرار کیا ہے یا نہیں کیا۔جس نے ظالم اور درندہ صفت قوتوں کا مقابلہ پوری ہوشیاری ،استقامت ،تدبیر اور قوت کے ساتھ کیا ہے۔"

یہ کتاب ۲۶ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں سیرت النبیؐ کے تمام موضوعات کو مسند مصادر وماخذ کے ساتھ عمدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تاریخی واقعات کے ساتھ اسلام کے معارف اور سیرت النبیؐ کے اہم حالات پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔مثلاً تیرہویں فصل میں زوجات النبی ﷺ کی بحث میں اسلام میں "تعدد الزوجات" پر بھی بحث کی ہے۔سید ہاشم معروف الحسنی کی تمام تالیفات خصوصاً مذکورہ کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اُن کا قلم انتہائی معتدل ہے لہٰذا اُن کی تحریر کو ہر قسم کا عقیدہ رکھنے والا مسلمان پڑھ سکتا ہے وہ دوسری کی دل آزاری کرنے سے پوری طرح اجتناب کرتے ہیں اور فقط اسلام وتاریخ اسلام کے حقائق کو اپنے قارئین تک پہنچانے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اُردو زبان میں ترجمہ ہو چکی ہے اور سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بہترین ماخذ ہے۔

* * * * * * * * * *

فارسی کتابیں:

بررسی تاریخی صلح ہای پیامبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مؤلف: حامد منتظری مقدم

ناشر: مؤسسہ ی آموزشی وپژوہشی امام خمینیؒ تہران

طبع: اول، ۱۳۸۳ شمسی، صفحات: 197

موضوع: محمد پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قبل از ہجرت، ۱۱ ھ، نامہ ہا و پیمان ہا، اسلام، تاریخ

عصر حاضر میں پوری دنیا خوف ناک اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والی جنگ کے بارے میں پریشان ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں تاریخ اسلام (زمانہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں صلح اور امن کے بارے میں تحقیق ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ تاریخ اسلام میں صلح اور جنگ کے بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں، مسلمانوں کی جنگوں کے بارے میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن، ان کی صلح کے واقعات سے غفلت برتی گئی ہے جس کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں صلح وامن کی اہمیت کا پہلو اُس طرح نمایاں نہیں ہوسکا جس طرح ہونا چاہیے تھا۔ اسی غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بعض مستشرقین نے بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام کو "جنگ وشمشیر کا دین" قرار دیا ہے۔

اس کتاب میں اس قسم کے شبہات کو دور کرنے کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح سے متعلق واقعات کے بارے میں ایک تحقیق انجام دی گئی ہے اور تاریخ اسلام اور سیرت النبیؐ کے اس پہلو کو نمایاں کرنے کی سعی کی گئی ہے اور اس سلسلے میں دین اسلام کے بارے میں شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ شاید بعض افراد کے ذہن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں فقط مشہور "صلح حدیبیہ" کا واقعہ ہی نقش ہے اور بہت سے افراد کے لئے باعث تعجب ہو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں صلح حدیبیہ کے علاوہ بھی صلح کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔

تاریخ اسلام میں صلح وآشتی کے بہت سے واقعات ہیں کہ جو بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں بعض واقعات کو جعل کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کی گئی تاکہ بعض اصطلاحات اور واقعات جعل کرکے اس موضوع کو وسعت دی جائے بلکہ پہلے مفاہیم کی وضاحت کی گئی ہے اور

کلمہ صلح کی مختلف تعریفیں پیش کی گئی ہیں اور موضوع کا ایک معیار قائم کرنے کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات میں پیش آنے والے صلح کے واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ہر ایک صلح کے بارے میں صلح کے واقعہ کے دوران کے حالات، صلح منعقد کرنے کی شرائط اور صلح نامہ تدوین کرنے کی کیفیت کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔اسی طرح کتاب میں تاریخ نگاری کے اصولوں کا بھی پورا خیال رکھا گیا ہے اور تمام واقعات کو مستند انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔پیشینہ تاریخی ۲۔ صلح ہای پیش از حدیبیہ ۳۔ صلح حدیبیہ ۴۔ صلح ہای پس از حدیبیہ

* * * * * * * * * *

بشارات عہدین

مؤلف: محمد صادقی

ناشر: دار الکتب الاسلامیہ، تہران صفحات: ۳۰۰، موضوع: پیامبر اسلام ﷺ کے بارے میں عہدین کی پیشگوئی

کتاب "بشارات عہدین" کا موضوع جیسا کہ نام سے ہی واضح ہے، اُن بشارتوں کی شرح اور تفصیل ہے جو سابقہ انبیائے کرام کی کتابوں میں آسمان ہدایت کے روشن ترین ستارے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کے بارے میں زبان وحی سے صادر ہوئی ہیں۔انہی بشارتوں کے ضمن میں بہت سے ایسے موضوعات کے بارے میں بھی مختصر سی بحث کی گئی ہے جو عام طور پر مختلف ادیان ومذاہب میں اہل نظر و تحقیق کی نظر میں اہمیت رکھتے ہیں۔اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت و نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انبیائے کرام کی بشارتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں روشن ترین براہین اور ادلہ موجود ہیں، لیکن اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی آگاہی، اُن پر اتمام حجت کے لئے اور اُن حجابات کو رفع کرنے کے لئے کہ جو مذہبی تعصب کی وجہ سے پیدا کئے گئے ہیں، مؤلف نے اس کتاب میں انبیائے الٰہی کی کتابوں سے اہل کتاب کی تصدیق شدہ بشارتوں کو جمع کیا ہے تاکہ تورات وانجیل کی شریعت کے پیروکار جان لیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تکذیب وانکار کی صورت میں وہ اپنے انبیائے کرام کے فرامین کی بھی مخالفت کر رہے ہیں اور در حقیقت وہ اُن ہستیوں پر بھی حقیقی ایمان نہیں رکھتے۔

مؤلف نے کتاب کو ترتیب کے لحاظ سے قارئین کے لئے مناسب ودلچسپ بنانے کے لئے کتاب ”وحی کودک“ (نبوئت ھیلد) کو اپنی تحریر کے متن کے طور پر انتخاب کیا ہے کہ جو حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی ولادت، زمانہ ولادت کے حالات وواقعات، بعثت، معجزات اور علامات کے متعلق پیشگوئیوں کے بارے میں بہت اعلیٰ مضامین پر مشتمل ہے۔اس کتاب سے موضوع کی مناسبت سے چند جملے نقل کرنے کے بعد اُن کی مختصر شرح اور سابقہ انبیائے کرام کی کتب سے چند آیات نقل کی ہیں اگرچہ ”وحی کودک“ (نبوئت ھیلد) کے جملات بھی اپنی جگہ بشارات ہیں اس کتاب میں نقل ہونے والی دوسری بشارتوں کے مقابلے خود قابل استدلال ہیں، لیکن مؤلف نے فقط اُنہی پر اکتفا نہیں کیا۔بلکہ اہل کتاب کی دوسری کتب سے بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں بشارتیں اکٹھی کی ہیں۔

* * * * * * * * * *

پیام پیامبر (ﷺ)

(پیغمبر اکرم ﷺ کے مکتوبات، خطبات، وصیتوں، دعاؤں، جامع فرامین کا مجموعہ)

ترجمہ وتالیف: بہاء الدین خرماشاہی، مسعود انصاری

صفحات: ۹۷۴ ناشر: جام، تعداد: ۵۰۰۰ طبع اول: ۱۳۷۶ شمسی، موضوع: احادیث پیغمبرؐ

حدیث نبوی، اُخت القرآن ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے سب سے عظیم اور سب سے پہلے مفسر خود پیغمبر اکرم ﷺ ہیں۔قرآن مجید کی آیات بینات کے بعد جو چیز ایک مومن انسان کے دل اور روح کو منور کرسکتی ہے وہ آپ ﷺ کے فرامین اور ارشادات ہیں۔اگر مسلمان اقوام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی دس گنا زیادہ ترقی کرجائے اور جدید وسائل سے مزین ہوجائے پھر بھی اُسے اخلاقی ومادی اور معنوی زندگی گزارنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کے حیات بخش پیغام کی ضرورت ہے۔قرآن مجید کے نزدیک آپ ﷺ کی حیات مبارکہ تمام انسانوں کے لئے اُسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے تاکہ ہر زمانے کا انسان اپنی زندگی کے شب وروز کو اس کے مطابق گذارے اور اپنی انفرادی واجتماعی میں آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے علمی ومعنوی سرمائے (قرآن وعترت) سے تمسک حاصل کرے۔

کتاب ”پیام پیامبر“ کتب اربعہ اور صحاح ستہ جیسے شیعہ وسنی حدیث کے بنیادی مآخذ سے منقول احادیث پر مشتمل ہے۔یہ کتاب اپنی نوعیت کی اہم ترین فارسی کتاب شمار ہوتی ہے کہ جس میں بہت زیادہ علمی دقت

نظر سے کام لیا گیا ہے اور جس کو عام قارئین کے لئے سادہ زبان میں پیش کیا گیا ہے۔یہ کتاب حدیث کے ماہرین کے نزدیک مستند سمجھی جاتی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین اور حدیث نبوی کے مشتاق عام لوگوں کے لئے بھی مفید ہے۔کتاب میں درج تمام احادیث کو اعراب کے ساتھ ساتھ ہر حدیث کے سامنے اس کا فارسی ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کے ظاہری حُسن میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

''پیام پیامبرؐ'' دس فصلوں پر مشتمل ہے:

۱۔**مکتوبات النبیؐ**: یہ فصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس منتخب مکتوبات پر مشتمل ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے کے سربراہان مملکت کو ارسال فرمائے تھے۔

۲۔**خطبات**: یہ پندرہ خطبات کا مجموعہ ہے کہ جس میں مدینہ میں دیا گیا پہلا خطبہ، خطبہ رمضان المبارک، خندق کی کھدائی کے وقت دیا گیا خطبہ، خطبہ حجۃالوداع، خطبہ غدیر اور فتح مکہ کے وقت کا خطبہ شامل ہے۔

۳۔**وصیتیں**: جس میں حضرت امام علی علیہ السلام کو کی گئی ۶۴ وصیتیں، حضرت ابن مسعودؓ کو کی گئی ۷۴ وصیتیں، حضرت ابو ذرؓ کو کی گئی ۳۷ وصیتیں اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت سلمانؓ کو کی گئی وصیتیں شامل کی گئی ہیں۔

۴۔**رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں**: یہ فصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔

۵۔یہ فصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۵۴ پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔

۶۔اس فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہونے والی تماثیل اور ضرب المثل اکھٹی کی گئی ہیں جن کی تعداد ۵۲ ہے۔

۷۔یہ فصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناہی پر مشتمل ہے جس میں ۶۰ ایسی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

۸۔اس فصل احادیث قدسی کو جمع کیا گیا ہے جن کی تعداد ۹۵ ہے۔

۹۔احادیث موضوعی: یہ کتاب کا اصلی حصہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہونے والی موضوعی احادیث جمع کی گئی ہیں اور ۱۵۹ فصلوں کے ذیل میں دوستی، فضیلت قرآن، مہمان نوازی سے لیکر دوسرے سینکڑوں مختلف مضامین اور موضوعات پر مشتمل فرامین کو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

۱۰۔جوامع الکلم کہ جو آپ ﷺ کے کلمات قصار پر مشتمل ہے جس میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ ۱۰۷۷فرامین جمع کئے گئے ہیں۔

کتاب کے آخر میں تین قسم کی فہرستیں دی گئی ہیں :

الف : فہرست موضوعی : جو قارئین کو کتاب میں اپنی پسند کے موضوع کو تلاش کرنے میں مدد دیتی ہے۔

ب : تمام احادیث کی فہرست : جس کے ذریعے انسان پوری کتاب میں جہاں چاہے اپنی ضرورت کی حدیث تک پہنچ سکتا ہے۔

ج۔ فہرست مآخذ و منابع : جس میں کتاب کے منابع وماخذ کو ذکر کیا گیا ہے۔

* * * * * * * * * *

پیامبر اسلام (ﷺ) و یہود حجاز

مؤلف: مصطفیٰ صادقی

ناشر: بوستان کتاب ق-م، تعداد: ۲۰۰۰، طبع: اول، ۱۳۸۲ شمسی، صفحات: ۲۸۷

موضوع: محمد (ﷺ) پیامبر اسلام، ۵۳ قبل از ہجرت، ۱۱ھجری، روابط یہودیان، اسلام و یہودیان، یہودیت و تاریخ

اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا دور حکومت، عصر حاضر میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا حکومتی مسائل میں آپ ﷺ کی سیرت اور روش کی پیروی کرنے کے لئے اُس دور کے تمام تاریخی واقعات کے بارے میں تحقیق ضروری ہے۔آج ایران میں اسلامی حکومت کا قیام اس بات کا مقتضی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قائم کی ہوئی حکومت اور آپ کے طرز حکمرانی کا بغور مطالعہ کیا جائے اور اسی مطالعے کی روشنی میں موجودہ دور میں اسلامی نظام حکومتی کی تشکیل کی جائے۔اسلامی جمہوری ایران کی حکومت بھی دینی اصول وضوابط کے مطابق قائم کی گئی ہے۔

لہٰذا پیغمبر اسلام ﷺ کی حکومتی سیرت اور سنت سے آگاہی ضروری ہے۔جب سے انقلاب اسلامی کے ذریعے اسلامی حکومت قائم ہوئی، سیرۂ نبوی کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں سینکڑوں مقالے اور کتابیں فارسی اور عربی زبان میں لکھی گئی ہیں جن میں سیرت النبیؐ کی روشنی میں حکمرانوں کی ذمہ داریوں

سے لیکر حکومتی فقہ کے پیچیدہ ترین مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں حکومت اسلامی میں رہنے والی اقلیتوں کے حقوق و قوانین کے بارے میں بھی مطالعات کئے گئے ہیں۔

موجودہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد سیرۂ رسول اللہ ﷺ کی عقلی اور عرفی تبیین و تفسیر ہے۔یہودیوں کے ایک گروہ کے قتل یا اُن کی جلاوطنی کا حکم ،دشمن اسلام کے ہاتھوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف غیر معقول اور غیر انسانی پروپیگنڈے کا ایک بہانہ بنا ہوا ہے۔انہی واقعات کے بہانے اسلام کی غیر معقول اور غیر انسانی تصویر پیش کرتے ہوئے اسلام کو بدنام کرنے کی سعی کی جاتی رہی ہے۔لیکن اگر تاریخ اسلام کے بارے میں حقیقی بنیادوں پر تحقیق کی جائے اور مخالفین اسلام کے نزدیک قابل قبول اصول و ضوابط کے مطابق اس قسم کے مخالفین اسلام کے اسلامی حکومت کے رویئے کی وضاحت کی جائے تو اس طرح کے بہانے اور پروپیگنڈے کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

اس تحقیقی کتاب کا ایک اور مقصد یہ ہے کہ سیرۂ نبویؐ کے بارے میں پیدا کئے گئے بعض ابہامات اور شبہات کا جواب دیا جائے کیونکہ ابھی تک تاریخ اسلام کے بارے میں جدید کتابوں اور تحقیقات میں یہودیوں کے تین قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کی تحقیق نہیں کی گئی۔اسی طرح یہودیوں کے ساتھ ہونے والے سریہ اور غزوہ کے بارے میں تحقیق بھی بہت اہم ہے جبکہ تاریخی کتابوں میں اس کے بارے زیادہ وضاحت نہیں ملتی۔چونکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں کی تحقیق ہی اس کتاب کا اہم موضوع ہے لہٰذا مؤلف نے اس بارے میں تمام اقوال کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان میں سے درست نظریئے کا اختیار کیا ہے۔یہ قدرتی بات ہے کہ تاریخی واقعات کے ایک ساتھ مربوط ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں جن واقعات کی تحقیق کی گئی ہے،اُن سے تاریخ اسلام کے بہت سے دوسرے موضوعات بھی روشن ہو سکتے ہیں۔

یہ کتاب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: کلیات　فصل دوم: روابط صلح جویانہ　فصل سوم: فرہنگی و تبلیغ ستیز　فصل چہارم: غزوہ ھا

فصل پنجم: سریہ ھا

* * * * * * * * * *

پیامبر وحدت

مؤلف: حسین حسینی

ناشر: مؤسسہ اطلاعات، تہران۔ تعداد: ۳۱۵۰۔ طبع اول: ۱۳۷۹ ان شمسی۔ صفحات: ۳۱۱۔

موضوع: محمد (ﷺ) پیامبر اسلام، ۵۳ قبل از ہجرت، ۱۱ ہجری، سرگذشت نامہ نویسی، سرگذشت نامہ نویسان

کتاب "پیامبر وحدت" اُمت اسلام میں وحدت جیسے اہم مسئلے کے بارے میں لکھی گئی ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کے بعثت کے اہم ترین مقاصد میں ہے۔ درحقیقت اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے ایک بہت ہی اہم پہلو کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے۔ اس کتاب میں مسئلہ وحدت اُمت کے بارے میں چھ پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

مقدمہ: مقدمہ میں وحدت کی بنیاد کے عنوان سے "وحدت" کے موضوع کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مقدمہ کی زبان عرفانی ہے لیکن تفسیری رنگ لئے ہوئے ہے لہٰذا بعض اشعار اور اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں اور اصل موضوعات کی تمہید کے طور پر اسے پیش کیا گیا ہے۔

فصل اول: مسئلہ وحدت کے بارے میں تحلیل و تجزیہ کے مبانی و مبادی کو سیرۂ نبوی کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے

فصل دوم: مسئلہ وحدت کی ضروریات اور تقاضوں کے عنوان کے تحت مسئلہ وحدت کے مقاصد، ثمرات اور اس موضوع کی اہمیت وحساسیت کو ذکر کیا گیا ہے۔

فصل سوم: مفاہیم اور کلمات (کی وضاحت) کرتے ہوئے وحدت آفرین مفاہیم کا تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس حصے میں "وحدت اسلامی" کے مفہوم کو روشن کرتے ہوئے، اسلامی معاشرے، اُمت اسلام اور اس میں وحدت تشکیل پانے کی کیفیت کو روشن کیا گیا ہے۔

فصل چہارم: کتاب کی اس فصل میں اُمت مسلمہ میں وحدت پیدا کرنے کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور روش کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی سیاسی و حکومتی حیثیت سے جو سعی و کوشش کی ہے، اُسے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلامی معاشرے میں اعتقادی اور ثقافتی لحاظ سے اُمت کو وحدت کی لڑی میں پرونے کی جو سعی کی گئی ہے اُسے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح مسئلہ وحدت کی اجتماعی قدر و منزلت اُجاگر کرنے میں آنحضرت ﷺ کی سعی و کوشش کو

بیان کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں اسلامی نظام حکومت تشکیل دینے کے بعد دفاعی اور جہادی مسائل کو اہمیت دی گئی ہے اور پھر اسلامی ثقافت کی تشکیل میں آنحضرت ﷺ کے وحی الٰہی سے مربوط ہونے کے لحاظ سے الہامی کردار کو بیان کیا گیا ہے۔اور پھر قومی وملی وحدت اور مسلمانوں کے درمیان ایمانی یکجہتی اور اُخوت وبرادری قائم کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے سیرت وکردار کو واضح کیا گیا ہے۔اسی طرح قومیت پرستی اور نژاد پرستی کی نفی کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کو واضح کیا گیا ہے۔اسی حصے میں اُمت میں وحدت قائم کرنے کے سلسلے میں بیت اللہ کے کردار کو بھی نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔
اختتام کلمات میں اُمت مسلمہ کے درمیان وحدت وہم بستگی کے فلسفے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اور وحدت اسلامی کے سلسلے میں اُمت اسلامی کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

****

پیغمبر ﷺ ویاران

(جلد ۱۔۲)

مؤلف: مرحوم آیت اللہ محمد علی عالمی (دامغانی)

ناشر: ھاد، تعداد ۱۷۰۰، طبع اول: ۱۳۷۹ شمسی، صفحات: جلد اول ۸۶۴، جلد دوم: ۸۵۷،

موضوع: رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ

گذشتہ لوگوں کے حالات واحوال کا مطالعہ اور گزرے ہوئے حالات وحوادث سے آگاہی ایسے ہی ہے کہ گویا انسان تمام حالات وواقعات میں اُن کے ہمراہ اور تاریخ کے سفر میں اُن کا ہم سفر رہا ہو۔لہٰذا اُن کے حالات کے مطالعہ کے ذریعے انسان بغیر کوئی قیمت ادا کئے ہزاروں سالہ تجربات اور مشاہدات سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

دوسری مختلف اقوام وملل کی تاریخ کی طرح تاریخ اسلام کی تاریخ بھی بہت سے سبق آموز واقعات سے بھری پڑی ہے خصوصاً پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے جان نثار اصحاب کی تاریخ میں عام انسانوں کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے بہت زیادہ درس اور عبرتیں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے جہاں ہم

معارف اسلام سے آگاہ ہو سکتے ہیں وہاں ایمان اور عقیدہ کی خاطر جان ومال کی قربانی دینے والے مجاہدین کی زندگیوں سے بھی آگاہ ہو سکتے ہیں۔

فارسی زبان میں لکھی جانے والی کتاب ''پیغمبرؐ و یاران'' دو جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب پہلے (۱۳۸۶ ھجری میں) پانچ جلدوں میں چھپی تھی لیکن بعد میں اس کا دو جلدی ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ بلا شبہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں لکھی جانے والی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب میں بہت سے صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم کے حالات زندگی کو بہت ہی سادہ اور خوبصورت زبان میں لکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر خلافت امیر المؤمنین علیہ السلام تک کے واقعات و شخصیات کو درج کیا گیا ہے اور ظہور اسلام سے لے کر عروج اسلام کی تاریخ کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ حضرت ابو طالب، حضرت حمزہ، حضرت ابوذر غفاری جیسے سچے حامیان اسلام سے لے کر ابو سفیان، ابو لہب، عبد اللہ ابن ابی وغیرہ جیسے اسلام کے سخت ترین دشمنوں تک کے حالات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اسلام کی دفاعی جنگوں میں جہاد کرتے ہوئے راہ خدا میں قربان ہونے والے صحابہ کرامؓ سے لے کر ہجرت جیسی سختیاں برداشت کرنے والے یاران رسول کی قربانیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور انصار مدینہ کی فداکاریوں کی داستان بھی ملتی ہے۔

* * * * * * * * * *

درسہای پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

گزیدہ ای از بیانات آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای (مد ظلہ العالی)

یہ کتاب رہبر انقلاب اسلامی ایران حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی کے اُن بیانات کو مجموعہ ہے جو اُنھوں نے (۱۳۸۶ و ۱۳۸۱ شمسی کے دوران) مختلف مناسبتوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و شخصیت، خصوصیات اور مناقب وفضائل کے بارے میں بیان فرمائے ہیں۔ اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور شخصیت اور آپؐ کی بعثت سے اخذ ہونے والے اُن درس آموز واقعات کو جمع کیا گیا ہے جو پوری تاریخ میں انسانی معاشروں اور بالخصوص عصر حاضر میں مختلف اقوام وملل کی ضرورت ہیں۔ ان بیانات کے مخاطبین زیادہ تر وہ دانشور، روشن فکر حضرات اور اسلامی ممالک کے حکمران

ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ سالوں کے دوران معظم لہ سے ملاقاتیں کی ہیں اور آپ کے خطابات سنے ہیں۔ اپنے بیانات کے دوران رہبر معظم نے انہی شخصیات کو مخاطب کرکے سیرت نبویؐ کے اہم نکات بیان فرمائے ہیں اور انہیں سیرت طیبہ سے درس لینے کی تاکید کی ہے۔

یہ بیانات خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات بخش تعلیمات کا نچوڑ ہیں جو ایک آگاہ، سیاستمدار، انقلابی، عالم، فقیہ اور حکمرانی کے طویل تجربے سے گذرنے والی شخصیت کی زبان سے جاری ہوئے ہیں اور بہت گہری تاثیر کے حامل ہیں۔ان بیانات میں سیرت طیبہ کے بہت ہی دقیق نکات بیان ہوئے جو نہ صرف خواص کے لئے بلکہ معاشرے کے ہر طبقے کے لئے رہنما اصول لئے ہوئے ہیں۔ جب یورپ میں عالمی سامراج کی جانب سے پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین پر مبنی تحریک شروع ہوئی تو اس وقت اپنی ایک تقریر میں رہبر معظم نے فرمایا تھا:

"اس زمانے میں پیغمبر اعظم ﷺ کا نام نامی ہمیشہ سے زیادہ زندہ ہے اور یہ خفیہ الطاف الٰہیہ اور حکمت آمیز الٰہی تدابیر میں سے ہے۔آج اُمت اسلام اور ہماری ملت پہلے سے کہیں زیادہ اپنے پیغمبر اعظم ﷺ کی محتاج ہے،آپؐ کی ہدایت،آپؐ کی بشارت وانذار،آپؐ کے معنوی پیغام اور اُس عظیم رحمت کی محتاج ہے کہ جو آپؐ نے انسانوں کو تعلیم وتربیت کی صورت میں دیا ہے۔

آج پیغمبر اسلام ﷺ کا اپنی اُمت کے لئے بلکہ پوری انسانیت کے لئے درس یہ ہے کہ وہ عالم ہو جائے، قوی ہو جائے۔آپؐ کا درس، درس اخلاق و کرامت ہے، درس رحمت و معنویت، درس جہاد وعزت، درس مقاومت واستقامت ہے۔

پس امسال قدرتی طور پر نام پیغمبر اعظم ﷺ سے مزین ہے۔اسی مبارک نام کے سائے میں ہماری ملت پیغمبر اسلام ﷺ کے دیئے ہوئے درس کو دہرائے گی اور اسے اپنی زندگی کا لائحہ عمل قرار دے گی۔ہماری قوم، مکتب نبویؐ اور درس محمد ﷺ کی شاگرد ہے اور اس پر فخر کرتی ہے۔ہماری ملت نے اسلام کے پرچم کو پوری اُمت کے درمیان پوری استقامت واستحکام کے ساتھ بلند کر رکھا ہے، سختیاں برداشت کر رہی ہے اور فضل الٰہی سے کامیابیاں دیکھ رہی ہے"۔

(کتاب سے اقتباس)

اس کتاب کے اہم ترین موضوعات یہ ہیں:

۱۔ شخصیت و سیرۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

۲۔ بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

۳۔ عوام الناس تک پیام الٰہی کا ابلاغ،

۴۔ حکومت اسلامی کی تشکیل

۵۔ دنیائے اسلام کی موجودہ بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں بنیادی نکات،

۶۔ اُمت کی وحدت اور اسلامی بیداری

* * * * * * * * * *

سیری در سیرۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تالیف: آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ

ناشر: انتشارات صدرا، تہران، طبع دوم: ۱۴۰۸ھ، تعداد: ۲۰۰۰۰، زبان: فارسی،

موضوع: سیرت نبوی کے متعلق تحلیل و تجزیہ

دراصل یہ کتاب آیت اللہ شہید مطہریؒ کی آٹھ تقاریر کا مجموعہ ہے جو ۱۳۹۶ ھجری کے ایام فاطمیہ میں مسجد جامع بازار تہران میں کی گئی تھیں۔ جیسا کہ کتاب کے مقدمے سے پتا چلتا ہے "سیرۂ نبوی" آیت اللہ مطہری شہید کی اُن علمی تقاریر کا انتخاب ہے جو اُنھوں نے "اسلام کی نظر میں شناخت کے منابع" کے عنوان سے مختلف مقامات پر کیں تھیں۔

آیت اللہ مطہریؒ نے اس کتاب میں سیرۂ نبوی کے بارے میں جدید انداز سے بحث کی ہے کہ جس کی پیروی بعد میں دوسرے محققین نے بھی کی ہے۔ بظاہر شہید مطہریؒ کی نظر میں معصومین علیہم السلام کی سیرت کو ہمیں ہدایت طلبی کی نظر سے دیکھنا چاہیے جس کے مبانی میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے کلام و کردار کی حجیت، اس سے عملی منطق کا اثبات اور اُن کی سیرت کا زمان و مکان کے ماوراء ہونا جیسے عناوین بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ فقط یہ کتاب ہی اس انداز میں نہیں لکھی گئی بلکہ شہید مطہریؒ کی دوسری کتابیں بھی اسی انداز میں ہیں کہ جن میں سیرت معصومینؑ کو استنباط کرنے کا طریقہ اور اسلوب بہت اہم ہے۔

کتاب ”سیری در سیرۂ نبوی“ آٹھ بنیادی حصوں کے علاوہ ایک دیباچے، مقدمے اور ضمیمے پر مشتمل ہے۔
اس کتاب کا دیباچہ دراصل کتاب ”محمد خاتم پیامبران“ کی جلد اول و دوم کا مقدمہ ہے۔یہ کتاب پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کی مناسبت سے ”حسینیہ ارشاد تہران“ کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔یہ دیباچہ دو حصوں میں ہے۔
پہلے حصے میں شہید مطہریؒ نے انبیائے کرامؑ کی دعوت کی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ”دعوت ھای سہ بُعدی“ کے عنوان سے بحث کی ہے۔کہ انبیائے کرامؑ کا یہ پہلو حیات انسان کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے۔جس نے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنی طرف جذب کیا ہے اور انسان کے وجود کی گہرائیوں تک نفوذ کیا ہے۔نیز انسان ہمیشہ انبیاء کی دعوت کا محتاج ہے۔ دوسرے حصے میں شہید مطہریؒ نے ”موج اسلامی“ کے عنوان سے اسلام کے پیش رفتہ اور ابدی ہونے کی تاکید کی ہے۔
اس کتاب کا مقدمہ بھی خود شہید مطہریؒ ہی کے قلم سے اس گمراہ سوچ کا رد ہے کہ جس کے مطابق ”ہم اولیاء کی پیروی کرنے پر قادر نہیں“ ہیں۔اس میں شہیدؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسلام کی معرفت و شناخت کے مآخذ میں سے ایک ” سیرت معصومین علیہم السلام“ بھی ہے۔اور سیرت معصومینؑ سے بے اعتنائی، درحقیقت اسلامی معاشرے کی آفات میں سے ایک بڑی آفت ہے۔
پہلی تقریر میں شہیدؒ نے سیرت کا معنیٰ اور اس کی اقسام کو ذکر کیا ہے۔اور یہ کہ سیرت نبویؐ مختلف پہلوؤں سے قابل تحقیق ہے۔مثلاً تبلیغ، رہبری، قضاوت،، خاندان، اصحاب اور دشمنوں کے ساتھ برتاؤ وغیرہ۔
دوسری تقریر ”منطق ثابت عملی“ کے عنوان سے ہے۔جس میں شہید نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسانوں کی حیات میں قابل ثبات عملی منطق کو استنباط کیا جاسکتا ہے۔بلکہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین علیہ السلام بلکہ دوسرے بزرگان دین کی حیات سے قابل ثبات عملی منطق کو استخراج کیا جاسکتا ہے۔
تیسری تقریر میں شہید مطہریؒ نے سیرہ و نسبیت اخلاق“ کے عنوان سے بحث کی ہے۔اس میں شہیدؒ نے بعض باطل اور غلط طور طریقوں کی نشاندہی کی ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے کسی بھی صورت اپنی زندگی میں اختیار نہیں کیا۔مثلاً دھوکہ وخیانت، تجاوز اور ظلم پذیری وغیرہ۔پیغمبر اکرم ﷺ اپنی

سیرت و کردار میں بعض اُصولوں کے بطور مطلق پابند تھے جن کو شہید مطہریؒ نے "اُصول اولیہ اخلاق" اور "معیارھای اولیہ انسانیت" کے نام سے یاد کیا ہے۔مثلاً عدالت، صداقت وامانت وغیرہ۔

اس کتاب کا چوتھا موضوع کہ جس کے بارے میں شہیدؒ نے بحث کی ہے وہ ہے "کیفیت استخدام وسیلہ" یعنی کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کس ذریعہ اور وسیلہ سے استفادہ کیا جائے۔ شہید مطہریؒ کی نظر میں مسلمانوں کو اپنے مقاصد واہداف کے انتخاب میں بھی اور اُن تک پہنچنے کے وسیلوں اور طریقوں میں اصول اسلام کے پابند رہنا چاہیے۔ بعنوان مثال پیغمبر اکرم ﷺ نے دین کی تبلیغ میں کبھی ناجائز طریقوں سے استفادہ نہیں کیا۔اسی لئے دین کی ترویج کے لئے حدیث جعل کرنا یا بدعت آمیز طریقوں سے استفادہ جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد پانچویں تقریر میں شہید مطہریؒ استخدام وسیلہ کے متعلق مخاطبین کے دو سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ چھٹی اور ساتویں تقریر میں اسلام میں اصول تبلیغ کی وضاحت کی جاتی ہے کہ جو قرآنی آیات سے قابل استنباط ہے اور سیرت نبویؐ میں جس کی جھلک بہت واضح ہے۔

آٹھویں اور آخری تقریر میں اسلام کے سرعت کے ساتھ پھیلنے میں سیرت نبویؐ کے کرادر کی وضاحت کی جاتی ہے۔ شہید مطہریؒ کے نزدیک اسلام کا سرعت کے ساتھ پھیلاؤ درحقیقت دین اسلام کے اہم ترین امتیازات میں سے ہے جس کا سب سے بڑا سبب قرآن مجید کی تعلیمات اور دعوت و تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔

کتاب "سیری در سیرۂ نبوی" کے آخر میں ضمیمہ کے عنوان سے دو حصے پیش کئے گئے ہیں۔ایک حصے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو پیش کیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے فرامین کے بارے میں مختصر وضاحت کی گئی ہے اور پھر دوسرے حصے میں رسول اکر ﷺ کے ایک سو فرامین کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

****

فروغ ابدیت (۱۔۲)

آیت اللہ جعفر سبحانی

ناشر : بوستان کتاب ، قم ،زبان : فارسی ، طبع اول : ۱۳۶۳ شمسی ، موضوع : سیرت و تاریخ پیغمبر اکرم ﷺ کا مکمل تحلیل و تجزیہ

یہ کتاب فارسی زبان میں پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ کے بارے میں ایک مکمل تحلیل و تجزیہ ہے جس کو تاریخی روش کے مطابق لکھا گیا ہے۔اس کتاب میں پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ سے متعلق واقعات کو سبق آموز انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔یہ کتاب شیعہ کتب اور مآخذ کے مطابق لکھی گئی ہے۔اور آپ ﷺ کے بارے میں خرافات پر مبنی افسانوی واقعات سے خالی ہے۔

کتاب کے مؤلف آیت اللہ جعفر سبحانی تبریزی حوزہ علمیہ قم کی نمایاں علمی ، فقہی ،کلامی شخصیت ہیں جنہوں نے قرآن کی موضوعی تفسیر بھی لکھی ہے اور موجودہ مراجع تقلید میں شمار ہوتے ہیں۔

فروغ ابدیت دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور مجموعاً ۶۵ فصلوں پر مشتمل ہے جس میں درج ذیل جزئی و کلی موضوعات و عناوین لائے گئے ہیں۔ جن میں اہم ترین عناوین یہ ہیں :

شبہ جزیرہ عربستان یا گھوراہ تمدن اسلامی، عرب پیش از اسلام،اوضاع روم وایران دوامپراطوری بزرگ جہان، نیاکان پیامبر اسلامؐ، میلاد پیامبرؐ، دوران کودکی پیامبرؐ، بازگشت بہ آغوش خانوادہ، دوران جوانی،از شبانی تا تجارت، از ازدواج تا بعثت، نخستین جلوہ حققت،اقسام چہار گانہ وحی،افسانہ ہای دروغ درزندگی پیامبران ، نخستین مرد وزنی کہ بہ پیامبر ایمان آورد ، دعوت ہای سری ، دعوت عمومی ، داوری قریش دربارہ قرآن، نخستین ہجرت ،افسانہ غرانیق ،محاصرہ اقتصادی، سفری بہ طائف،ازدواج پیامبرؐ، تبدیلی قبلہ وغیرہ جیسے عناوین کے بعد اس کتاب میں پیغمبر اسلام ﷺ کی جنگوں اور غزوات کے حالات بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔دوسری جلد میں پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری سالوں کے واقعات مثلاً وفات فرزندان پیامبرؐ ،واقعہ مباہلہ ،حجۃ الوداع ،جانشینی پیامبرؐ ،مدعیان دروغ گو اور رحلت پیغمبرؐ کو بھی تحلیل و تجزیہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں مختلف فہرستیں بھی دی گئی ہیں جن میں آیات، روایات، قرآنی سوروں، اعلام، اماکن، مذاہب وادیان، کتابوں اور منابع کی فہرستیں اہم ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کے تفصیلی حالات پر مبنی ہونے کی وجہ سے یہ کتاب عربی زبان کے علاوہ اُردو، بنگالی، پرتغالی، انگلش اور فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکی ہے۔

****

سیرۂ نبوی (منطق عملی)

مصطفیٰ دلشاد تہرانی

ناشر: انتشارات دریا، تہران　موضوع: سیرت نبویؐ، طبع اول: ۱۳۸۳ شمسی

سیرۂ نبوی (منطق عملی) سیرت النبیؐ کے موضوع پر قرآن مجید، پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اوصیائے کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ سے ماخوذ رہنما اُصولوں پر مبنی سات کتابوں کا مجموعہ ہے۔ سیرت النبیؐ کے اس کتابی سلسلے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے بارے میں اجتماعی، فردی، سیاسی، عسکری، معاشی اور خاندانی طرز زندگی سے متعلق مضامین کو بہت عمدہ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ایک عام مسلمان کے لئے آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے درس زندگی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ کتاب چار مختلف موضوعات پر جدا جدا جلدوں میں تالیف کی گئی ہے۔ اور اس میں بیسیوں زندگی ساز اصولوں سے متعارف کرایا گیا ہے۔ مثلاً: اصل رفق و مدارا؛ اصل تکریم؛ اصل عدم مداہنہ؛ اصل عدم استرحام؛ اصل عدم انظلام؛ اصل عدالت اجتماعی؛ اصل اہتمام برای مستضعفان؛ اصل مقابلہ با مستکبران؛ اصل مساوات؛ اصل اخوت؛ و اصل تعاون، تکافل و مواسات وغیرہ۔ اس کتاب کی سات جلدوں کو سیرت النبی ﷺ کے مختلف موضوعات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابھی تک اس کے چار جلدوں میں چار موضوعات منظر عام پر آچکے ہیں۔ دفتر اول: سیرۂ فردی، دفتر دوم: سیرۂ اجتماعی، دفتر سوم: سیرۂ مدیریتی، دفتر چہارم: سیرۂ خانوادگی۔

یہ کتاب دراصل دو حصوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی عملی اور انفرادی سیرت کے بارے مؤلف کے اُن دروس کا مجموعہ ہے، جو چند سالوں کے دوران آپ ﷺ کی سیرت، روش اور زندگی کے عملی اصولوں کے بارے میں مختلف دینی مجالس اور محافل میں دیئے گئے ہیں۔ بعد میں ان دروس کو کیسٹوں سے کاغذ

پر منتقل کیا گیا ہے اور پھر مؤلف نے مزید تحقیق اور جدید ترتیب واصلاح کے ساتھ انہیں سات جلدوں میں اور ہر جلد کو ایک خاص موضوع میں مرتب کیا ہے۔ مؤلف کے بقول ان سات جلدوں کے تمام مضامین ایک مقصد کو مد نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں اور پڑھنے والے کی ایک ہی مقصد (سیرت نبوی کی روشنی میں تربیت نفس) کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں سیرت کے بارے میں بحث و تحقیق کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جب تک اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت واضح نہیں ہوگی ،اُس وقت تک اس کتاب سے احسن انداز میں استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا وہ مؤلف یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم ﷺ کا تعارف بطور اُسوہ اور نمونہ کرایا ہے اور مسلمانوں کے لئے زندگی کے تمام پہلوؤں میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسان اُسوہ اور نمونہ کے بغیر کمال کی طرف سفر نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد سیرہ شناسی کی بحث شروع کی جاتی ہے۔ جس کے مطابق جس طرح زبان وادب ،نثر وشعر اور فن وہنر میں ایک اسلوب وسبک ضروری ہوتا ہے اسی طرح انسان کی زندگی اور معاشرت میں بھی ایک خاص اسلوب وسبک کی ضرورت ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ عملی میدان میں ایک اسلوب اور روش کے مطابق زندگی گزارے، جسے دینی زبان میں سیرہ اور منطق عملی کہا جاتا ہے۔ اور کائنات میں سب سے بہترین سیرہ اور عملی منطق ،پیغمبر اسلام ﷺ کی ہے جس کی پیروی کرنا ہر انسان پر واجب ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں انفرادی سیرت کے موضوع کو شروع کیا جاتا ہے۔ اور پیغمبر اکرم ﷺ کے شخصی اخلاق سیرۂ فردی اور منطق عملی کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں مستند حوالوں سے آپ ﷺ کی اجتماعی ،سیاسی اور خاندانی سیرت پیش کی جاتی ہے۔ مؤلف اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی تاکید کے مطابق آپ ﷺ سیرت وکردار ''سنت'' کے عنوان سے مسلمانوں کے درمیان رائج ہونی چاہیے اور ہر مسلمان کو اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس پیروی کے بغیر وہ حقیقی مسلمان نہیں بن سکتا۔ اس سلسلے میں مؤلف ،اصل زہد ،اصل سادگی ،اصل تفکر ،اصل حریت ،اصل استقلال ، اصل عزت ،اصل نظم وانضباط جیسے عناوین کے تحت بہت ہی دلچسپ مطالب پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے

میں وہ جہاں خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات ذکر کرتے ہیں، وہاں ائمہ اطہار علیہم السلام کے فرامین وروایات سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔

اس کتاب کے مثبت پہلوؤں میں سے ایک اس کتاب کے مستند، مستدل ہونے کے علاوہ بہت زیادہ روایات واحادیث سے استفادہ کرنا ہے اور ان تمام مطالب کو بہت ہی عمدہ انداز میں پیش کرنا ہے۔اس کتاب کی ہر جلد کی تلخیص بھی چھپ چکی ہے۔

****

سیمای پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در نہج البلاغہ

عبدالمجید زہادت

ناشر: بوستان کتاب (دفتر تبلیغات قم)، طبع اول: ۱۳۸۴ شمسی، صفحات: ۳۰۴،

موضوع: سیرت پیغمبرؐ نہج البلاغہ کی روشنی میں

کمال پرستی اور زیبائی سے محبت ہر انسان کی فطرت میں ہے۔اس لئے ہر پاک فطرت انسان اُسوہ اور نمونہ کی تلاش میں ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام زمانوں میں تمام انسانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ اور نمونہ کامل ہیں۔

اس کتاب میں مؤلف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین برحق حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی زبان مبارک سے بیان کیا ہے اور امام علیہ السلام کے کلام پر مشتمل کتاب ''نہج البلاغہ'' کہ جس کے مؤلف سید رضیؒ ہیں، سے اُن خطبات، مکتوبات اور کلمات کو جمع کیا ہے جو امام علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کے بارے میں بیان فرمائے ہیں۔ نہج البلاغہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت وفضائل سے بھری پڑی ہے، مؤلف نے بہت عمدہ انداز میں سیر نبویؐ کے عنوان سے نہج البلاغہ کے ان جواہر پاروں کو مرتب کیا ہے۔ فارسی زبان کی یہ کتاب ایک مقدمے اور چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول: شخصیت نبی گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاندانی شخصیت، نسب پاک، اجداد پیغمبرؐ کے ایمان، ولادت باسعادت، بچپن کو امام علی علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

فصل دوم: بعثت پیغمبر اکرم ﷺ

اس فصل میں ظہور اسلام کے زمانے میں دنیا کی حالت، نبی اکرم ﷺ کے ظہور کے بارے میں بشارتوں، بعثت کے مقصد اور فوائد کو نہج البلاغہ کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔

فصل سوم: پیغمبر اکرم ﷺ اُسوۂ حسنہ

اس فصل میں نبی اکرم ﷺ کی پیروی کے لازمی ہونے، آپ ﷺ کی سیرت، آپ ﷺ کے تمام اقدار کا معیار ہونے، آپ ﷺ کی زاہدانہ زندگی، آپ ﷺ کی سنت اور صفات کو کلام امیر المؤمنین کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل چہارم: رابطہ امام علیؑ با رسول اللہ ﷺ

اس فصل میں نہج البلاغہ کی روشنی میں امام علی علیہ السلام کے آپ ﷺ کے ساتھ تعلق اور رابطے کی وضاحت کی گئی ہے جو خود امیر المؤمنین علیہ السلام کی زبان سے بیان ہوا ہے، اسی طرح امام علی علیہ السلام کے مکتب نبوت کے پہلے شاگرد ہونے، امامؑ کے فضائل، پیغمبر اکرم ﷺ کی خاطر امام علیؑ کی فداکاری، قرابت، منزلت اور دوسرے موضوعات کو واضح کیا گیا ہے۔

****

اُردو کتابیں

اُسوۃ الرسول ﷺ (۵ جلد)

سید اولاد حیدر بلگرامی مرحوم (متوفی ۱۹۴۲ء)

ناشر: کاظم بک ڈپو، دہلی، طبع دوم: ۱۹۳۵ء، صفحات: ۸۲۲ (بڑا سائز)، موضوع: سیرت النبیؐ

ممتاز شیعہ دانشور خان بہادر سید اولاد حیدر فوق بلگرامی (متوفی ۱۹۴۲ء) ایک معزز صاحب اقتدار زمیندار تھے، کسی دینی مدرسے سے دینی تعلیم باقاعدہ تو حاصل نہیں کی تھی لیکن تاریخ سے گہرا تعلق اور سیرت سے عشق تھا۔ مطالعے اور شوق کی بنا پر جناب رسالتمآب ﷺ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت پر بہت ہی مقبول کتابیں لکھیں جن سے اُن کی تاریخی مطالعے کی وسعت اور قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی بھر مطالعہ اور تحقیق کرتے رہے۔

اُردو زبان میں سیرت النبی ﷺ اور سیرت معصومین علیہم السلام پر شیعہ مؤلفین کی کتابوں میں اُن کی کتابیں سب سے زیادہ ضخیم اور مقبول ہیں۔ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے ''اُسوۃ الرسول ﷺ'' کے علاوہ ترجمہ قرآن شریف، سراج المنیر (سیرت امیر المؤمنینؑ)، سروچمن (سیرت امام حسنؑ)، ذبح عظیم (سیرت امام حسینؑ)، صحیفۃ العابدین (سیرت امام زین العابدینؑ)، مآثر الباقریہ (سیرت امام محمد باقرؑ)، آثار جعفریہ (سیرت امام جعفر صادقؑ)، علوم کاظمیہ (سیرت امام موسیٰ کاظمؑ)، تحفہ رضویہ (سیرت امام رضاؑ)، تحفۃ المتقین (سیرت امام نقیؑ)، سیرۃ النقی، العسکری اور در مقصود نامی کتابیں لکھی ہیں۔

وہ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء) کے ہم عصر تھے۔ لٰہذا جب مولانا شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبی ﷺ'' نامی کتاب لکھنی شروع کی جس کی تکمیل اُنکے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) نے کی۔ یہ مناظرے کا دور تھا ہر دو علما نے بہت سے حقائق احاطہ تحریر میں لانے سے احتراز کیا اور بہت سی نادرست باتوں کا اضافہ کیا۔ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے شبلی کی سیرت النبی ﷺ کی مجلدات پر ناقدانہ نظر ڈالی جو پانچ بڑے سائز کی جلدوں میں شائع ہوئی۔

اُسوۃ الرسول ﷺ جلد اول بڑے سائز کے ۸۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، جسے کاظم بک ڈپو دہلی نے دوسری مرتبہ ۱۹۳۵ء میں شائع کیا۔ مقدمہ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کی تکمیل مصنف نے بروز عید الفطر ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ کو، کی باقی صفحات سیرت پر مشتمل ہیں۔

مقدمے میں مرحوم بلگرامی لکھتے ہیں: یہ کتاب والیان ملک کی فیاّضانہ استمداد سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی لوگوں نے بڑے اشتیاق سے خریدا مگر جب کتاب پڑھی تو معلوم ہوا، خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم (ص ۱۴)

"اُسوۃ الرسول ﷺ" جلد دوم ۵۴۶ صفحات پر مشتمل ہے، جسے بار دوم ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کاظم بک ڈپو دہلی نے شائع کیا۔ اس جلد کے اہم عناوین میں وفات حضرت عبداللہؑ، نزول رحمت، ولادت شہنشاہ رسالت، ایام رضاعت، ایام طفولیت، کفالت ابیطالبؑ، سن بلوغ، اسباب رسالت، عیسائیت کی خرابیوں کی مفصل کیفیت، عرب کے الہامی مذاہب، عرب میں ظہور اسلام تبلیغ رسالت و نبوت کا پہلے سال سے لے کر بارہویں سال تک کی تفصیلات اور پھر ہجری سال کے آغاز سے لے کر ۵ ہجری تک کے واقعات کا تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس میں جنگ بدر، جنگ اُحد، غزوہ بنی نضر، غزوہ خندق یا جنگ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کے واقعات درج ہیں۔ اس جلد کا دیباچہ ۱۵ شوال ۱۳۴۴ھ کو لکھا گیا ہے۔

اس جلد میں بھی ان اضافات و احذافات واقعات کی حقیقت کا اپنے اپنے مقامات خاص پر انکشاف کر دیا گیا ہے، جس میں مولانا شبلی نعمانی نے اخفاء سے کام لیا تھا، بہت سے ایسے واقعات و حالات کی بھی نہایت تحقیق سے کامل تحقیق و تنقید کر دی گئی ہے جن کی حقیقت اور اصلیت پر خواہ مخواہ تائید عقائد تقلید اسلاف اور وہم و قیاس کے رنگا رنگ طریقوں سے نقاب افگنی کی گئی ہے۔

اُسوۃ الرسول ﷺ جلد سوم صفحات: ۵۲۰ پر مشتمل ہے۔ اس جلد کے اہم عناوین کا آغاز ۶ ہجری کے واقعات سے ہوتا ہے جس میں سب سے بڑا واقعہ صلح حدیبیہ ہے۔ ۷ ہجری میں غزوہ خیبر کی تفصیل، وادی القریٰ اور فدک کے معاملات، ہبہ فدک (۷ ہجری)، عمرۃ الصلح، ۸ ہجری کا آغاز، فتح مکہ، محاصرہ طائف، آغاز ۱۰، ۹ ہجری حجۃ الوداع، واقعہ غدیر اور واقعہ قرطاس شامل ہیں۔ اس جلد کے دیباچے کا اختتام ۲۵ صفر ۱۳۴۷ھ کو ہوا ہے۔

جلد چہارم کی فہرست اخلاقیات ،سیاسیات ،تاسیس حکومت الٰہی ،استخلاف فی الارض جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔اس جلد کا دیباچہ جمادی الاول یوم جمعہ ۱۳۴۷ھ کو لکھا گیا ہے۔

اسوۃ الرسول جلد پنجم ،۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے جو ۱۳۴۸ھ میں مکمل ہوئی ہے ۔ پانچویں جلد آنحضرت ﷺ کی روحانیات ،قرآن مجید کے متعلق مخالفین کے متوہمانہ اعتراضات اور اُنکے جوابات ، صفات عدلیہ ، نبوت ،امامت، معاد، فروعات مذہب ،اسلام اور حقوق نسواں ،اسلام اور مسئلہ طلاق ، طلاق، قرآن مجید اور سیاسیات ،اسلام اور تمدن وارتقاکی تعلیم ،قرآن مجید اور عقلیات ،قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کی قومی اور ملکی تنظیم جیسے اہم عنوانات پر مشتمل ہے۔

''اُسوۃالرسول ﷺ'' میں شبلی نعمانی کی سیرت النبی ﷺ پر تنقید کے اہم نکات

مولانا شبلی نعمانی کی '' سیرت النبی ﷺ '' اور فوق بلگرامی کی ''اُسوۃالرسول ﷺ '' کے تقابلی جائزے کی عنوان سے سید حسین عارف نقوی مرحوم کے مقالے میں مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی ﷺ پر اُسوۃالرسول سے تنقیدی نکات کی فہرست کچھ یوں ہے :

۱۔ حقوق بنی ہاشم کے استخفاف و استیصال کے علاوہ جو مدت سے آپ کا شعار تالیف قرار پایا ہے جس کے لیے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ بنی اُمیہ کی جانب داری کے لیے آپ فطرتاً مجبور ہیں بہت سے واقعات قدیمہ اور مشاہدات عظیمہ ،جو تاریخ عرب ،آثار اسلام اور اخبار جناب سید الانام علیہ وآلہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے قطعاً مرفوع القلم اور کالعدم فرمادیئے ہیں (ص ۱۵) اُسوۃالرسول کے مصنف نے ایسے ۳۶ مقامات کی نشاندہی کی ہے (ص ۱۵تا ۳۰)

۲۔ بخاری کی مرویات میں استبعاد و اقرار مولف سیرۃالنبی ﷺ (ص ۴۱) نہ شبلی صاحب غایت رسالت کو سمجھ سکے اور نہ بخاری صاحب حقیقت نبوت کو سمجھا سکے اور کیونکہ سمجھ سکتے یا سمجھا سکتے (ص ۴۷)

۳۔ سیرۃالنبی ﷺ کی جلدوں میں ایک حدیث بھی ائمہ اہل بیتؑ سے نہیں لی گئی جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگوار قطعی ساقط الاعتبار ہیں اس طریق میں آپ پورے پورے اپنے شیخ الشیوخ امام بخاری کے مقلد ہیں (ص ۵۰)

۴۔ شبلی صاحب کی قرار دادہ معیار صحت حدیث: ہم ذیل میں شبلی صاحب کے قرار دادہ معیار صحت حدیث کو نقل کرکے اُن کے بعض مقامات پر بالا ختصار اپنی تنقیدی عبارت لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے وہ دس اصول تحریر کیے ہیں جو مولانا شبلی نعمانی کے قائم کردہ ہیں، (ص ۹۴)

۵۔ واقدی کے حالات میں تو شبلی صاحب لکھ چکے ہیں کہ گویا وہ سلطنت کے ہاتھ بکا ہُوا تھا مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ واقدی ہی پر موقوف نہیں باستشنائے معدودے چند، قریب قریب تمام حضرات سلطنت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

۶۔ تعجب ہے کہ شمس العلماء شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق اور کامل ادیب (ص ۱۴۹) اور آل فاطمہ کی ایسی غلط ترکیب خلاف قاعدہ و اصطلاح عرب قلم بند فرمائے شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ وہ توہین بنی فاطمہ کی کوئی تفصیل و تصریح کریں تفصیل کیسی یہی غنیمت ہے کہ آپ نے توہین کا اقرار کر دیا وہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ خلوص و عقیدت کے تقاضے سے نہیں بلکہ اپنے علماء کی اظہار و دیانت کی ضرورت سے (ص ۱۴۱)

۷۔ شبلی صاحب نے حضرت علیؑ اور آل (نبی) فاطمہ کی توہین اور احادیث موضوعہ کی کثرت تدوین کے متعلق اپنی عبارت دیباچہ میں جو ارشاد فرمایا تھا اور حقیقتاً ان اُمور کو چھپایا تھا ہم نے اس کی تفصیل و تشریح کر دی (ص ۱۸۷)

۸۔ سیرۃ النبی ﷺ کے ابہامات، اضعافات، احذافات، اسقاط اور استخفاف و واقعات کے کامل مکاشفات کر دئے جائیں اور شبلی صاحب کے اُن اصول اور موضوعات تالیف کی حقیقت و اصلیت بتلادی جائے جن کو سیرت نگاری اور تاریخ نویسی سے کوئی مناسبت نہیں (ص ۲۴۵)

۹۔ تالیفات و تصنیفات کے ان اصول مسلمات کی تفصیل و تعمیل میں شبلی صاحب کی طرح خود غرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اور اقتباسات و استخراجات کا غلط طریقہ نہیں اختیار کیا گیا، اس مسلک اور اس طریقہ تالیف کے خلاف اُسوۃ الرسول ﷺ میں ہر مسئلہ، ہر واقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دئے جانے کو فرض اول قرار دیا گیا ہے۔

۱۰۔ مولوی شبلی صاحب کی واقعات صحیح سے صریح چشم پوشی: افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ تاریخی کو جو سیرۃ بنی ہاشم کے لکھنے والے کو قلم بند کرنا از حد ضروری تھا بالکل مرفوع القلم فرما دیا

ہے حالانکہ قریب قریب تمام عربی ماخذوں میں بالتفصیل مندرج ہے (ہاشم کے ساتھ اُمیہ کی مخاصمانہ مخالفت) اور ہم نے اُنہیں کے اصل ماخذ و مسند طبقات ابن سعد سے اوپر نقل کیا ہے اکثر حضرات بطور ظاہر اس فروگذاشت کو مولوی صاحب کی کمال عاقبت اندیشی اور غایت دور بینی تسلیم کریں گے شبلی صاحب نہ کوتاہ قلم ہیں اور نہ سہو ونسیان کے ملزم (ص ۷۶۷)

۱۱۔ مولوی شبلی نعمانی کا اکثر مقامات پر یہ لکھنا کہ ''ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی'' یہ بتلاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اسلام میں کسی وقت شراب حلال بھی تھی اگر تنزیل حرمت کے اعتبار پر یہ قیاس فرمایا جاتا ہے تو اور بھی تعجب انگیز ہے۔ (ص ۳۳)

۱۲۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ فرانس کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے، اس لیے اُن سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا بڑے بڑے شرفا اور امرا کے بچے بکریاں چرایا کرتے کرتے تھے۔ (ص ۴۲)

۱۳۔ شبلی نعمانی نے ابو طالب کا خطبہ نکاح پڑھنا تو تحریر فرمایا ہے مگر اُس خطبے کی عبارت نقل نہیں فرمائی یہ آپ کی کوتاہ قلمی اور اختصار پسندی کا خاص مقام ہے (ص ۸،۹)

۱۴۔ شبلی صاحب کا یہ فرمانا کہ ''یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز بھی نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے'' حقیقت ہے کہ شبلی صاحب نبوت ورسالت کی اصلی شان و حقیقت ہی کو نہیں سمجھے ہیں۔ (ص ۹۴)

۱۵۔ عکاظ کے خطبے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریک تھے اس بارے میں فوق مرحوم لکھتے ہیں ''شبلی صاحب نہ اپنے کسی اقرار پر قائم رہتے ہیں اور نہ اپنے کسی مختار پر ذرا اپنے دیباچے میں نقل روایات کے متعلق اپنے مقرر کردہ حدود ونصاب یاد فرمائے جائیں پھر اپنے ادب و محاضرات کے حوالجات پر غور کیا جائے۔ (ص ۱۰۶)

۱۶۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا تغمائے شرافت اسی قدر تھا کہ اس صنم کدے (خانہ کعبہ) کے متولی تھے اور کلید بردار بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں فرمائی، بالکل صحیح ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جہالت وضلالت کے

افعال ذمیمہ اور مراسم قبیحہ میں کبھی اپنی قوم اور اہل وطن کا ساتھ نہ دیا اور نہ اُن میں شرکت فرمائی لیکن مشکل تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کی نظر توجہ ہمیشہ خاندان رسول ﷺ پر مبذول رہتی ہے اور شروع سے لے کر کفار قریش اور مشرکین کعبہ کے افعال ذمیمہ کی تصدیق و شہادت میں خاندان رسول ﷺ کے ہی رویہ اور اطوار کی مثالیں پیش کی جاتی ہے (ص ۱۵۵)

۱۷۔ شبلی صاحب سادات فیما بین بنو ہاشم اور بنی اُمیہ کا دعویٰ کرتے ہیں تو حق دار کون تھا اور ناحق کون اس کا بھی اظہار کر دیا جائے لیکن اب ایسا نہیں کر سکتے بنی اُمیہ کی جانب داری جو آپ کا لازمہ فطرت ہے اور جس کا انتظام آپ نے شروع تالیف سے قائم کیا ہے صاف صاف کُھل جائے گی اور تعمیم سادات کا جو طلسم باندھا ہے.برباد ہو جائے گا (ص ۲۱ حاشیہ)

۱۸۔ شبلی صاحب نے اپنے اس سوال کے جواب میں کہ انبیاء مرسلین سابقین کے مقابلے میں سرور عالم ﷺ نے کیا کیا؟ صرف حضرت نوحؑ اور جناب عیسیٰؑ کے استقلال کی مثال دکھلائی ہے حالانکہ مدعائے بحث سے اُن کے حالات کو مناسبت نہیں کیونکہ مدعاء سلسلہ بیان تو ایسی مثال چاہتا ہے کہ رنج وایذا ظلم و جفا کے مقابلے میں سوائے صبر و رضا کے شکوہ بد دعا نہ کی جائے حالانکہ حضرت نوح نے اپنی اُمت کے مظالم سے تنگ آ کر بد دعا کی (ص ۲۷۹)

۱۹۔ شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ بنی ہاشم کے تفصیلی حالات پر توجہ دیں یہ تو آپ کے اصلی مقصود و موضوع کتاب کے خلاف ہے لیکن ہم بحثیت واقعہ نگار تمام حالات و واقعات پر نگاہ ڈالنی ضرور ہے اور خصوصا واقعات جو واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں (۴۰۱)

۲۰۔ شبلی صاحب کی موقع شناسی اور دقت رسی البتہ قابل تعریف ہے اپنے مطلب کا ایک شوشہ ملنا چاہیے دم کے دم میں مسلسل مضمون تیار (ص ۵۶)

۲۱۔اب تو شبلی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ انعقاد علَم کا رواج عرب میں ایام جہالت سے لے کر اسلام کی اشاعت تک.برابر جاری رہا تو پھر آپ کے یہ دونوں دعوے کہ اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا اور یہ (خیبر) پہلا مرتبہ ہے کہ آپ نے تین علم تیار کرائے کس قدر واقعیت اور حقیقت کے خلاف ہو کر لغو ثابت ہوتا ہے،اب دیکھنا اور دکھلانا باقی رہ گیا ہے کہ شبلی صاحب کو ایسی لغو فرسائی کی کیا ضرورت

واقع ہوئی ضرورت تو وہی ثابت ہوتی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خیبر کے علم میں بمقابلہ دیگر علم ہائے معارک اسلامی کے ایک خاص شرف اعزاز اور شان امتیاز تھی (ص ۵۸)

۲۰۔ شبلی صاحب کی نقل وترجمہ میں کھلی تحریف: اصل ماخذ کی عبارت میں تحریف صاحبان تالیف کے لیے بڑی توہین و تضحیک کی باعث ہوتی ہے خصوصا شبلی کے ایسے ذی مقدار اور ذوی اعتبار بزرگ سے ایسی لغزش تو سخت تعجب انگیز ہے آپ نے ابوسفیان کے آخر دقت تک کفر وضلالت کے ثبوت پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کے لیے مکالمہ مذکورہ کو اصل عبارت میں ناتمام چھوڑ کر فورا لکھدیا۔۔۔۔ طبری میں اس مکالمے کی وہ عبارت جس میں یہ واقعہ درج ہے اور جس کو آپ اس دلیری سے نقل وترجمہ میں چھوڑ گئے ہیں۔ شبلی صاحب اور ان کے معتقدین نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں کہ اُن کی حق پوشی سے کیا فائدہ ہوا جب کہ اُن کی اس تحریفانہ کوشش کے انکشاف کرنے والے دنیا میں کثرت سے موجود ہیں (ص،۱۵۹)

۲۱۔ شبلی صاحب کی دلی کوشش تو یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کی کوئی خصوصیت بے داغ نہ چھوٹے اپنی اس کوشش میں کیسے ہی مجہول، غیر معروف موضوع اور مصنوع کسی قسم کا کوئی واقعہ آپ کو ملنا چاہیے وہ فوراً درج کتاب ہے اب نہ اس وقت آپ کو اصول روایت کی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ خود اپنے سیاق عبارت درست کرنے کی احتیاج دیکھئے قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کا واقعہ جو مشہور متواتر اور متفقہ جمہور ہے۔ (ص ۳۴۸)

۲۲۔ شبلی صاحب نے اپنی قدیم عادت و مجبوری کی وجہ سے اس واقعہ کو (یمن میں حضرت علی۔ کی تبلیغی خدمات) احذافات استخضافات اور اختصارات کے خاص انداز سے تحریر فرمایا ہے عادت و مجبوری بھی وہی، فضائل علی۔کا خوف دامن گیر ہے۔ (ص ۳۵۲)

۲۳۔ شبلی صاحب کی غرض خاص تو بنی ہاشم اور اہل بیت کے خصائص کا استخفاف ہے جو آپ کی تمام تالیفات کا موضوع خاص ہے اس لیے آپ ایسے موقعوں پر اپنے اُن ذخائر موضوعات سے کام لیتے ہیں۔ (ص ۴۹۳)

اُسوۃ الرسول ﷺ کی جدید تلخیص مولانا الیاس یزدانی نے کی ہے جو تین جلدوں میں مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایڈیشن پروف کی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور محض تجارتی نیت

سے جلد بازی میں شائع کیا گیا ہے۔اس کتاب کی مکمل پانچ جلدوں کی جدید اشاعت بہت ضروری ہے جو یقیناً دس بارہ جلدوں پر مشتمل ہو گی۔

****

حیات النبیؐ یعنی سوانح عمری

حضرت رسول مقبول ﷺ

ڈاکٹر حاجی نور حسین صابر جھنگ سیالوی

ناشر: کتب خانہ اثناء عشری لاہور، طبع اول، تعداد: ۱۰۰۰، تعداد صفحات: ۳۵۱،

موضوع: سیرت رسول اکرم ﷺ

ماہ نومبر ۱۹۲۵ء میں جماعت احمدیہ کے چند مبلغین نے جھنگ شہر میں صداقت اسلام پر لیکچر دیتے ہوئے، مذہب آریہ سماج کی بہت زیادہ تکذیب وتردید کی۔وہاں آریہ سماج کے چند لوگ بھی موجود تھے۔دوسرے دن آریہ سماج نے پورے شہر میں اپنے لیکچرز کی منادی کردی جس میں ہندو و مسلمان سب شریک ہوئے۔ اسی جلسے میں کتاب کے مؤلف ڈاکٹر نور حسین بھی موجود تھے۔اس لیکچر میں ایک سوامی صاحب نے جناب رسالتمآب سید نا رسول اللہ ﷺ کی سیرت وحیات پر لیکچر دیا اور بہت سی غلط روایات پیش کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی۔پس یہی واقعہ اس کتاب کی تالیف کا سبب بنا۔کتاب کی غرض تالیف کے بارے میں خود مؤلف محترم کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"جب سوامی صاحب کا لیکچر ختم ہوا یہ بندہ صابر ایک عاجز گنہگار خادم سید البشر ﷺ جھٹ سوامی صاحب کے نزدیک میز کے سامنے جا کھڑا ہوا۔سوامی صاحب کے حواس باختہ ہوگئے، تمام سماج میں سناٹا چھا گیا۔ ہر ایک شخص ہماری طرف دل وجان سے متوجہ ہو، سوامی صاحب نے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے، سامعین میں سے آواز آئی ڈاکٹر نور حسین۔نام سنتے ہیں سوامی صاحب نے فرمایا کہ تقریر کی اجازت نہیں۔ باضابطہ مناظرہ سماج کی معرفت کرائیں۔آخر کار تردید کی اجازت نہ ملی۔۔۔اس کے بعد مصمم ارادہ کرلیا کہ جناب سرور عالم ﷺ کے کتب شیعہ واہل سنت سے صحیح صحیح حالات پبلک کے سامنے پیش

کروں تاکہ آریہ سماج اور عیسائیوں کے غلط من گھڑت روایات واعتراضات سے مذہب اسلام سے لوگوں کو نفرت نہ ہو۔ایسانہ ہو کہ وہ لاعلمی وعدم واقفیت سے اسلام چھوڑ بیٹھیں۔۔۔الخ

مؤلف نے کتاب تالیف کرنے کی اور وجوہات بھی لکھی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ لکھ کر اسلام میں ایک ہیجان عظیم پیدا کردیا ہے۔یہ کتاب مفاد اسلامی کے لئے ضرررسان اور زہر قاتل ثابت ہوئی ، شبلی صاحب کی ساری عمر کا پروپیگنڈا اگرچہ یہ رہاکہ خاندان نبوی ﷺ کی وقعت لوگوں کی نظروں میں کم کی جائے۔۔۔اس کتاب میں اُنھوں نے اکابر علماء و مورخین سلف کی تغلیط وتکذیب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیااور ہندی مسلمانوں کو وہابیت کی ڈگر پر ڈالنے کے لئے سعی بلیغ کی۔اس تمام کتاب کو پڑھ جائے حقیقت ختم نبوت تو کجااس میں کہیں آپ کو شان نبوت ورسالت کی جھلک بھی نظر نہ آئے گی۔۔۔۔پس مسلمانوں کو حضرت رسول مقبول ﷺ کے صحیح صحیح حالات بتانے اور باطل کو مٹانے کے لئے میں نے قلم اُٹھائی ہےاور حتی الامکان صحیح روایات کتب سنیہ وشیعہ سے درج کی ہیں تاکہ اصلی شان رسالت دنیاپر ظاہر ہو۔(دیباچہ کتاب)

سیرت رسول اللہ ﷺ لکھنے کی ایک اور وجہ مولف یہ لکھتے ہیں کہ انگریزی خوان نوجوان انگریزی قصوں کہانیوں کے پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں اور غیر مذاہب کے ہیروز ومشاہیر کو دیکھنے کا زیادہ شوق رکھتے ہیں ، جس کا اُن پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔اس لئے بہت ضروری ہے کہ اپنے رہبر وہادی اور نبی آخرالزمان ﷺ کے سچے حالات ان کے سامنے پیش کئے جائیں۔اسی طرح مسلمانوں میں اتحاداور وحدت کی کمی کی وجہ سے جو مشکلات پیدا ہو گئی ہیں ،اُن سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو سیرت رسول مقبول ﷺ سے آشنا کرانے کے لئے سیرت پاک کے حالات لکھنے ضروری ہیں۔

مؤلف نے کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

باب اول: جغرافیہ عرب ،زمانہ جاہلیت ،ضرورت النبی ﷺ ،رسالت اور وحی کے معنی ،قرآن مجید کی ضرورت جیسے عناوین پر مشتمل ہے۔

باب دوم: خاندان رسالت ،نسب نامہ آنحضرت ﷺ ،بشارات محمدی ﷺ از توریت وانجیل وغیرہ پر مشتمل ہے۔

باب سوم: آغاز نبوت اور بعثت النبی ﷺ کے واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

باب چہارم: ہجرت النبی ﷺ کے سنہ ہجری کے مطابق حالات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

باب پنجم: نبی اکرم ﷺ کے شمائل مبارک، کلمات، خطبات، صفات النبی ﷺ پر دوسرے مورخین کے خیالات لکھے گئے ہیں۔

باب ششم: نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور اسلام کی خصوصیات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب سے مؤلف کی رسول اکرم ﷺ سے عشق و محبت اور عقیدت وجذبات کی عکاسی ہوتی ہے اور مؤلف اپنے دور میں غیر مسلموں کی طرف سے آپ ﷺ اور دین اسلام کے بارے میں اعتراضات اور مسلمانوں کی سیرت شناسی سے دوری پر پریشان نظر آتے ہیں اور انگریز حکومت کی طرف سے جدید یورپی ثقافت کی ترویج کی بنا پر مسلمان جوانوں کی دین اسلام سے لاپرواہی کو مسلمان ثقافت کی تباہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔انہی جذبات واحساسات کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

****

النبي الأكرم (ص) "كان خلقه القرآن"

حجة الإسلام ڈاکٹر ساجد علی سبحانی *

dr.sajidsubhani@yahoo.com

كلمات مفتاحية: الخلق، النفس، الفضائل، الرذائل، قرآن عملي، الهوية الخلقية، القائد الاسلامي، المبلغ الديني-

تلخيص:

الخلق يتعلق بأعظم جزء الانسان وهو الروح أو النفس. الخلق عبارة عن هيئة في النفس راسخة، عنها تصدر الافعال الخلقية بسهولة ويسر، لا بندرة وتكلف- والأخلاق إمّا حسنة تسمى بالفضائل وإمّا قبيحة تسمى بالرذائل، وان كانت كلمة الخلق أو الاخلاق تنصرف إلى الحسنة اذا أطلقت. كفى عظمة للخلق أنه حينما أراد الله تعالى أن يثني النبيّ الكريم (ص) فلم يثن على علمه أو شجاعته أو زهده وغير ذلك من الكمالات الروحية والبدنية، بل أثنى على خلقه فقال: "وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ" بأسلوب التاكيد. وهذا في الحقيقة شهادة من الله تعالى بأن حياة النبي (ص) كلها عبارة عن الاخلاق وكان الرسول الكريم (ص) قرآنا عمليا تجسمت فيه تعاليم القرآن. فهو قدوة و أسوة للمسلم في جميع مجالات الحياة في كل موضوع وزمان. و استطاع النبي الكريم (ص) بمكارم أخلاقه أن يحدث تحوّلا عظيما في المجتمع الانساني- ذاك الوقت- و أخرجه من الضلالة و الظلمة والشرك إلى النور والهدى والتوحيد- يستمر الاهتداء بخلقه العظيم في كل عصر-

تظهر عظمة الخلق بأنه من أسباب رقيي فرد وملة ومجتمع- الأمم اذا تلبست بالأخلاق، فبامكانها أن تفتح قلوب الناس والبلاد- واذا ذهبت أخلاقهم فتذهب وتفنى وتندثر كما شهدت بذلك حكومة المسلمين على الأندلس ثم زوالها بزوال أخلاق المسلمين خاصة حكامهم- وتشهد بذلك حال الأمة المسلمة في العصر الحاضر- إن من أسباب ضعف واضمحلال الامة المسلمة ضعف الهوية الخلقية- فتحتاج الأمة إلى دراسة الاخلاق المحمدية الحميدة والتخلق بها- قد ألقى القرآن الكريم الضوء على مكارم أخلاق الرسول الأعظم (ص) وكشف القناع عن نواحيه المتنوعة. وقد جمعت في هذه المقالة المتواضعة ايات متعددة من عشر سور، التي تحدث عن بعض جزئيات أخلاقه الكريمة مثل الصبر والعفو والعبادة وغير ذلك-

*۔ مدیر و أستاذ جامعة الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد۔ أستاذ جامعة المصطفیٰ العالمیة، اسلام آباد۔

تمهيد

اوّلا- إن الانسان مركب من جسد مدرك بالبصر، وروح أى نفس مدركة بالبصيرة. الجسد من الطين والروح من أمرالرب، فالجسد خلق والروح أمر، والخلق يقبل التدريج بخلاف الامر "قال الله: وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (1) و الجانب الروحاني اعظم قدرا من الجانب الجسدي، قال الله تعالىٰ: إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِن طِينٍ٥فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ. (2)

متطلبات الجسدعبارةعن الماء والهواء والغذاء واللباس و المكان وغيرذلك من الامور المادية ولكن النفس أو الروح فمتطلباتها امور غيرمادية من العلم والحكمة والتربية والعمل الصالح وغيرها.

ثانيا. يعبّرعن الجانب المادي للانسان بـ" الخلق " بفتح الخاء وسكون اللام وأما الجانب الباطني الروحاني فيعبرعنه بـ" الخلق " بضم الخاء وسكون اللام أوضمها ويجمع على أخلاق. والخلق عبارة عن الطبع والسجية واصطلاحا فقدعرّف بتعاريف عديدة:

قال الامام الغزالي: " . . . فالخلق عبارة عن هيئةفى النفس راسخة، عنها تصدرالافعال بسهولة ويسر من غيرحاجة إلى فكر و روية، فإن كانت الهيئة بحيث تصدرعنها الافعال الجميلة المحمودةعقلا وشرعا، سميت تلك الهيئة خلقا حسنا وان كان الصادر عنها الافعال القبيحة، سميت الهيئة التى هى المصدر خلقا سيئا. وانما قلنا إنهاهيئة راسخة؟ لأن من يصدر منه بذل المال على الندور لحاجة عارضة، لايقال خلقه السخاء مالم يثبت ذلك فى نفسه ثبوت رسوخ. وإنما اشترطنامنه الافعال بسهولة من غير روية؟ لأن من تكلف بذل المال أو السكوت عند الغضب بجهد و روية، لايقال خلقه السخاء والعلم'''' (3)

وقال العلامة الفيلسوف الطباطبائى عن تعريف الخلق:

"----الخلق هوا الملكة النفسانية التيى تصدر عنها الافعال بسهولة وينقسم إلى الفضيلة وهيى الممدوحة كالعفة والنشجاعة، و الرذيلة وهيى المذمومة كالشرة (الحرص) والجبن، لكنه إذا اطلق فهم منه الخلق الحسن''''". (4)

ثالثا. الاخلاق من أهداف الاديان السماوية، وأما دين الاسلام، فيتضمن الأخلاق مضافا إلى العقائد والعبادات والمعاملات. اهتم الإسلام قرانا وسنة بالجانب الخلقيى للانسان اهتماما بالغا حتى جعل إصلاحه من أهداف بعثة النبى الأكرم. وقد كرّر هذا المضمون أربع مرات فيى سور البقرة وآل عمران والجمعة، فقال. عزوجل.

هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ(5)

"---فتزكيته لهم تنبيته لهم نماء صالحا بتعويدهم الأخلاق الفاضلة والاعمال الصالحة، فيكملون بذلك فيى انسانيتهم، فيستقيم حالهم فى دنيا هم و آخرتهم، يعيشون سعداء ويموتون سعداء. . .". (6)

والنبى الاكرم نفسه قدصرّح بأن إتمام الاخلاق غاية بعثته ورسالته حيث قال " إنما بعثت لأتمم مكارم الاخلاق". (7) وما رواه الامام أحمد فهوقول النبى(ص): إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق. (8)

و أما على ماروى المحدث الكبير الشيخ الطوسيى، فمن الامام على بن ابى طالب(ع) قال سمعت النبى(ص) يقول: "بعثت بمكارم الأخلاق ومحاسنها"(9)

قد عقد الشيخ الكلينيى بابا مستقلا معنونا ب"باب حسن الخلق" وأورد فيه ثمانية عشر حديثا. منها ما قال فيه رسول الله(ص): مايوضع فيى ميزان امرئٍ يوم القيامة أفضل من حسن الخلق.(10)

نظر إلى أهمية الاخلاق عندالله عز وجل فحينما أراد أن يثني نبيه الكريم، فلم يثن على علمه، أوشجاعته، أو زهده و غير ذلك من الكمالات الروحية والجسمية، بل أثنى على خلقه مؤكدا بتاكيدين: إن واللام المزحلقة وقال: وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ (11)

والمعنى أنك- ايها النبى الكريم- مستقرعلى اخلاق عظمية ولايوجد فيى تصرفاتك السلوكية شيىء غيرالخلق. فهذا فى الحقيقة شهادة من الله سبحانه بأن حياة النبى الاكرم كلهاعبارة عن الاخلاق فما أمر به فى القرآن، امتثله وكل مانهاه عنه انزجر عنه، فكان (ص) قرانا عمليا تجسمت فيه تعاليم القرآن. من ثم أفصجه الله تعالىٰ عن كونه أسوة وقدوة للناس إلى يوم القيامة فى جميع مجالات الحياة: تعليما،وعبادة، وصلحا اوحربا، وانفرادأو اجتماعا، وقائدا أوعضوا لعائلة. فقال عزوجل:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا (12)

والمستفادمن الاية كونه أسوة وقدوة على الاطلاق فيى كل موضوع وفى كل زمان. ومن العجيب أنه تجلى فى شخصية النبى الأكرم القرآن الكريم، لم يفترق فى جميع تصرفاته السلوكية عن الوحيى الالهيى قطّ. وبهذا السبب عندما سئلت ام المومنين عائشة . رضى الله تعالىٰ عنها. عن أخلاق النبىؐ فأجابت: فان خلق رسول الله كان القرآن. (13)

رابعا. إن من أسباب رقيى فرد أوملة ومجتمع حسن أخلاقها والقيم الاخلاقية الحاكمة عليها. التاريخ خير شاهد على أن خلود شخصية فرد، وبقاء واستمرار أمة ودولة وتقدم حضارة، كل هذا مرهون بالفضائل الاخلاقية وبالعكس الاضمحلال، والاندثار والفناء والتقهقر كل هذا مسبب عن فقد الفضائل الاخلاقية. فكيف استطاع النبى الاكرم أن يبدل الوضع السيىء، للمجتمع- ذاك الوقت- من الضلالة والشرك والحيوا نية والجهالة إلى الهدى والتوحيد والانسانية و الحكمة حتى وصل مقاما رفيعا سماه الله تعالىٰ- خيرامة." وقال:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ(14)

فهذا التحول العظيم لم يكن بإعجاز منه(ص) وان كان ذا قوة اعجاز قد صدرت على يديه مئات المعجزات، بل بأسباب منها شخصية النبی المحمودة ذات الأخلاق الكريمة الرفيعة كما قال الله عزّ وجلّ: وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. . .(15)

هذه الحقيقة لاينكرها إلا مكابر بل صدقها الحكماء والشعراء. قال الامام علی(ع):

ليس الجمال بأثواب تزيننا		إن الجمال جمال العلم والادب

المعنى أن الانسان يتزين، يتجمل لا باللباس وغير ذلك من التزينات بل هويتزين اذا كان واجداً للعلم والخلق. العلم والخلق جناحا التقدم.

قال الشاعر الحكيم المتنبيی:

وما الحسن فی وجه الفتى شرفاله		اذالم يكن فی فعله والخلائق

المعنى أن الحسن الظاهری ليس شرفا للانسان بل الشرف الواقعيی الحسن فی الافعال و الاخلاق.

وصدق شاعر الاخلاق، اميرالشعراء احمد شوقيی:

إنما الأمم الأخلاق مابقيت		فإن همو ذهبت أخلاقهم ذهبوا

صلاح أمرك للأخلاق مرجعه		فقوّم النفس بالأخلاق تستقم

اذا أصيب القوم فی اخلاقهم		فأقم عليهم مأتما وعويلا

فهذا الشاعر العظيم يقول بذهاب و فناء القوم عندما ذهبت اخلاقهم "فان ذهبت اخلاقهم ذهبوا" والتجربة أصدق شاهدٍ على هذه الفكرة.

ينبعث هناك سؤال بأنه لماذا تأخر المسلمون ولماذا تقدم غيرهم؟ أجاب الشاعر منه بأن من أعظم اسباب تأخر المسلمين فساد الاخلاق. فتح المسلمون البلاد بأخلاقهم حتى فتحوا الأندلس. استمرت حكومة المسلمين على الأندلس قائمة لمبادئ الإسلام من العدل و ترفيه وخدمة الرعية. قد أتيحت الفرصة للمسلمين لأن يحكموا الأندلس حوالیی ثمانمائة (800) سنة بداية من عام ثنتين

وتسعين(92هـ المعادل711م) إلى عام ثمانمائة وسبع وتسعين (897هـ المعادل1492م) ولكن ما استطاع المسلمون-لاسيما حكامهم- أن يحفظوا أنفسهم من سنة الهية وهى:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (16)

فإذ تغيرت عادات واطوار المسلمين من الدعوة إلى الله مع وحدة الكلمة، و تعليم الدين للناس، والالتزام بمبأدى الإسلام والدفاع عن الارض الاسلامية إلى الغناء، والترف واللهو، و الموشحات (17) وشرب الخمور والمسكرات. وبهذ السبب فقد المسلمون الفاتحون الأندلس وخرجوا منها مغلوبين مطرودين وسقطت الندلس بيد الإفرنج. وانتهت بذلك الخلافة الاسلامية فى شبه الجزيرة الأيبرية.

ونفس هذا الوضع نشاهده للمسلمين فى العصر الحاضر. فهم- أكثرهم- محكومون للآخرين بسبب الانحراف عن الدين و الفساد الخلقى وتفريق الكلمة. فما دامت الامة المسلمة تبقى على هذا الوضع السيىء الأخلاق، ولايصلح حالها خلقا وعقيدة وعملا، فلاتتوقع التخلص من الاضمحلال والمحكومية.

بعد تحرير الأمور التمهيدية، تتشرف بذكر عدة آيات مباركة التى تكشف القناع عن بعض جزئيات الأخلاق المحمدية الحميدة حتى يتبين أن خلقه(ص) كان القرآن كما روي عن أم المومنين عائشة(رض). (18)

1. سورة آل عمران، قال الله عزوجل:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (19)

تفسير الاية: و اذ كان حال المومنين فى غزوة أحد من التشبه بالذين كفروا و التحسر على قتلاهم، فبرحمة منا- أيها النبيى- كنت ليّنا لهم، رفيقا بهم. و لو كنت، سيىء الخلق، قاسيى القلب لتفرق أصحابك من حولك، فلاتؤاخذهم بما كان منهم" فى أحد" و اسأل الله أن يغفر لهم و شاورهم فى الامور

التی تحتاج إلی مشورة لیكون ذلك امضاء لیسرتك. أما اذا عزمت علی أمر بعد الاستشارة، فامضه معتمدا علی الله وحده وتوكل علیه، ان الله یحب المعتمدین علیه (20)

و "فی هذه الایة دلالة علی تخصیص نبیناً بمكارم الأخلاق ومحاسن الخصال" (21)

نكات أخلاقیة فی الایة:

1) الایة تعطینا درس العفو ممن أساء الینا اذا كانت الإساءة متوجهة إلی شخصنا لا إلی المجتمع ولا إذا كانت یلزم منها إضاعة حق لاحدٍ.

2) الاستشارة ممن یلیق بها، یقال: ماخاب من استشار.

3) التوكل والاعتماد علی الله- عزوجل- بعد الاستشارة والعزم.

2. سورة الانعام، قال الله تعالیٰ:

قُل لاَّ أَقُولُ لَكُمْ عِندِی خَزَآئِنُ اللّهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلاَ أَقُولُ لَكُمْ إِنِّی مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا یُوحَی إِلَیَّ. (22)

تفسیر الایة: لاشك ان النبی الأكرم(ص) كانت شخصیته واجدة لجمیع دواعیی الترفع والعلومن العلم والشجاعة والحكمة والعدالة والحكمة و الجمال وغیرها وكان أیضاً صاحب ولایة تكوینیة وإعجاز وكان یخبرعن الغیب، فكان من الممكن أن یدعیی أیة دعوی عالیة حتی الألوهیة - معاذالله- ولكن لم یدع إلا أنه رسول من الله إلی الناس لهدایتهم، فلم یظهر ترفعه وعلوه علی أحدٍ.

فأخذ الكفار یقترحون علیه أن یأتیی بالمعجزات واعترضوا بماكان یاتیی به من أعمال متعارفة بشریة من الأكل والشرب والمشیی. فقال الله: قل. یأیها النبیی- للمشركین: لم أدع فیما أدعوكم الیه أنیی أملك خزائن الألوهیة حتی تقترحوا علیّ أن أفجّر أنهارا أو أخلق جنة أو بیتا من زخرف، ولا ادعیت أنی أعلم الغیب حتی أجیب عن كل ماهو مستور تحت أستار الغیوب كقیام الساعة، ولا ادعیت

أنى ملك تعيبوني و تبطلو قولي بأكل الطعام والمشيي في الأسواق للكسب، بل إلى الله يوحي إليّ بما يوحى، فأدعوكم إلى دين التوحيد. (23)

نكات أخلاقية فى الاية:

1. أن يجتنب الانسان عن التصنع والتكلف ويبقى على الحقيقة والواقعية كما هيى، بل عليه أن يظهرها للآخرين. ولا يكتمها.
2. عليه أن لا يترفع على الآخرين، و ان كان على مقام ومنصب رفيع. نعم، يعتبر فى الامر اللزومى كلا العلوّو الاستعلاء كما حقق فى علم الأصول. (24)
3. الانسان إذا كان ذا منصب فلا عيب له بالافعال العادية البشرية من السعى لكسب الحلال و الاجتماع مع الآخرين بدون أيّ تشخص.

3۔ سورة الاعراف، قال الله:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (25)

تفسير الاية : أخذ العفو عبارة عن التستر على إساءة من أساء إليه، والاغماض عن حق الانتقام الذي يعطيه العقل الاجتماعى. واما تضيع حق الغير بالاساءة اليه فليس بما يسوغ فيه العفو شرعا و عقلا و قانونا اجتماعيا.

فالمراد بقوله: "خذ العفو" هوالستر بالعفو فيما يرجح إلى شخصه(ص) وعلى هذا كان(ص) يسير فإنه(ص) لم ينتقم من أحدٍ لنفسه قطّ قالت عائشة(رض): ماانتقم رسول الله لنفسه فى شيىء يوتى اليه حتى ينتهك من حرمات الله فينتقم لله. (26) "و أعرض عن الجاهلين" أى أعرض عنهم عند قيام الحجة عليهم واليأس من قبولهم، ولا تقابلهم بالجهل والسفه صيانة لقدرك. (27)

نكات أخلاقية فى الاية:

1) الالتزام بالعفو، وعدم الانتقام الشخصى ممن أساء إلينا.

2) الأمر بالمعروف والفعل الحسن.

3) الإعراض عن الجاهلين ان ارتكبوا فعلا سفهيا وعدم مقابلتهم بالجهل.

4۔ سورة التوبه، قال الله تعالى:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُواْ مِنكُمْ (28)

تفسير الاية: من المومنين - وهم فى الحقيقة المنافقون - يوذون النبى بقولهم "هو أذن" أى يسمع إلى ما يقال له ويصغي اليه ويقبله بلا تفريق بين القائلين، كأن هذا العمل كان عيبا فى شخصيته. فردّ القرآن و أجاب بأنه(ص) أذن و لكن اذن خير لكم. فكونه(ص) أذنا أصلح لكم، لأنه يقبل عذركم، و يستمع إليكم. ولو لم يقبل عذركم لكان شرا لكم. فكيف تعيبونه بما هو أصلح لكم؟ هو رحمة للمومنين لانهم انما نالوا الايمان بهدايته و دعائه اياهم. (29)

نكات اخلاقية فى الاية:

1. تعييب النبى(ص) بأيّ عيب خلقيي وخُلقيي إيذائه. ومن آذى النبى(ص) لعنه الله تعالى، قال عزوجل: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (30)

2. القائد الاسلاميى يلزمه كونه أذن خير لجميع ألاعضاء، فيستمع إلى مقالة كل قائل و لكن العمل على ما هو صادق واقعا.

3. الخلق لا ينحصر فى الصدق والعفو والايثار بل له مجالات: الخلق مع الله والخلق مع النبى ، والخلق مع العائلة. و. . . . فالله عزوجل قد قرّر أخلاقا و آدابا للمسلمين مع النبى(ص) و منها أن يجتنبوا من قول و فعل يوذى حبيب الله تعالىٰ.

5۔ سورۃ النحل، قال الله تعالىٰ:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلاَّ بِاللّهِ وَلاَ تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلاَ تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (31)

تفسير الاية: واصبر- أيها النبيي- فيما تبلغه من الرسالة، لأن تبليغ الرسالة إلى المشركين كان امراصعبا مليئا بالإيذاءت منهم المتنوعة. "وماصبرك الابالله" أي بتوفيقه وتسييره وترغيبه فيه. ولاتحزن على المشركين فى إعراضهم عنك، فانه يكون الظفر والنصرة لك عليهم. "ولاتك فى ضيق مما يمكرون" أى لايكن صدرك فى ضيق من مكرهم بك وبأصحابك، فان الله يردّ كيدهم فى نحورهم. (32)

نكات اخلاقية:

1) مهمة تبليغ الرسالة إلى الناس صعبة محفوفة بالمشاكل والإيذاءات. فالمبلغ الدينيي لابد أن يهيىء نفسه لمواجهة المشاكل والإيذات بالصبر والاستقامة والحكمة، الصبر مفتاح الظفر والنصرة.

2) الصبرقبال المشاكل والايذاءات وكيودالمخالفين يتيسّر بتوفيق من الله والدعاء منه عزوجل.

3) المبلغ الدينيي لاييأس فى أداء هذه المهمة بالمشاكل والايذاء ات، بل فى النهاية هو يظفر و ينتصر.

4) المبلغ الدينيي لا يعتمد على الأمور والإ مكانيات المادية بل يعتمد على النصرة الغيبية من الله سبحانه.

5) المبلغ الديني- بالمعنى الحقيقي- الظفر النهائيي يكون له، كما كان النبي الاكرم(ص) قد ظفر في مهمة التبليغ والدعوة.

6- سورة الكهف، قال الله تعالىٰ:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (33)

تفسير الاية "باخع" أي مهلك وقاتل نفسك على آثار قومك الذين قالوا لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا- وذالك تمردا منهم على ربهم "ان لم يومنوا بهذا الحديث" أي القرآن، "اسفا" أي حزنا وتلهفا. (34) والمعنى "يرجى منك أن تهلك نفسك بعد اعراضهم عن القرآن وانصرافهم عنك من شدة الحزن" (35)

نكات اخلاقية في الاية:

1. القائد الدينيّ يكون مخلصا في عمله يثقل عليه إعراض الناس عن الحق وهويتألم به.
2. الإعراض عن القرآن الكريم لايجوز ولا يتحمل عندالله ورسوله. الإعراض عن القرآن يلازم الضلالة والشقاوة والهلاك في الدنيا والاخرة. و أما الالتزام والتمسك بالقرآن فهو يلازم السعادة والفوز في الدارين.
3. القائد الديني يكون محور فعّاليات ونشاطاته القرآن الكريم: تعليمه وتلاوته،ونشر تعاليمه في المجتمع.

7. سورة الكهف، قال الله تعالىٰ:

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ○ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ○ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا (36)

تفسیرالایة: هذه الایة من الایات التی تذکر قصة أصحاب الکهف التی أشارت الیهود علی قریش أن تسأل النبی(ص) وتختبربها صدقه فی دعوی النبوة. " و المعنی واذا کان ربك أعلم وقد أنباك نبأهم فلاتحاجهم فی الفتیة أي أصحاب الکهف إلا محاجة ظاهرة غیر متعمق فیها، أومحاجة ذاهبة لحجتهم، ولا تطلب الفتیا فی الفتیة من أحدٍ منهم، فربك حسبك "(37)

قال العلامة الطباطبائي:

" الایة الکریمة سواء کان الخطاب فیها للنبی خاصة أوله ولغیره، متعرضة للامر الذی یراه الانسان فعلا لنفسه ویخبر بوقوعه منه فی مستقبل الزمان. . . والذی یراه القرآن فی تعلیمه الالهیی أن ما فی الوجود من شیئ ذاتا کان أو فعلا و أثرا فإنما هو مملوك لله وحده أن یفعل فیه مایشاء ویحکم فیه مایرید، لا معقب لحکمه- وقد تکاثرت الایات الدالة علی أن کل عمل من کل عامل موقوف علی اذنه تعالیٰ. و اذا عزم علی فعل أن یعزم متوکلا علی الله واذا وعده بشیء أو أخبر عما یفعله، أن یقیده باذن الله او بعدم مشیته خلافه (38)

نکات اخلاقیة فی الایة:

1) اذا أراد المسلم أن یفعل شیئا فی المستقبل أوا لوعد مع الآخر، فعلیه أن یعلقه علی مشیة الله ویقول "اِن شاء الله" وعلیه السیرة النبویة المقدسة کما فی حدیث عتبان بن مالك. رض. عندما قال له(ص): وددت یا رسول الله إنك تاتین فی بیتی فأتخذه مصلی . . .فقال له رسول الله سأفعل اِن شاء الله تعالیٰ. . . . (39) وعلیه سیرة الانبیاء العظام، قال موسی(ع): سَتَجِدُنِی إِن شَاءَ اللهُ صَابِرًا "(40) وقال سیدنا اسماعیل(ع): سَتَجِدُنِی إِن شَاءَ اللهُ مِنَ الصَّابِرِینَ (41) و هذا مقتضی خلق الانسان مع الله.

2) اذا كانت هناك حاجة للجدال والمراء فأن يكون بلين وسهولة وأن يكون ظاهرا مفيدا للعلم واليقين.

8. سورة طه، قال الله تعالىٰ:

طهOمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰO إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ (42)

تفسير الاية: "طه" اسم من أسماء النبيي(ص) فبهذا الاسم قد نادى الله حبيبه فقال، والمعنى ما أنزلنا عليك- يا محمد(ص)- القرآن لتشقى به اى تتعب نفسك فى سبيل تبليغه بالتكلف فى حمل الناس عليه. قال الامام ابن كثير:

"ما أنزل الله القرآن على رسوله. قام به هو أصحابه فقال المشركون من قريش: ما انزل القرآن على محمد الا يشقى فانزل الله: طه ماأنزلنا عليك القرآن تشقى الاتذكرة لمن بخشى اى لا، والله ما جعله شقاء ولكن جعله رحمة ونورا و دليلا إلى الجنة. (43)

نكات اخلاقية فى الاية:

1. بين الله تعالىٰ ان النبى الاكرم(ص) قدوة للناس فى العبادة كما فى سائر المجالات.
2. القرآن موعظة وتذكرة لمن فى قلبه خشية من الله. فعلى المسلم أن يتخذه موعظة وتذكرة حياته.
3. من باب الخلق مع النبى(ص) على المسلم أى يراعيى وقت النداء عظمة مقام خاتم النبين (ص) و لاينا ديه كما ينادي الآخرين. كفى عظمة للنبى الأكرم(ص) أن الله لم ينادہ باسمه فى القرآن كما نادى سائر الانبياء العظام بأسمائهم، فقال مثلاً يا آدم، يا نوح.

9. سورة طه، فقال الله تعالىٰ :

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰOوَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

الْحَيَاةِ الدُّنيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى O وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (44)

تفسير الاية: يقول الله عزوجل في هذه الكريمة بأنه إذا كان من قضاء الله أن يؤخرعذابهم ولا يعاجلهم بالانتقام على مايقولون، فلايبقى لك- أيها النبيي- إلا أن تصبر راضيا على ماقضاه الله تعالیٰ من الأمر وتنزهه عما يقولونه من كلمة الشرك ويواجهونك به من السوء وتحمده على ماتواجهه من آثار قضآئه، فليس الالجبيل. فاصبرعلى مايقولون وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن آناء الليل لعلك ترضى بالشفاعة والدرجة الرفيعة.

ثم يقول الله سبحانه .: لا تطل- أيها النبى- النظر إلى زينة الحياة الدنيا وبهجتها التى متعنا بها أصنافا أو ازواجا معدودة منهم، لنمتحنهم فيما متعنابه، والذي سيرزقك ربّك في الاخرة خيروأبقى.

ويقول: و أمر- أيهاالنبى- أهلك أى أهل بيتك و أهل دينك بالصلاة واصطبرعليها أى واصبر على فعلها وعلى أمرهم بها. لانسائك رزقا"- أيها النبى- لخلقنا ولالنفسك، بل كلّفناك للعبادة واداء الرسالة، وضمنا رزق جميع العباد.

نزرقك اى نرزق جميع الخلق ولانسترزقهم. والعاقبة المحمودة لاهل التقوىٰ. (45)

نكات أخلاقية فى الاية:

1. الاية تأمر الذين يبلغون رسالات الله بالصبر فى هذا لطريق، على عدم قبول قولهم والايذاءات من المتمردين.
2. الاية لاتأمربالصبرفقط بل بالتسبيح والذكر والعبادة.
3. الاية تنهى عن الطمع فى أسباب زينة الدنيا.
4. رزق الاخرة خيروبقى.
5. يبدأ المبلغ الدينى عملية التبليغ بأهل بيتِهٖ وممن يتعلق به، فيأمرهم بالمعروف ثم الآخرين.

6. الذين يشتغلون بنشاطات دينية فى المجتمع لا يتوقعوا الرزق من أهل الدنيا بل يتوقعونه من الله سبحانه، هو قد ضمنه لهم.

7. وعد الله المتقين بأن لهم حسن العاقبة.

10. سورة للشعراء، قال الله تعالىٰ:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ٥وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ٥فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ٥وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ٥الَّذِى يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ٥وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ٥إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (46)

تفسير الاية: نهى الله عزوجل فى هذه الايات نبيّه(ص). عن الشرك ثم قال أنذر- أيها النبيى- عشيرتك وقرابتك الأ قرين من المؤمنين الذين اتبعوك، فاجمعهم إليك بالرأفة واشتغل بهم بالتربية وان عصوك فتبرأ من عملهم وليس لك من أمر طاعتهم ومعصيتهم شيء وراء ما كلفناك، فكل ما وراء ذلك إلى الله سبحانه، وتوكل فى أمر المتبعين والعاصين جميعا إلى الله فهوالعزيز الرحيم، يعمل بسنته أي يأخذ العاصين وينجيى المومنين. (47)

نكات اخلاقية فى الاية:

1) تنهانا هذه الاية عن الشرك بجميع اقسامه.

2) "لا استثناء فى الدعوة الدينية ولامداهنة كماهو معهود فى السنن الملوكية، فلا فرق فى تعلق الانذار بين النبى وأمته، لابين الاقارب والأجانب، فالجميع عبيد، الله مولهم". (48)

3) تؤكد الاية للقيادة الاسلامية بالرأفة والرحمة ممن يتبع الدين.

4) تأمر الاية بالتوكل على الله. سبحانه. خاصة فى عملية التبليغ الدينيى.

11. سورة الانبياء، قال الله تعالیٰ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (49)

تفسیر الآیة: أسلوب هذه الاية- بلاغيا- من نوع قصر الموصوف على الصفة أي إنك - أيها النبى- أرسلت رحمة ورأفة فقط. فمانرى فى حياة النبى (ص) إلاجانب الرحمة والرأفة. وهذا ما يستفاد أيضا من حمل المصدر على الذات كما فى قولك زيد عدل أي تجسم فيه وصف العدالة كأنه عين عدل، فكذلك هو (ص) رحمة أي تجسمت فيه وصف الرحمة كأنه. ص. عين الرحمة. وكون النبى (ص) رحمة لايختص بقوم دون قوم وبزمان دون زمان وبقطر دون قطر، بل هو رحمة للعالمين، كما أن الله ربّ العالمين فرسوله رحمة للعالمين.

ولذاكان النبى (ص) رحمته شاملة للحيوانات والكفار والمنافقين مضافا إلى المؤمنين- أما المومنون فكان رحيما كثير الرحمة بهم، قال تعالیٰ:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (50)

والمعنى: لقد جاءكم -أيها المومنون- رسول من قومكم، يشق عليه ماتلقون من المكروه والعنت، حريص على إيمانكم وصلاح شأنكم، وهو بالمومنين كثير الرأفة والرحمة.

كان النبى. ص. يحزن ويحسر لعدم قبول الناس دعوة التوحيد، وبالتالي مصيرهم إلى جهنم، قال عزوجل:

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (51)

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (52)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (53)

ويمكن تفسير كونه (ص) رحمة للعالمين، بأنه (ص) رحمة تكوينية ورحمة تشريعية.

أما كونه (ص) رحمة تكوينية للعالمين، فبسبب أنه أول مخلوق ولولاه لما خلق الله الأفلاك.

وأما كونه (ص) رحمة تشريعية فباعتبار أن ما جاء به إلى الناس من الدين هو ذريعة سعادة دنياهم وأخراهم.

فالمومنون المتبعون له(ص) فرحمته تشملهم. ومن ثم ميّزالله تعالیٰ أمة حبيبه من بين الأمم بكونها أمة مرحومة" وقال(ص): أمتيى هذه امته مرحومة ليس عليها عذاب فى الاخرة عذابها فيى الدنيا: الفتن والزلازل والقتل" (54)

نكات اخلاقيه فى الاية:

1. الرسول الأكرم بعثه الله رحمة لما سواه.
2. الاسلام دين الرحمة والرأفة.
3. الرسول الاعظم وسيلة الرحمة للمخلوقات.

12. سورة القلم، قال الله تعالىٰ:

وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ (55)

تفسير الاية: قال المفسر سيد قطب فى تفسير هذه الاية الكريمة ما ملخصه: يعجز كل قلم، ويعجز كل تصور، عن وصف قيمة هذه الكلمة العظيمة من رب الوجود، وهيى شهادة من الله، فى ميزان الله، لعبدالله، يقول له فيها "انك لعلى خلق عظيم" ولقد رويت عن عظمة خلقه فى السيرة، وعلى لسان أصحابه روايات كثيرة، وكان واقع سيرته أعظم شهادة من كل ما روي عنه. ثم إن لهذه اللفتة دلالتها على تمجيد العنصر الأخلاقيى فى ميزان الله وأصالة هذا العنصر فى الحقيقة الاسلامية كأصالة الحقيقة المحمديه: تقوم عليه أصولها التشريعية واصولها التهذييته على السواء.

تقوم سيرة محمد(ص) الشخصية مثالا حيا وصفحة نقية، وصورة رفيعة، تستحق من الله أن يقول عنها فى كتابه الخالد"وانك لعلى خلق عظيم" وقد تمثلت الاخلاقية الاسلامية بكمالها وجمالها وتوازنها وإستقامتها واطرادها وثباتها فى محمد.ص. وتمثلت فى ثناء الله العظيم، وقوله، "وانك لعلى خلق عظيم". (56)

نكات اخلاقية فى الاية:

1. هذه الاية تؤكد على لزوم تعظيم و تجليل مقام النبى(ص)
2. قد أمضى الله تعالى جميع التصرفات السلوكية للنبيى(ص) فى حياته معيار اخلقيا للمسلمين فى جميع المجالات.

اللهم بنبيك حوّل حال الأمة المسلمة المرحومة إلى أحسن الحال: الأمن والسلام، ووحدة الكلمة، والإصلاح، وحفظ النفوس والأعراض و رعاية سائر القيم الاخلاقية. والاجتناب والتحرز عن الرذائل، فرديا وجماعيا ودوليا و إقليميا.

*****

الهوامش والمراجع

1- القمر:50

2- ص: 71-72

3- الامام الغزالي: إحياء علوم الدين، مكتبة كرياطه فوترا، سماراغ. اندونيسيا. ج:3، ص:52

4- العلامة محمد حسين طباطبائی، الميزان فی تفسير القرآن، در الكتب الاسلامية، تهران، ج: 20، ص: 27

5- الجمعة: 2

6- الميزان فی تفسير القرآن، ج: 19، ص:306

7- بيهقى، احمد بن حسين، السنن الكبرى، بيروت، دار الكتب العلمية، ط3، ج:19، ص:323

8- مسند الامام أحمد بن حنبل، دار لفكر، بيروت ط3 : ج:2ح:8991

9- الشيخ الطوسى، محمد بن حسن، الأمالي، مؤسة بعثت، قم، ط:1، ص:596

10۔ الکلینی: محمد بن یعقوب، أصول الکافی، دار الاضواء بیروت لبنان ج:2، کتاب الایمان والکفر، باب حسن الخلق، ح:2

11۔ القلم:4

12۔ الاحزاب:21

13۔ مسند الامام احمد، ج:5، ح: 244323

14۔ آل عمران:110

15۔ آل عمران: 158

16۔ الرعد:11

17۔ نمط من الشعر نشأ فی الأندلس وذاع فیها، حافظ علی العروض العربی إجمالاً، وخرج إلی أعاریض جیدة أحیانا، ولکنه فی کلتا الحالتین نهج فی التألیف نهجا جدیدا قائما علی المبالغة فی الرقة والموسیقی والسهولة، فهی هیکل من العقیدة یختلف عن هئیة العقیدة العربیة وسمی کذلك لأنه یشبه الوشاح أی حلی المرئة، بأشکاله وتطاریزه واکثر ماینتهی عندهم إلی سبعة أبیات. (www.almaany.com)

18۔ الامام البخاری، الأدب المفرد، دار الصدیق، المملکة العربیة السعودیة، باب: 144، ح: 308

19۔ آل عمران: 159

20۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج: 4، ص:57

21۔ العلامة المجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار، دار احیاء التراث العربی، ج:16، ص:199

22۔ الانعام:50

23۔ المیزان فی تفسیر القران، ج: 7، ص: 95۔97

24۔ الفقیه المحقق الشیخ جعفر السبحانی، الموجز فی الاصول، ص: 37

25۔ الاعراف: 199

26۔ صحیح البخاری، ح: 6853

27۔ الطبرسی فضل بن حسن، مجمع البیان، ج: 4، ص: 787۔ 788

28۔ التوبہ: 61

29۔ مجمع البیان، ج: 5، ص: 68۔ 69

30۔ التوبہ: 61

31۔ النحل: 127

32۔ مجمع البیان، ج: 6، ص: 605۔ 606

33۔ الکہف: 6

34۔ مجمع البیان۔ ج: 6، ص: 694

35۔ المیزان فی تفسیر القرآن۔ ج: 15، ص: 257

36۔ الکہف: 22۔ 24

37۔ المیزان فی تفسیر القرآن۔ ج: 13، ص: 289

38۔ المیزان فی تفسیر القرآن۔ ج: 13، ص: 289۔ 290

39۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل۔ کتاب صلوۃ، باب المساجد فی البیوت، ح: 425

40۔ الکہف: 69

41۔ الصافات: 102

42۔ طه: 1۔ 3

43۔ الامام ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ دار الغد الجدید، قاھرہ ط ا۔ 1431ھ ج: 3، ص: 131

44۔ طه: 130۔ 132

45۔ المیزان فی تفسیر ان۔ ج 14، ص 254، 259، مجمع البیان: ج: 7، ص: 57

46- الشعراء: 214-220

47- المیزان فی تفسیر القرآن- ج:15، ص:358-359

48- المیزان فی تفسیر القرآن ج:15، ص:259

49- الانبیاء:107

50- التوبه: 128

51- النمل:70

52- فاطر:8

53- الکهف:6

54- الامام ابوداود، سلیمان بن الاشعث، السنن، دارالسلام، الریاض: کتاب الفتن والملاحم۔ ح:4278

55- القلم:4

56- سید قطب: فی ظلال القرآن، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ط:5، ج:8، ص:220-232

TRADITION OF THE HOLY PROPHET (PBUH) AND THE CONTEMPORARY APPLIANCES OF JIHAD
(IN THE LIGHT OF QURAN)

By: **Syed Muzammil Hussain Naqvi***
muzammilhussainnaqvi5@gmail.com

Key Words: *Primary Jihad (Holy Struggle), Defensive Jihad, greater Jihad, Minor Jihad, Terrorism.*

Abstract:

Religion wants human beings to be peaceful in this world and successful in the world-hearafter. There is no room for warfare and blood-shedding in the religion. Islam has been called as natural and peace-loving. On the other side, doing jihad has been stressed in its divine book, Quran. There are 74 references of jihad in Holy Quran that highlight many benefits of jihad. Etymologically, the word "Jihad" has been derived from the Arabic word "Je'hd" which means 'to bear and endure force/power and hardship'. In technical terms, jiahd refers to any action which aims at uplifting Islam and maintaining the 'Sha'aeir' of faith. There are different kinds of jihad, viz. Jihad bil-elm (Jihas by education), Jihad bil-amal (Jihad by practice), Jihad bil-mal (Jihad by property/material possessions), Jihad bin-nafs (Jihad by self/inner jihad), Jihad bis-saif (Jiahad by sword/ armed jihad) etc. The Holy Quran favors defensive war and dislikes primary/offensive war. Islam upholds the human values in conducting, even, the defensive war, e.g. an invitation for conversion (to Islam) before the outbreak of war; provision of shelter for those who ask for; protection of women, children, elders etc.; prohibition from putting corps, trees into fire and poisoning drinking water. Terrorism, thus, cannot be called jihad. The Holy Prophet (PBUH) always preferred to solve problems and difference by reconciliation and negotiations. It is worthy to note that Islam gives more significance to the fighting with inner enemy (nafs) than to the outter one. To fight against the outer enemy is called 'Jihad-e-Asghar' (minor jihad), whereas the fight against the inner enemy is termed 'Jihad-e-Akbar (greater jihad). The Islamic wars are not aimed at imposing its ideologies and views by force and coercion; rather they are waged against coercion, oppression and barbarism.

*. Director NDE; Bara Khau Islamabad.

THE ROLE OF THE ART OF COMMUNICATION IN THE PUBLICIZING CAMPAIGN OF THE PROPHETHOOD OF THE PROPHET OF ISLAM

By: **Dr.Muhammad Riaz***
dr.riazrazee@gmai.com

Key Words: *The Age of Ignorance, Kinds of Communication, Arab Poets, Hazrat Abu Talib (a.s), The Prophecies of Prophethood.*

Abstract:

There are three major and prominent parts of the life of the Holy Prophet (PBUH). The first part belongs to the era when he was not allowed to proclaim his prophethood. In this part of his life, he undertook his responsibilities through a 'silent communication and dissemination'. The second part of his life is about his proclamation of prophethood and the formal beginning of his mission. The third part begins with his 'migration to Madina'. In this part, the teaching of Islam were promulgated, disseminated and communicated; an Islamic state was established; and the Holy Prophet (PBUH) became known as a global leader. This paper is related to the first part of his life, i.e. his life before the proclamation of the prophethood. This paper argues that the art of communication played a major role in the publicizing campaign of the prophethood of the Prophet (PBUH). The significance of the role of the art of communication was recognized even hundreds of years before the birth of the Prophet of Islam (PBUH).

**. Research Scholar; Karachi University.*

THE MORALS AND ETHICS OF THE HOLY PROPHET (PBUH) IN THE LIGHT OF NAHJ AL-BALAGHAH

By: ***Roshan Ali*** [*]
roshanali007@yahoo.com

Key Words: *Ba'that (Proclamation of the Prophethood), Morals, Asceticism and Piety, Childhood, Obedience, World, Soul, Light, Guidance, going Astray.*

Abstract:

Allah Almighty sent the Holy Prophet (PBUH) to guide the human beings. The Holy Prophet (PBUH) pulled out human beings from darkness and led them to light, laying the foundations of a good society. The society that was wicked and immoral became good and moral. The people who were used to cut each other's throats started making sacrifices for each other. This change was a result of the morals and ethics of the Holy Prohet (PBUH). Imam Ali (a.s), who lived his childhood and youth with the Holy Prophet and observed and learned his morals, has described his morals as an eye witness. In this paper, the morals and ethics of the Holy Prophet (PBUH) will be discussed in the light of Nahj al-Balaghah. References from Quran and Hadith will also be included for explanation.

**. Assistant Professor, Model College For Boys, Islamabad.*

THE MILITARY STRATEGY OF THE HOLY PROPHET (PBUH) IN DIFFERENT WARS

By :**Dr. Jawad Haider Hashimi***
drjawadhaider@yahoo.com

***Key Words**: The Prophet of Islam, The Battle of Badr, The Battle of Ohud, The Battle of Khandaq, Foresight, Strategy, Defense, the Army of Islam.*

Abstract:

The Holy Prophet (PBUH) was used to sort out his matters by better understanding of situations, taking sound decisions in time, and formulating excellent strategies. He did not carry out his tasks by the extraordinary power of miracles, given to him by Allah Almighty. His unmatched successes and accomplishments in military, religious, and political fields in his short period of prophethood was the outcome not only of the blessings and providence of God, his foresight and strategies also played a major role in them. It was his brilliant strategy that the Islamic army, instead of being small in numbers, always defeated armies larger multiple times than it. The military strategies he employed in battles are models for Muslim leaders, especially military ones, to follow. In this paper, some aspects of his military tactics and strategies have been discussed.

*. Assistant Professor, Islamic Studies Dep. KU; Karachi.

FRESH UNDERSTANDING OF THE SIRAH OF THE HOLY PROPHET (PBUH)

By: **Syed Muzaffar Hussain***
Smrizvi_12@hotmail.com

Key Words: *The Modern Understanding of Sirah (the Life of the Holy Prophet), objection to the Sirah, Jesus (a.s), previous Prophets.*

Abstract:

Although every aspect of the Sirah has been discussed and basic principles of living modern life has been inferred from it, yet the basic question remains that why and on what basis the new approach to the Sirah and the new understanding and exploration of it is possible. It is argued that the Quran and the Sirah is applicable to and salvation for the human beings of every epoch and era, yet the opposing view is also intact, viz. how it is possible that the laws and principles that were formulated and promulgated 14 hundred years ago are applicable to the modern life?; is it wise to consider the views of a reformer, who came centuries ago, as guidelines for the contemporary era? Muslim thinkers unanimously hold the view that the Sirah is compatible with every era and its requirements. On the basis of this belief, it can, therefore, be asserted that Muslims consider the Holy Prophet (PBUH) as the last apostle of God and follow his completely. But, when we look at the objections of the followers of other religions, we face multiple questions. The major question and objection is that the personality of the Holy Prophet (PBUH), his Sirah and his sayings could be applicable to a specific era, yet assertion that his Sirah is applicable to every era is an expression of conservatism and traditionalism, antithetical to modernism and enlightenment. Muslim scholars claim that they have solid evidences to refute the objection. In this paper, an attempt has been made to find the answers to the above-mentioned questions.

*. Research Scholar; Islamic Studies Dep. KU; Karachi.

THE PROMINENT ASPECST OF THE AWAKENING OF THE UMMAH IN THE PROCLAMATION OF THE PROPHETHOOD

By: ***Huma Hassan****

Huma_hassan_r@hotmail.com

Key Words: *The Proclamation of Prophethood (Be'that), Ummah (Muslim Community), Awakening, Brotherhood.*

Abstract:

The Holy Prophet (PBUH) returned from the Cave of Hira with the candle of righteousness and lightened the world with knowledge and intellect. Every message of him was in complete harmony with human nature and indispensable for human awakening. The proclamation of his Prophethood is one of the major events of the universe. His proclamation of prophethood is, actually, the birth and rise of Islam, human awakening and the completion of the series of prophets. If someone succeeds in understanding the reality of the proclamation of the Holy Prophet, i.e. how God bestows a person with Prophethood; he succeeds in reaching to guidance. The Proclamation of the Prophethood is a complete system and way of human guidance. The religion the Holy Prophet (PBUH) brought to human beings is a complete system of guidance for them. This paper strives to highlight to prominent aspects of the awakening of the Ummah in the context of the Sirah and proclamation of the Prophethood of Hazrat Muhammad (peace be upon him)

**. Research Scholar; Jinnah University For Women; Karachi.*

A CRITICAL REVIEW OF THE MYTH OF THE CHEST SURGEY OF HOLY PROPHET

By: Dr. ***Syed Haider Abbas Wasti**** *

dr.sha.wasti@gmail.com

***Key words**: The Life of the Holy Prophet (PBUH), Expansion of the chest (Shaqq-e-Sadr, the Sermon of Hijja al-Wida, Narrations regarding Shaqq-e-Sadr.*

Abstract

Some historians had relied on fake and unethentic Narrations (Ahadith); overlooking those Quranic verses that explain the life of the Prophet Muhammad (PBUH). Those are fake Narrations that they are an assault on the personality of the Holy Prophet (PBUH), and are antithetical to Quran. Such historians did not attempt to understand the verses regarding the Holy Prophet (PBUH), rather they interpreted those verses using their own intellect. By doing this, they made the Sirah, a role model for every human in every era, questionable. The Holy Prophet performed his first and last pilgrimage with his companions in his last days. In his return to Madina After performing pilgrimage, he delivered a sermon, Khotba-e-Hijjat al-Wida, at Ghadeer al-Khoum. In the Sermon he said: "I am leaving among you two precious things; one of which is the Quran and the other is my progeny-my household. They will not get apart until they meet at Hawz-e-Kaosar. And those who will be attached with them will not go astray". But, the Muslims not only forgot his teachings, they also accepted fake Narrations that negatively affected them. The infallibility of the Holy Prophet (PBUH) became obscured as Muslims held the view that the Holy Prophet (PBUH) was like them, not infallible. They believed that the event of 'Shaqq-e-Sadr' (slitting of chest) occurred four times in his life. In this paper, a critical review of such Narration has been presented.

**. Director Zaid Shaeed Academy; Karachi.*

THE HUMBLENESS AND WORSHIP OF GOD BY THE PROPHET MUHAMMAD

(WITH REFERENCE TO IMAM KHOMEINI'S "CHEHEL-E-HADITH)

By: ***Ramee-al-Hassan Mosavi****
srhm2000@yahoo.com

***Key words**: The Explanation of 40 Ahadith, Worship of God (Ebadah), humbleness, Fasting, Miswak.*

Abstract

Imam Khomeini was a true follower of the infallible 14 (Chaharda Masoomeen). His whole life passed in following the Sirah of the Holy Prophet (PBUH). He thought it obligatory to follow the Sirah from every day matters to ebadah. One of the significant books of him is "Sharh-e-Chehle-e-Hadith, considered to be one of the major books on Ethics. This book is a great treasure for those who are interested in mysticism and the ethics of Quran and Islam. In the book, he has presented many examples of the Sirah, calling upon Muslims to follow the Holy Prophet (PBUH). Imam Khomeini appears to be a teacher of ethics and a preacher in this book. In this paper, a few instances of the humbleness and worship of God of the Prophet (PBUH) have been presented with reference to Chehel-e-Hadith.

**. The Editor Quarterly "Noor-e-Marfat"; Research Scholar, Islamabad.*

THE HOLLY PROPHET S' MORALITY; THE MORALITY OF QURAN

By: **Dr. Sajjad Subhani**[*]
dr.sajidsubhani@yahoo.com

Key words*: Morals; Soul; Virtues; Negatives; Practical of Quran; Ethical Identity; Islamic Leader; Religious Propagator.*

Abstract

Morality belongs to the important part of Human being; i.e. soul. Infact, morality is a situation rooted in soul on the basis of which a person performs moral activities easily; without any difficulty and rarely. Morality is either good or bad. The former is called 'Aklaq-e-Hasna', virtue or good morals, whereas the latter is called 'Aklaq-e-Razeela, bad morals or negatives. But when the word 'Aklaq' is used in its common sense, without any suffix, it refers to virtues and 'good morals'.

The signifcane of good morals can easily be understood by the fact that God has praised the Holy Prophet (PBUH) for being in the highest stage of morality saying "And indeed you are of a great whole moral character". It is a testimony from God that the life of the Holy Prophet (PBUH) was a model and emblem morality and personification of Quranic teachings. The Holy Prophet (PBUH) is, therefore, a role model for every Muslim in everywhere and everytime. By his great moral character, the Holy Prophet (PBUH) brought about a revolution in human socity; pulling it back from the darkness of polytheism towards the light of monotheism and guidance.

The significance of morality is also hightighted by the fact that when a society or nation adhers itself with it, it marches on the path of progress. On the other side, when a nation divorces morality, its destruction begin. Stated fact the current decline and powerlessness of Muslim Ummah is because of the weakness of its moral personality. Muslim Ummah, that is, thus, in great need of studying and adopting the 'Muhammadan morality". In this paper, verses from ten chapters (surah) of Quran hase been gathered which highlight the basic moral virtues of the The Holy Prophet (PBUH) that should be followed by the Muslim Ummah.

**. Principal Jamiat-ur-Raza; Teacher at MIU; Islamabad.*

سہ ماہی **نور معرفت**

ممبر شپ فارم

نام:______________________________ تعلیم: ______________________________

پیشہ:______________________________ فون نمبر: ______________________________

پتہ:____

____

E-mail:____

براہ کرم سال__________کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کردیجئے۔ شکریہ دستخط خریدار: __________

دفتری استعمال کے لئے

برادر/خواہر_______________کی ممبر شپ برائے سال__________کی درخواست منظور کرتے ہوئے رجسٹریشن نمبر جاری کردیا گیا ہے متعلقہ ممبر کو مجلّہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

رجسٹریشن نمبر:_______________ تاریخ اجراء:_______________ ممبر ساز:_______________

نوٹ: مجلّہ کا 2017ء کے لئے زرِ سالانہ مبلغ:/500 روپے اور فی شمارہ:/130 روپے ہے۔

خط وکتابت کا پتہ:

سہ ماہی نور معرفت/نوری الھدیٰ مرکز تحقیقات/نور الھدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی/بارہ کہو اسلام آباد/فون: 051-2231937

www.nht.org.pk, www.nmt.org.pk

E-mail:noor.marfat@gmail.com

Declaration No: 7334

ISSN 2221-1659

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol # 8
Issue: 1
Jan - March
2017
According to
Rabi-ul-Sani
To
Jamadi-ul-Sani
1438

Chief Editor
S.Hasnain Abbas Gardezi

Editor
S. Rameez-ul-Hassan Mosvi

EDITORIAL BOARD

- Dr. Sh. M. Hasnain
- Dr. S. Rashid Abbas
- Dr. Ali Raza Tahir
- Dr. Sukaina Hussain
- Dr. Roshan Ali
- Dr. Karam Hussain Wadhoo

ADVISORY BOARD

- Dr. Sajid Ali Subhani
- S. Ali Murtaza Zaidi
- Dr. Muhammad Riaz
- Dr. S. Nisaar Ali Hamdani
- S. Aqeel Haider Zaidi
- S. Samar Ali Naqvi

Registration

Pakistan: 500 PKR
Middle East: 070 $
USA, Canada, Europe: 150 $

Composing Babar Abbas

Printer Pictorial Press (Islamabad)

صحیفہ سجادیہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے ساتھ آپؐ کی زحمتوں کا تذکرہ

"وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الّذِی مَنّ عَلَيْنَا بِمُحَمّدٍ نَبِيّهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ دُونَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَ الْقُرُونِ السّالِفَةِ، بِقُدْرَتِهِ الّتِى لَا تَعْجِزُ عَنْ شَیْءٍ وَ إِنْ عَظُمَ، وَ لَا يَفُوتُهَا شَیْءٌ وَ إِنْ لَطُفَ۔۔۔۔ اللّٰهُمّ فَارْفَعْهُ بِمَا كَدَحَ فِيكَ إِلَى الدّرَجَةِ الْعُلْيَا مِنْ جَنّتِكَ۔حَتّى لَا يُسَاوَى فِی مَنْزِلَةٍ، وَ لَا يُكَافَأَ فِی مَرْتَبَةٍ، وَ لَا يُوَازِيَهُ لَدَيْكَ مَلَكٌ مُقَرّبٌ، وَ لَا نَبِیّ مُرْسَلٌ۔۔۔۔ وَ أَقِمْ بِهِ كِتَابَكَ وَ حُدُودَكَ وَ شَرَائِعَكَ وَ سُنَنَ رَسُولِكَ، صَلَوَاتُكَ اللّٰهُمّ عَلَيْهِ وَ آلِهِ، وَ أَحْيِ بِهِ مَا أَمَاتَهُ الظّالِمُونَ مِنْ مَعَالِمِ دِينِكَ، وَ اجْلُ بِهِ صَدَاءَ الْجَوْرِ عَنْ طَرِيقَتِكَ، وَ أَبِنْ بِهِ الضّرّاءَ مِنْ سَبِيلِكَ، وَ أَزِلْ بِهِ النّاكِبِينَ عَنْ صِرَاطِكَ، وَ امْحَقْ بِهِ بُغَاةَ قَصْدِكَ عِوَجاً۔"

امام زین العابدین علیہ السلام اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں:

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ہم پر وہ احسان فرمایا جو نہ تو گزشتہ اُمتوں پر کیا اور نہ پہلے لوگوں پر۔ اپنی قدرت کی کارفرمائی سے جو کسی شے سے عاجز و درماندہ نہیں ہوتی اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہو اور کوئی چیز اس کے قبضہ سے نکلنے نہیں پاتی اگرچہ وہ کتنی ہی لطیف و نازک ہو۔

اے اللہ! انہوں نے تیری خاطر جو کوششیں کی ہیں ان کے عوض انہیں جنت میں ایسا بلند درجہ عطا کر کہ کوئی مرتبے میں ان کے برابر نہ ہو سکے اور نہ منزلت میں ان کا ہم پایہ قرار پا سکے اور نہ کوئی مقرب بارگاہ فرشتہ اور نہ کوئی فرستادہ پیغمبر تیرے نزدیک ان کا ہمسر ہو سکے۔

اور حدود واحکام اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشوں کو قائم کر اور ان کے ذریعہ ظالموں نے دین کے جن نشانات کو مٹا ڈالا ہے از سر نو زندہ کر دے اور ظلم وجور کے زنگ کو اپنی شریعت سے دور اور اپنی راہ کی دشواریوں کو برطرف کر دے۔ اور جو لوگ تیرے راہ صواب سے روگردانی کرنے والے ہیں انہیں ختم اور جو تیرے راہ راست میں کجی پیدا کرتے ہیں انہیں نیست و نابود کر دے۔"

(صحیفہ کاملہ کی دعا نمبر ۷، ۴، ۲ سے اقتباس)

QUARTERLY

SOCIAL / RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

NOOR-E-MARFAT

اسلام کے بنیادی ترین مسائل میں سے ایک مسئلہ، اُسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل کا ہے؛ کیونکہ اسوہ اور نمونہ کو قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا انسان کی جبلت میں رکھا گیا ہے۔ انسان اُسوہ کے بغیر کمال کی طرف سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جو انسان زندگی کے کسی مرحلے میں اسوہ سے محروم ہو جائے تو وہ حیرت و پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نمونہ اور اُسوہ تاریکی میں رہنما چراغ کی حیثیت رکھتا ہے جو انسان کو دنیا کے مادی اندھیروں سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکلنے اور قرب الٰی اللہ کی منزل تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

انسان کو منزل مقصود تک پہنچانے اور ملکوت کی طرف اس کی ہدایت کے لئے اسلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہادی، نمونہ اور اُسوہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اگر انسان اِس اُسوہ کی معرفت حاصل نہ کرے تو خواہ نا خواہ وہ کسی کاذب نمونہ عمل اور اُسوہ کی پیروی کرے گا۔ لہٰذا ہر انسان کا فریضہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل کرے اور آپؐ کی پیروی کرے۔ جس کا پہلا مرحلہ آپؐ کی سیرت سے آشنائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی سیرت پر کام اور تحقیق کی ضرورت ہر دور میں باقی ہے اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق آپؐ کی سیرت کا تحقیقی مطالعہ ضروری ہے۔

Ph:051-2231937 www.nmt.org.pk www.nht.org.pk

DECLARATION NO: 7334 ISSN2221-1659